دیوانِ غالب نسخۂ عرشی

کا

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

مؤلف

ڈاکٹر محمد سعید

ادارہ فروغِ اُردو، لاہور

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی

کا

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر محمد سعید

ادارہ فروغِ اُردو، لاہور

نام کتاب: دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ
مؤلف: ڈاکٹر محمد سعید
اشاعت اوّل: 2017ء
مطبع: نقوش پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر: ادارہ فروغِ اُردو، لاہور
تعداد: ۵۰۰
قیمت: ۶۰۰/-

انتساب

اُردو تحقیق کے معمار، معروف غالب شناس

استادِ مکرّم و معظّم

ڈاکٹر سیّد معین الرحمن

کے نام

''ظلم''، غمزے کی کشاکش سے چھٹا ''تیرے'' بعد

بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا ''تیرے'' بعد

فہرست مُندرجات

صفحہ نمبر

☆ دیباچہ ۷

پہلا باب: غالب کے اُردو کلام کی ترتیب و تدوین کی روایت ۱۵

دوسرا باب: نسخۂ عرشی کی اشاعتیں : تعارف اور طریقِ تدوین کا جائزہ ۴۷

ا۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل

ب۔ نسخۂ عرشی طبع دوّم

ج۔ نسخۂ عرشی طبع سوّم (طبع دوّم کی عکسی اشاعت)

تیسرا باب: نسخۂ عرشی کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کا تقابلی مطالعہ ۱۰۹

چوتھا باب: نسخۂ عرشی کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ (۱) ۱۴۳

ا۔ مقدمے کی فروگزاشتیں

ب۔ کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب

ج۔ نسخۂ عرشی کا بنیادی متن

پانچواں باب: نسخۂ عرشی کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ (۲) ۱۹۱

ا۔ نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ

ب۔ نسخۂ عرشی کا املا اور رسم الخط

ج۔ کچھ دیگر مباحث

چھٹا باب: دیوانِ غالب نسخۂ عرشی : قدر پیمائی ۲۳۳

ساتواں باب: مجموعی جائزہ ۲۵۹

☆ کتابیات ۲۷۱

☆ ضمیمہ
دیوانِ غالب کے قلمی و مطبوعہ نسخوں کے چند صفحات کے عکس ۲۷۸ □

دیباچہ

کسی شاعر کے کلام کی ہو بہو اور مناسب تفہیم اور اس کے ذہنی ارتقا اور بدلتے معیارات کو سمجھنے کے لیے اس کے کلام کی تاریخی ترتیب اور تدوین، ہر دو کو نہایت ضروری خیال کیا جاتا ہے یا کیا جانا چاہیے۔ جب تک مصنف کی تخلیقات کو اُس کی منشا کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے گا، اس کے افکار و نظریات تک رسائی حاصل کرنا مشکل بلکہ ناممکن رہتا ہے۔ مصنف نے جیسا لکھنا چاہا یا جو کہنا چاہا، اگر متن کو اُس کے مطابق پیش نہ کیا جائے گا تو اُس کے کلام کی غلط تعبیرات کے مواقع بڑھتے رہیں گے۔ مصنف کے ہاتھ سے لکھی ہوئی یا کسی کاتب سے لکھوائی ہوئی تحریریں یا پھر مطبع سے چھپی ہوئی کتب کے متون کی صورت کیا سے کیا ہو جاتی ہے، یہ اظہر من الشّمس ہے اور ایسے ہی اشکال منشاے مصنف تک پہنچنے میں اصل رکاوٹ بھی ہوتے ہیں۔

اُردو شعرا کے کلام کی تاریخی ترتیب و تدوین کی روایت کچھ زیادہ پختہ نہیں ہے۔ اس کا ایک سبب تو شاید یہ ہو کہ اُردو میں ایسے شعرا بہت کم ملیں گے جن کے کلام میں ترمیم و اضافے اور تغیر و ارتقا کا عمل پایا جاتا ہو لیکن دوسرا بڑا سبب، ترتیب و تدوین کو دوسرے درجے کا کام خیال کر کے، اس سے صرفِ نظر کرنا ہے اور اس صرفِ نظر کا سبب یقینا، وہ محنت، ریاضت اور جانکاہی و دیدہ

ریزی ہے جو اس کام میں کرنا پڑتی ہے۔ نتیجتاً لوگ اس کوچے میں قدم رکھنے سے گھبراتے ہیں اور اسے مشقت طلب یا دوسرے درجے کا کام قرار دے کر گزر جاتے ہیں۔

اُردو میں شعرا کے کلام کی تدوین کے جو نمونے ملتے ہیں اُن میں مرزا غالب کے اُردو کلام کی ترتیب و تدوین، دو حوالوں سے نمایاں، انفرادیت رکھتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اُردو کے شعری مجموعوں کی تدوین کی ابتدائی روایت یا باقاعدہ تدوین کا آغاز، کلامِ غالب کی تدوین کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ دیگر شعرا کے کلام کی تدوین کی نسبت غالب کے کلام کی تدوین، سائنٹیفک انداز سے جدید اصولِ ترتیب و تدوین کے مطابق کرنے کی کوششیں زیادہ ہوئیں اور بیشتر بہتر بھی ہوئیں۔ کلامِ غالب کی تدوین کا یہ درجۂ استناد بھی غالب اور اس کے کلام ہی کا اعجاز ہے کہ دیوانِ غالب کے متعدد، معاصر قلمی نسخے اور مطبوعہ ایڈیشن، کسی نہ کسی صورت، آج بھی موجود اور میسر ہیں۔ غالب کے کلام کا، ترتیب و تدوین کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ موضوعِ بحث اور زیرِ مشق رہنے کا ایک بڑا محرّک یہ بھی ہے کہ غالب کے ہاں ترمیم و اضافہ اور اصلاحوں کی مثالیں، دوسرے شعرا کی نسبت زیادہ نظر آتی ہیں۔

ابتدائی سطح پر کلامِ غالب کو تاریخی ترتیب اور صحتِ متن کے ساتھ پیش کرنے والوں میں مفتی انوارالحق، ڈاکٹر سید عبداللطیف اور شیخ محمد اکرام کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان مرتبین کے کام، بیسویں صدی کے نصف اوّل میں اپنی اپنی اہمیت اور شناخت کروا چکے تھے اور اس بات کو رواج اور فروغ ہو رہا تھا کہ کلامِ غالب کو جدید اصولِ ترتیب و تدوین کے مطابق زمانی ترتیب سے پیش کیا جائے۔ اس دوران میں تاریخی ترتیب کو بہ احسن پیش کرنے کے لیے متعدد قلمی نسخے بھی دریافت ہو چکے تھے اور ان مختلف مخطوطات نیز کچھ رسائل و جرائد وغیرہ کے ذریعے سے غالب کا غیر مطبوعہ کلام بھی سامنے آ رہا تھا۔ گویا کلامِ غالب کو تاریخی ترتیب اور جدید اصول تدوین کے مطابق پیش کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مواد جمع ہو چکا تھا۔

ایسے تمام مواد کی فراہمی اور اس کے تجزیے کے بعد، مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے، دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی کے نام سے غالب کے کل اُردو کلام کو تاریخی ترتیب اور صحت متن کے ساتھ مرتّب کیا جو پہلی بار ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ اس وقت تک، نسخۂ عرشی، دیوانِ غالب کے مرتبہ ایڈیشنوں میں واحد تھا جس میں غالب کے تمام اُردو کلام کو جمع کر کے صحت متن کے ساتھ، اور زیادہ سے زیادہ تخلیقات کو تاریخی تعین کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔ مفصّل

مقدمہ، حواشی اور اختلافِ نسخ میں آنے والی معلومات بھی اس سے پہلے کسی مرتبہ ایڈیشن میں نہیں آ سکی تھیں۔ ۱۹۵۸ء کے بعد مولانا عرشی کو دیوانِ غالب کے مزید قلمی نسخے دستیاب ہوئے اور کچھ اچھے مرتبہ ایڈیشن بھی، لہٰذا ۱۹۵۸ء کے بعد والی دریافتوں اور تحقیقات کو سامنے رکھ کر انھوں نے نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن کے لیے، اس میں ترامیم اور اضافے کیے اور اپنی نگرانی میں اس کی طباعت مکمل کروا لی۔ نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ پھر ۱۹۹۲ء میں اس کے دوسرے ایڈیشن کی عکسی اشاعت، پیش کی گئی جس میں کسی نوعیت کا ترمیم و اضافہ نہ تھا۔

دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن بہت سی خوبیوں کا مرقّع ہے۔ اس کے معنوی حسن کی مثال میں دیوانِ غالب کا کوئی اور ایڈیشن پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بارے میں بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو تحقیق کی معراج، اگر، غالب پر ہونے والی تحقیق کو قرار دیا جا سکے تو تحقیقاتِ غالب کی معراج، مولانا امتیاز علی عرشی کا مرتبہ دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی ہے، لیکن اس کی یہ اہمیت، انفرادیت اور فوقیت، دیوانِ غالب کے دوسرے دستیاب مرتبہ ایڈیشنوں کی نسبت ہے۔ اگر جدید اصولِ تحقیق و تدوین کے پیشِ نظر، اس کا جائزہ لیا جائے تو بعض حوالوں سے یہ عینی معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ اس میں کچھ مقاماتِ آہ و فغاں آتے ہیں اور اس کے متن کو بہتر تر انداز میں پیش کرنے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دیوانِ غالب کے دوسرے مرتبہ ایڈیشنوں کی نسبت، نسخۂ عرشی کی گراں قدر خصوصیات کے پیشِ نظر، اکثر اس پر بھروسا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس ضرورت اور اہمیت کے پیشِ نظر، اس مقالے میں، نسخۂ عرشی کے محلِ نظر مقامات کی نشاندہی اور بقدرِ بایست ان کی تصحیح کے ذریعے سے، اس سے استفادے کی راہ کو بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نسخۂ عرشی کو جدید اصولِ ترتیب و تدوین کے مطابق دیکھنے اور پرکھنے کی پیش نظر کوشش کی، امید ہے قدرافزائی ہو گی۔ ایم-فل اُردو کے لیے لکھے گئے اس مقالے میں نسخۂ عرشی کے محلِ نظر مقامات کے بارے میں بھی مشاہدات اور معروضات پیش کیے گئے ہیں اور اس کے معترضین کے بعض بیانات کا جائزہ لینے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

زیرِ نظر مقالے میں نسخۂ عرشی کے بارے میں، اپنے مشاہدات اور معروضات کو سات ابواب میں پیش کیا گیا ہے۔

پہلا باب: ''غالب کے اُردو کلام کی ترتیب و تدوین کی روایت'' میں نسخۂ عرشی سے پہلے ہونے والی کلامِ غالب کی ترتیب و تدوین کی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

دوسرا باب: ''نسخۂ عرشی کی اشاعتیں: تعارف اور طریقِ تدوین کا جائزہ'' کے مباحث کو تین ذیلی عنوانات: (ا) نسخۂ عرشی طبع اوّل، (ب) نسخۂ عرشی طبع دوّم (ج) نسخۂ عرشی طبع سوّم (طبع دوّم کی عکسی اشاعت) کے تحت پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا باب: نسخۂ عرشی کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے۔دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے تحقیقی اور تنقیدی جائزے کے مباحث کو دو حِصّوں میں تقسیم کیا ہے اور اس طرح یہ مشاہدات، اس مقالے کے چوتھے اور پانچویں باب میں آئے ہیں۔ لہٰذا:

چوتھا باب: ''نسخۂ عرشی کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ (ا)'' تین ذیلی عنوانات: (ا) نسخۂ عرشی کے مقدمے کی فروگزاشتیں، (ب) کلام غالب کی تاریخی ترتیب، اور (ج) نسخۂ عرشی کا بنیادی متن، پر مشتمل ہے۔ اسی طرح

پانچواں باب: ''نسخۂ عرشی کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ (۲)'' بھی تین ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے جو یہ ہیں: (ا) نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ (ب) نسخۂ عرشی کا املا و رسم الخط (ج) نسخۂ عرشی کے کچھ دیگر مباحث یا محلِ نظر مقامات ۔ ان دو ابواب کے ذیلی حِصّوں کے متعلقہ مطالعات کے تحت، نسخۂ عرشی یا اس کے بارے میں ہونے والی تحقیق و تنقید میں سے تائید یا تردید، ہردو طرح کے مباحث کا احاطہ اور تجزیہ کیا گیا ہے، جس سی نسخۂ عرشی کی اہمیت و افادیت کا بھی بخوبی اندازہ ہو سکے گا اور اس کے بعض کمزور پہلوؤں کی بھی نشاندہی ہو سکے گی۔

چھٹا باب: دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کی قدر پیمائی پر مشتمل ہے جس میں نسخۂ عرشی کے اثرات و ثمرات اور اس سے استفادے کی کچھ تفصیل بیان کر کے اس کی اہمیت و افادیت کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ساتواں باب: مجموعی جائزے پر مشتمل ہے۔ یہ اصل مقالے میں شامل نہ تھا، بعد میں اضافہ کیا

گیا ہے۔ اس کے علاوہ اب دس سال بعد یہ مقالہ بغیر کسی بڑے ترمیم و اضافے کے پیش کیا جا رہا ہے۔

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے تحقیقی و تنقیدی جائزے پر مشتمل اس مقالے کے ان سات ابواب میں، ہر باب کے آخر میں اس کے حواشی اور حوالہ جات کو درج کیا گیا ہے اور پھر سب سے آخر میں ''کتابیات'' بھی درج کر دی ہیں۔ کتابیات میں صرف ان کتب اور رسائل کا اندراج کیا ہے جن کے حوالے اس مقالے میں آئے۔ مقالے کے سلسلے میں جن دوسری کتب سے استفادہ کیا گیا تھا، ''کتابیات'' کو ان سے گراں بار نہیں بنایا گیا۔

نسخۂ عرشی کے مآخذ کی جو علامتیں (مخفقات) مولانا عرشی نے استعمال کی تھیں، اس مقالے میں، جہاں نسخۂ عرشی کے بنیادی مآخذ کا ذکر آیا ہے وہاں اس نسخے کا پورا نام درج کر دیا گیا ہے یا پھر مولانا عرشی کی وضع کردہ علامتوں کو استعمال کیا ہے۔

یہاں اس مقالے کے آخری سے پہلے کے تین ابواب میں، چند کتب ایسی ہیں جن کے حوالے کسی قدر زیادہ آئے ہیں۔ ان ابواب کے ''حواشی اور حوالہ جات'' کو تکرار سے بچانے کے لیے ان کتب کے اقتباسات دینے کے بعد، متعلقہ اقتباس کے آخر میں کتاب کا پورا نام اور صفحہ نمبر دے دیا ہے۔ ان تین ابواب میں آنے والی ایسی کتب درج ذیل ہیں، جن کے مقابل، مقالے میں آنے والے ان کے مخفقات درج ہیں:

☆ ارمغانِ غالب، (طبع چہارم) شیخ محمد اکرام، ۱۹۴۴ء (ارمغانِ غالب)

☆ تفسیرِ غالب (طبع اوّل) ڈاکٹر گیان چند، ۱۹۷۱ء (تفسیر غالب)

☆ دیوانِ غالب کامل (نسخۂ رضا) کالی داس گپتا رضا، (بارِ سوّم) ۱۹۹۵ء (نسخۂ رضا)

☆ رموزِ غالب (طبع دوّم) ڈاکٹر گیان چند، ۱۹۹۹ء (رموزِ غالب)

☆ املاے غالب، رشید حسن خاں ۲۰۰۰ء (املاے غالب)

☆ غالب کا علمی سرمایہ (طبع دوم) ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، ۲۰۰۰ء (غالب کا علمی سرمایہ)

☆ دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ، (طبع دوم، ڈی لکس ایڈیشن)
ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، ۲۰۰۰ء (نسخۂ خواجہ)

☆ مرقعِ غالب (پرتھوی چندر)، ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، ۲۰۰۲ء (مرقعِ غالب)

ان کتب کے مکمل حوالے، ''کتابیات'' کے تحت بابھی ملیں گے۔ ان میں سے ہر کتاب کا پورا نام اور صفحہ نمبر متعلقہ اقتباس کے بعد لکھ دیا ہے۔ دیوانِ غالب کامل (گپتا رضا) اور دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ (ڈاکٹر سیّد معین الرحمن) کا حوالہ دیتے ہوئے پورا نام لکھنے کی بجائے بالترتیب ''نسخۂ رضا'' اور ''نسخہ خواجہ'' لکھا گیا ہے۔

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے مقدمے یا متن سے اقتباس درج کرتے وقت، پہلے باب کے بعد آخر تک، درج ذیل مخففات استعمال ہوئے ہیں:

☆ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی، مرتبہ؛ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، ۱۹۵۸ء، (نسخۂ عرشی طبع اوّل)

☆ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی، مرتبہ؛ امتیاز علی خاں عرشی، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء (مقدمہ/ نسخۂ عرشی)

یعنی نسخۂ عرشی کے پہلے ایڈیشن کا حوالے دیتے وقت مذکورہ علامت لکھ دی ہے، اگر اس کے دیباچے کا اقتباس ہے تو لفظ ''دیباچہ'' کا اس علامت میں اضافہ کر لیا ہے اور دوسرے ایڈیشن کے مقدمے سے جہاں اقتباس دیا ہے وہاں صرف ''مقدمہ'' اور اس کے علاوہ نسخۂ عرشی لکھا ہے۔ اقتباس کے بعد حوالہ دیتے وقت مآخذ کو قوسین میں رکھ دیا ہے۔ مقالے کے اختتام پر ''کتابیات'' اور اس کے بعد، موضوع سے متعلق ایک ضمیمہ بھی شامل ہے۔ یہ ضمیمہ دیوانِ غالب کے کچھ قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے اوراق کے عکس پر مشتمل ہے۔ یہ مقالے کے حصہ ''نسخہ عرشی کے اختلافِ نسخ'' کے معروضات کے شواہد کے لیے پیش خدمت ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے سابق صدر شعبۂ اُردو ، جناب پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد قریشی اورموجودہ صدرِ شعبۂ اُردوجناب ڈاکٹر عبدالعزیز ساحرؔ، کا ممنونِ احسان ہوں جنھوں نے اس

موضوع پر کام کرنے کا موقع فراہم کیا اور انتظامی و دفتری امور کے ساتھ ساتھ، اپنے تمام طالب علموں کی طرح میری علمی و تحقیقی رہنمائی بھی فرماتے رہے۔

ایم-فل اُردو کے لیے لکھے گئے میرے اس مقالے کے نگرانِ کار، استاذِ گرامی قدر، جناب ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، عہد حاضر کے نامور اور معتبر غالب شناس تھے۔ مجھے فخر ہے کہ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی جیسے خالص تحقیقی موضوع پر، اُن کی نگرانی میں کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ تحقیق ایک خاص قسم کا مزاج اور ماحول چاہتی ہے۔ میری یہ بھی خوش قسمتی رہی ہے کہ یہ مزاج اور ماحول مجھے استاذِ گرامی ڈاکٹر سیّد معین الرحمن کی ذاتِ اقدس سے ملا۔ انھوں نے میرے لیے یہ راہ متعین کی اور حوصلہ افزائی کے ذریعے میرے ذوق کو مہمیز دی۔ میں اپنے نگرانِ کار اور استاذِ معظم و مکرم، جناب ڈاکٹر سیّد معین الرحمن کا سپاس گزار ہوں کہ انھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے مجھے کچھ وقت دیا اور میری رہنمائی فرمائی۔ اس خوش قسمتی کے بعد اب بدنصیبی کے ڈیرے ہیں کہ اس مقالے کی اشاعت پر ان کی طرف سے ملنے والی ہنستی مسکراتی مبارک باد سے محروم رہوں گا۔ اطمینانِ قلب اور خوشیٔ خاطر کے لیے اس کتاب کو ان کے نامِ نامی سے منسوب کرتا ہوں۔

نسخۂ عرشی خالص تحقیقی نوعیت کا کام اور تحقیقی مزاج کا متقاضی تھا، جس پر دادِ تحقیق دینے کے لیے، اس کا ہو کر رہ جانا پڑتا ہے۔ اس کے اصل مآخذ تک رسائی اور اُن کے حصول نے، مواد کی فراہمی کو خاصا کٹھن بنا دیا تھا۔ در در کی خاک چھاننا پڑی۔ استاذِ گرامی ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، اپنے نادر ذخیرۂ غالبیات سے استفادے کی سہولت فراہم نہ کرتے تو یہ کام کٹھن ہی رہنا تھا۔ انھوں نے اپنے ذخیرے سے، گپتا رضا کے شائع کردہ، معاصر دیوانِ غالب طبع اوّل اور طبع چہارم کے عکسی ایڈیشن عنایت فرمائے۔ نسخۂ عرشی زادہ اور تفسیرِ غالب بھی مجھے لاہور میں کہیں نہیں ملے تھے۔ یہ بھی استاذی معین صاحب نے مرحمت فرمائے۔ معاصر دیوانِ غالب کا دوسرا ایڈیشن، پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے مل گیا تھا۔ اسی طرح معاصر دیوان کے پانچویں ایڈیشن کے عکس، مشفق و مکرم جناب تقی عابدی نے کینیڈا سے عنایت فرمائے۔ عابدی صاحب کا میں بطورِ خاص سپاس گزار ہوں کہ نھوں نے بغیر کسی تعارف اور سفارش کے، صرف میری درخواست پر یہ عکس بھجوا دیے۔ گپتا رضا کے مرتبہ دیوانِ غالب کامل (۱۹۹۵ء) کے عکس، محترم دوست جناب مظہر عباس نے بھجوائے۔ ان کا شکریہ کیونکر ادا

کروں کہ نسخۂ رضا کا مطلوبہ ایڈیشن بھی لاہور میں مجھے کہیں سے نہ مل سکا۔ استاذی معین صاحب کے پاس یہ تھا، لیکن آسمان کی مجھ سے دشمنی کی یہ بھی ایک مثال ہے کہ اس نے صرف مجھے خوار کرنے کی خاطر، استاذی معین صاحب کو بھی نقصان پہنچایا اور اُن کا یہ نسخہ گم کر دیا۔

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کے سابق چیف لائبریرین عبدالوحید صاحب اور موجودہ چیف لائبریرین محمد نعیم صاحب کا شکریہ تو واجب ہے کہ انھوں نے خاص عنایت فرمائی اور لائبریری سے بھرپور استفادے کی سہولیات فراہم کیں۔ انھوں نے بڑی کوشش سے متعدد اہل علم کے ذاتی ذخیرہ ہائے کتب کو اپنی لائبریری کے لیے حاصل کر لیا ہے۔ خصوصاً، ڈاکٹر عبادت بریلوی اور ڈاکٹر وحید قریشی کے ذخیرہ ہائے کتب نے اس لائبریری کو بہت زرخیز اور ایک حد تک دوسری لائبریریوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ نعیم صاحب نے افضل صاحب، منظور صاحب اور زاہد صاحب کو بطورِ خاص میری معاونت کی اجازت دیے رکھی۔ ان کا بھی شکریہ کہ ان سے جس وقت اور جو کتاب طلب کی، وہ نکال لائے۔ محترم عبدالرحمن بٹ صاحب کا بھی شکریہ کہ انھوں نے مولانا عرشی پر اپنا ایم-اے اُردو کا مقالہ مرحمت فرمایا۔ انڈیا میں ڈاکٹر خلیق انجم اور مولانا عرشی کی صاحبزادی ڈاکٹر زہرہ عرشی سے رابطے کی کوششیں کیں ڈاکٹر زہرہ عرشی سے رابطے میں کامیابی ہوئی اور انھوں نے معاونت اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

برادرِ مکرم محمود الحسن بزمی، محمد ہارون عثمانی، ماجد مشتاق رائے، سیّد ذیشان کاظمی، خواہر گرامی ڈاکٹر سیّدہ مصباح رضوی اور برادرِ عزیز سیّد شمشیر حیدر شجر تو ایک طرح سے میرے افرادِ خانہ میں شامل ہیں جو ''دامے، درمے، قدمے، سخنے'' مدد و معاونت فرمانے والے رہے اور ہیں۔ دعاؤں کے ساتھ ساتھ، مختلف لوگوں کو ای میل کرنے میں ذیشان اور شجر، مقالے کے پروف پڑھنے میں خواہر گرامی مصباح رضوی، ہارون عثمانی اور ماجد نے معاونت فرمائی۔ مقالے پر نظرِ ثانی کے بعد شجر نے کرم فرمائی کرتے ہوئے مقالے کی از سرِ نو کمپوزنگ کی۔

چھوٹے بھائی محبی محمد نوید نے گھر کے فرائض سے مجھے آزاد رکھا اور یہ ذمہ داری بخوشی نبھائی۔ ماں باپ کی دعاؤں اور چھوٹی بہنوں کے پیار نے مایوسی کو دور رکھا۔ ان سب کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ یہ سب وہ احباب و اعزّہ ہیں جو میرے شکریے کے محتاج نہیں۔ خدا انھیں شاد و شادمان اور مجھ پر مہربان رکھے۔

ڈاکٹر محمد سعید
شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

پہلا باب

غالب کے اُردو کلام کی ترتیب و تدوین کی روایت

کلاسیکی شعرا میں غالب، واحد خوش قسمت شاعر ہیں جن کا کلام اُن کی زندگی میں متعدّ د بار زیورِ طبع سے آراستہ ہوا اور اس کے متعدّ د قلمی نسخے بھی تیار کروائے جاتے رہے۔ ان سب مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں سے بیشتر کسی نہ کسی صورت میں آج بھی موجود اور محفوظ ہیں۔ یہ بات غالب کی خوش قسمتی پر محمول ہو یا نہ، خود اُردو تحقیق کے لیے یقیناً خوش کن ہے۔

اردو شعرا میں سے غالب ہی وہ پہلے شاعر ہیں جن کا کلام اوّل اوّل ترتیب و تدوین اور تصحیح کے لیے مرکزِ نظر بنا۔ شرحیں بھی سب سے پہلے غالب ہی کے کام کی لکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ کسی شاعر کے کلام کی صحیح تفہیم اور اُس کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے مستند اور معتبر طریقۂ کار اس کے کلام کی زمانی ترتیب و تدوین ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ کلام کی زمانی ترتیب ہی کے ذریعے سے مصنف کے درست احساسات و جذبات اور نظریات تک پہنچا جا سکتا ہے۔

متداول دیوانِ غالب اُردو، اہلِ ذوق کی ضیافتِ طبع اور قلبی تسکین کے سامان فراہم کر سکتا ہے لیکن خود غالب کے ذہنی ارتقا اور معیارِ شعر و سخن کو سمجھنے اور پرکھنے کے لیے اُن کا قلم زد کلام دیکھنا اور اُس کا تعین کرنا نہایت ضروری ہے۔ غالب کے انتقال کے بعد اُن کا کلام کئی

مطابع سے چھپتا رہا، جو وقتاً فوقتاً کار پردازان مطابع کی سہل انگاری یا سہو کاتب کے سبب اصل سے دور ہوتا چلا گیا۔ پھر یہ کہ غالب کے نو دریافت متفرق کلام کو بھی ساتھ ساتھ، بغیر کسی زمانی تعیّن یا تحقیق کے شامل اور شائع کیا جاتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلامِ غالب کا متن اصل سے ہٹ گیا اور کسی قدر الحاقی اشعار سے بھی آلودہ ہوا۔ اس صورتِ حال میں اہلِ دانش و بینش اور غالب کے سنجیدہ قدر دانوں نے اُن کے کلام کا درست متن پیش کرنے کی طرف توجہ کی۔ نسخۂ عرشی (۱۹۵۸ء) سے پہلے، تحقیقی نوعیت کی حامل دو طرح کی ایسی کوششیں نظر آتی ہیں جن میں کلامِ غالب کو صحت اور تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کرنے پر سنجیدگی سے عمل کیا گیا۔ اس کی پہلی صورت تو یہ سامنے آئی کہ کلامِ غالب کو صحت متن کے ساتھ پیش کرنا اور آخر میں نو دریافت یا غیر مروجہ کلام کو مآخذ اور حوالوں سمیت نقل کرنا۔ اس سلسلے میں حسرت موہانی اور نظامی بدایوانی کے مشرح ایڈیشن اہم مثالیں ہیں۔ دوسری نوعیت کی اہم کوشش یہ رہی کہ کلام غالب کو اس خیال سے مرتّب اور شائع کیا جائے، جس سے غالب کے ذہنی وفکری عمل وارتقا کو سامنے لایا جا سکے۔ ایسی کوششوں کا سب سے پہلا اور بڑا محرّک اور ذریعہ نسخۂ بھوپال (۱۸۲۱ء) کی دریافت تھی۔ جس نے کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب و تدوین کو آسان بنایا اور اس کے لیے نیا موادفراہم کیا۔نسخۂ عرشی سے پہلے نسخۂ بھوپال اور چند دوسرے، اہم قلمی ومطبوعہ نسخوں کے منظرِ عام پر آجانے پر، کلام غالب کو تاریخی ترتیب سے مرتّب کرنے یا اس کی اہمیت کا احساس رکھنے والوں میں، مفتی انوار الحق، ڈاکٹر سیّد عبداللطیف اور شیخ محمد اکرام کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ احساس شاید مولوی عبدالحق کو ہوا کہ دیوانِ غالب کو صحیح اور جدید اصولِ تحقیق کے مطابق شائع کیا جائے۔ اُنہوں نے انجمن کے ایما پر یہ کام سیّد ہاشمی فرید آبادی کے سپرد کیا۔ ڈاکٹر سیّد معین الرحمن لکھتے ہیں:۔

> ''انجمن ترقیِ اُردو نے ۱۹۱۳ یا ۱۹۱۴ میں دیوانِ غالب کا ایک عمدہ ایڈیشن شائع کرانے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ کام پہلے پہل سیّد ہاشمی فرید آبادی کے سپرد کیا گیا تھا۔ انھوں نے ۱۹۱۵ء تک اس کا مسوّدۂ تیار کر لیا تھا''۔[۱]

انجمن سے چھپنے والے اس عمدہ ایڈیشن کا طریقۂ کار اور معیار کیا تھا اس سلسلے میں خود ہاشمی

فرید آبادی کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''تجویز یہ تھی کہ دیوانِ غالب کو عمدہ کاغذ پر خوش خط اور صحیح طبع کرایا جائے اور جہاں تک ممکن ہو، مرزا صاحب کا غیر مطبوعہ یا گمشدہ کلام بھی تلاش کیا جائے۔

دیوان کو صحیح اور جدید اصولِ تحریر کے مطابق لکھوانے اور غیر مطبوعہ کلام کو جمع کرنے کی خدمت راقم الحروف کے سپرد ہوئی تھی اور ۱۹۱۵ء تک کتاب کا مبیّضہ تیار ہو گیا تھا۔''[۲]

۱۹۱۵ء ہی میں نظامی پریس بدایوں سے، دیوانِ غالب کا ایک اہم ایڈیشن (''جو مروجہ سے کہیں بہتر تھا'') شائع ہو جانے پر انجمن کا منصوبہ سرد پڑ گیا۔ اس دوران میں ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری ولایت سے واپس آئے اور بھوپال میں مشیرِ تعلیم مقرر ہوئے۔ انھیں انجمن کے اس دم توڑتے منصوبے کا علم ہوا تو انھوں نے غالب سے اپنی دلبستگی و شیفتگی کی بنا پر اسے مکمل کرنے کا عزم کیا۔ ڈاکٹر بجنوری، ہاشمی فرید آبادی کے مرتّب کیے ہوئے دیوانِ غالب کے مسوّدے اور کچھ دوسرے نسخوں کی مدد سے اپنے انداز اور معیار پر، دیوانِ غالب مرتّب کر چکے تھے کہ کتب خانۂ بھوپال میں دیوانِ غالب کا، ۱۸۲۱ء کا مکتوبہ، مخطوطہ دریافت ہو گیا۔ اس کے دریافت ہونے پر، اپنے مرتّبہ دیوانِ غالب کی ترتیب و اشاعت کے لیے ڈاکٹر بجنوری نے ازسرِ نو جو طریقۂ کار وضع کیا۔ ہاشمی فرید آبادی نے اسے یوں بیان کیا ہے:

''ڈاکٹر بجنوری مرحوم اس غیر مطبوعہ نسخے کو قدیم دیوان کے ساتھ اس طرح طبع کرانا چاہتے تھے کہ کتاب کے ایک صفحے پر قلمی نسخے کے اشعار ہیں اور مقابل کے صفحے پر متداول دیوان کی وہی غزلیں جن کے اشعار جا بجا سے مرزا صاحب نے خارج کر دیے تھے مگر اس قلمی نسخے میں محفوظ رہ گئے تھے اور مطبوعہ یا قلمی نسخے کی وہ غزلیں جو صرف ایک ہی میں پائی جاتی ہیں ان کے سامنے کا صفحہ سادہ چھوڑ دیا جاتا کہ دیکھنے والے کو بلا دقت قدیم و جدید کلام کا فرق اور بعد کی اصلاح و تنسیخ کا حال معلوم ہو جاتا............''[۳]

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری اپنی ناگہاں موت کے سبب اس نئے منصوبے کو تکمیل تک نہ پہنچا

سکے۔ انجمن ترقیِ اُردو ان کے یا ہاشمی فرید آبادی کے، مرتّبہ متداول دیوانِ غالب میں سے، کسی کو شائع نہ کر سکی۔

مولوی عبدالحق، سیّد ہاشمی فرید آبادی اور ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کی ان کوششوں کے دوران میں، مولانا نظام الدین حسین نظامی بدایونی کا مرتّبہ دیوانِ غالب، نظامی پریس بدایوں سے ۱۹۱۵ء میں شائع ہو چکا تھا۔ جس کی طباعت میں صحت کا خیال نہ ہو سکا اور آخر میں طویل غلط نامہ لگانا پڑا۔

نظامی بدایونی نے اس پہلے سادہ ایڈیشن کے بعد مختلف برسوں میں مزید پانچ (۴ ؎) مشرح ایڈیشن شائع کیے جو صحت متن اور طباعت کے لحاظ سے بہتر سے بہتر ہوتے گئے۔ دوسرے ایڈیشن سے مولانا نظامی نے اس کے ساتھ مشکل اشعار اور الفاظ کی مختصر شرح اور فرہنگ بھی شامل کر دی جو بعد کی اشاعتوں میں نظرِ ثانی کے بعد آخرکار مکمل شرح کی صورت اختیار کر گئی۔ مولانا امتیاز علی عرشی لکھتے ہیں:۔

> ''جناب مولانا نظام الدین حسین نظامی مرحوم............ نے دیوانِ غالب، سادہ و باشرح کے متعدّد بہترین نسخے شائع فرما کر ملک پر بڑا ادبی احسان کیا تھا۔ سب سے پہلے آپ ہی نے غالب کے اُردو دیوان کے فارسی دیباچے کی تاریخ ایک رام پوری نسخے کی مدد سے متعین کی تھی نیز نامی پریس کانپور کے بعد حُسن طباعت کا جو اعلیٰ معیار آپ نے قائم کیا تھا وہ آج بھی قابلِ داد و ستائش ہے''۔ ۵ ؎

دیوانِ غالب مع شرح نظامی کا چھٹا ایڈیشن (اصلاً ساتواں ایڈیشن) جو مطبع نظامی پریس بدایوں سے ۱۹۲۷ء میں طبع ہوا۔ اس میں سرورق کے بعد غالب کی تصویر ہے جس کے نیچے غالب کا پورا نام لکھا ہوا ہے اور اوپر غالب کا شعر:

> ؎ پوچھتے ہیں وہ کہ ''غالب کون ہے''
> کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

اس کے بعد نئے ورق ا پر، بخطِ غالب، قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی کے نام غالب کے غیر مطبوعہ خط، مکتوبہ ۳۰ نومبر ۱۸۶۳ء کا عکس ہے۔ صفحہ ۱ سے ۴ تک اس ایڈیشن کے لیے ''دیباچہ طبع ششم'' ہے جس پر ۳- اپریل ۱۹۲۷ء کی تاریخ درج ہے۔ پھر طبع پنجم کا دیباچہ ہے۔

صفحہ ۹ سے ۴۷ تک ڈاکٹر سیّد محمود کا طویل مقدمہ ہے جو تیسرے ایڈیشن (۱۹۲۰ء) سے اس میں شامل چلا آ رہا ہے اس پر ۱۸-اکتوبر ۱۹۱۹ء کی تاریخ درج ہے لیکن انھوں نے ۱۹۲۲ء کے چوتھے ایڈیشن کے لیے اس پر نظر ثانی بھی کی تھی۔ اس چھٹے ایڈیشن میں یہ مقدمہ نظرِ ثانی شدہ ہی ہے لیکن تاریخ پہلی ہی درج ہے۔ صفحہ ۴۸ سے ۴۷ تک بالترتیب ''دیباچہ طبع چہارم''، ''دیباچہ طبع ثالث''، ''دیباچہ طبع ثانی'' اور ''دیباچہ طبع اوّل'' ہیں۔ صفحہ ۵۷ پر سر ورق: ''دیوانِ غالب اُردو مع شرح نظامی'' اور ۶۷ پر غالب کا فارسی دیباچہ مکتوبہ ۱۲۴۸ھ ہے۔ اس کے بعد صفحات کے نئے نمبر شمار سے غزلیات مع شرح شروع ہو جاتی ہیں۔ صفحہ ۲۲۳ پر ''غزلیات تمام ہوئیں'' کے بعد قصائد، مثنوی، قطعات اور رباعیات مع شرح و فرہنگ ہیں جو صفحہ ۲۶۱ پر ختم ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد اسی صفحے سے ''وہ اشعار اور قطعات جو دیوانِ مروّجہ میں نہیں ہیں'' کے عنوان سے ایک قصیدہ، دو قطعات، کچھ غزلیات اور فردیات ہیں۔ حواشی میں اس غیر مروّجہ کلام کے مآخذ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اس طرح یہ ایڈیشن صفحہ ۲۷۲ پر تمام ہوتا ہے۔

نظامی بدایونی کا مرتّبہ دیوانِ غالب اپنے زمانے کی رائج اشاعتوں سے بہتر اور معتبر متن پیش کرتا ہے۔ صحتِ متن پر ان کی مسلسل توجہ رہی اور وہ اسے مزید بہتر بنانے کی کوشش میں رہے۔

کلامِ غالب اُردو کی تاریخی ترتیب کے حوالے سے پہلی کوشش مفتی محمد انوار الحق ڈائریکٹر سر رشتۂ تعلیم بھوپال کی سمجھی جاتی ہے۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء میں دیوانِ غالب جدید المعروف به نسخۂ حمیدیه کے نام سے دیوانِ غالب کا قلمی نسخہ، مکتوبہ ۱۸۲۱ء شائع کیا۔ یہ نسخہ میاں فوجدار محمد خان بہادر بھوپال کے کتب خانے سے دریافت ہوا اور نسخۂ بھوپال کہلایا۔ اس کا مطبوعہ ایڈیشن اس وقت کے چیف سیکرٹری ریاست بھوپال نواب محمد حمید اللہ خان سے انتساب پا کر نسخۂ حمیدیه کہلایا۔ یہ وہی نسخہ ہے جو ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کی زندگی میں دریافت ہوا اور جسے ترتیب دینے کا وہ منصوبہ بھی بنا چکے تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ کام مفتی انوار الحق کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ نسخۂ حمیدیه میں اصل نسخۂ بھوپال اپنی اصل صورت میں جلوہ گر نہیں ہو سکا بلکہ مفتی صاحب نے اس میں متداول مطبوعہ ایڈیشنوں سے بھی اشعار بڑھا دیے ہیں۔ وہ نسخۂ حمیدیه کی تمہید میں لکھتے ہیں:۔

> ''ارادہ یہ ہے کہ ناظرین کے سامنے غالب کے کلام کا ایک مکمل مجموعہ پیش کیا جائے اور ساتھ ہی قلمی اور مروجہ دیوانوں کے شعر بھی پہلو بہ پہلو

دکھائے جائیں''۶؎۔

مفتی صاحب کے اس ارادے سے نسخۂ بھوپال اپنی جداگانہ شکل میں مشخص نہ ہو سکا اور بقول ڈاکٹر سیّد معین الرحمن:

''اسے مفتی محمد انوارالحق کے وسائل کی حد تک ''کلیاتِ اُردو'' سمجھنا چاہیے''۔۷؎

مفتی صاحب نے نسخۂ حمیدیہ میں شامل ہونے والا متداول کلام کن ''مروجہ دیوانوں'' سے لیا، ''تمہید'' میں کچھ ذکر نہیں ملتا۔ البتہ حواشی میں حسرت موہانی اور نظامی بدایونی کے شائع کردہ دیوانِ غالب کے حوالے آئے ہیں۔ ناظرین کی دلچسپی کے لیے اُنہوں نے ''تمہید'' میں ایک نقشہ دیا ہے جس میں ''ردیف وار قلمی اور مطبوعہ دیوانوں کی غزلوں اور شعروں کی تعداد'' بتانا مقصود ہے۔ نقشے میں قلمی دیوان کے بالمقابل ''مطبوعہ دیوانوں'' کی بجائے کسی ایک ''مطبوعہ دیوان''۸؎ کی صرف غزلیات اور ان کے اشعار کی تعداد درج کی ہے۔

نسخۂ حمیدیہ ۱۹۲۱ء میں تین مختلف وضع کے سرورق کے ساتھ شائع ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں مفید عام اسٹیم پریس آگرہ میں محمد قادر علی خاں صوفی کے اہتمام سے چھپنے والے ایڈیشن کے صفحہ ۱ پر محمد حمید اللہ خاں کا ''سرنامہ'' ہے اور صفحہ ۳ سے مفتی انوارالحق کی ''تمہید'' شروع ہو کر صفحہ ۲۴ پر ختم ہو رہی ہے۔ اس کے بعد غالب کی تصویر اور پھر نئے نمبر شمار کے صفحہ ۱ سے ''دیوانِ غالب جدید'' کی غزلیات شروع ہوتی ہیں۔ صفحہ ۲۸۸ پر غزلیات تمام ہونے کے بعد، قصائد، مثنوی، قطعات اور رباعیات ہیں متن کا آخری صفحہ ۳۴۲ ہے۔

نسخۂ حمیدیہ میں ردیف وار غزلیات تین طرح یا درجوں میں شامل کی گئی ہیں۔ ہر ردیف کے شروع میں ''قلمی نسخے کی غزل (غزلیں) بجنسہٖ نقل کر دی ہے اور اس میں جو شعر مروجہ دیوان میں موجود ہیں اُن کے سامنے ''م'' لکھ دیا ہے''۔ اس کے بعد ''اس ردیف کی قلمی نسخے کی وہ غزلیں لکھ دی گئی ہیں............ جن کا کوئی شعر بھی مروّجہ دیوان میں موجود نہیں'' اور پھر آخر میں اسی ردیف کی ''مروجہ دیوان کی وہ غزلیں درج کی ہیں............ جن کا کوئی شعر قلمی نسخے میں نہیں ہے''۔

مذکورہ ہر ردیف کی غزلوں کے ان تین درجوں یا قسموں کو کوئی عنوان نہیں دیا گیا البتہ ہر درجے یا قسم کی غزلیں شروع ہونے پر علامتِ حاشیہ دے کر نیچے لکھ دیا کہ اب اس نوع کی

غزلیں شروع ہو رہی ہیں۔

نسخۂ حمیدیہ کی چند نمایاں خصوصیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نسخۂ حمیدیہ کے ذریعے غالب کے اردو کلام کو تاریخی ترتیب سے دیکھنے اور اُن کے ذہنی ارتقاء کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

(۱) اس کے ذریعے، غالب کا پچیس برس تک کی عمر کا ابتدائی کلام پہلی بار سامنے آتا ہے۔

(۲) نسخۂ بھوپال اور متداول دیوان کے مشترک اشعار کو ''م'' سے ممتاز کرنے کا عمل گو کامل طور پر نہیں اپنایا گیا لیکن اس سے بڑی حد تک اندازہ ہو جاتا ہے کہ نسخۂ بھوپال کے کون سے ایسے اشعار تھے جنہیں غالب نے متداول میں بجنسہٖ برقرار رہنے دیا۔

(۳) اصل نسخے میں موجود ترامیم کی آخری شکل متن میں ہے اور پہلی صورت حاشیے میں درج ہے۔

(۴) نسخۂ بھوپال کے وہ ترمیم شدہ اشعار یا مصرعے جو قلمی دیوان میں کچھ ہیں اور بعد میں تبدیل کر دیئے گئے، اُن کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ اُس کی دونوں صورتوں کو متن میں اوپر نیچے درج کر دیا گیا ہے۔

(۵) نسخۂ بھوپال کے حاشیے کے اکثر اشعار بھی، جو بعد میں بڑھائے جاتے رہے حواشی کے ذریعے نشان زد کر دیئے گئے ہیں۔

(۶) حسرت موہانی اور نظامی بدایونی کے ایڈیشنوں کے آخر میں درج غیر مروجہ کلام نسخۂ حمیدیہ کے متن میں جہاں آیا ہے اُس کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

نسخۂ حمیدیہ میں گو اصل قلمی نسخۂ بھوپال کو جداگانہ حیثیت حاصل نہیں ہوسکی اور تھوڑی سی محنت سے اسے مزید کارآمد بنایا جا سکتا تھا لیکن پھر بھی، مفتی صاحب کے طریقۂ کار یا احتیاط اور اہتمام کے ذریعے، اس میں نسخۂ بھوپال کے متن اور حاشیے کے غیر مطبوعہ کلام، قلمی اور متدوال میں مشترک اور ترمیم شدہ کلام کی، بعض تسامحات کے باوجود، بڑی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے اور آسانی سے یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ غالب نے اپنے کلام میں کیا کیا ترامیم یا ردّ و بدل کیا اور کس طرح اُن کے معیارِ سخن میں تبدیلی آتی گئی۔ غالب کے قلم زد اور منتخب کلام کو ایک ساتھ شائع کر کے مفتی صاحب نے شعوری طور پر غالب کے ذہنی ارتقاء کو سمجھنے کے

سامان فراہم کیے ہیں۔ اُنہیں یہ اعزاز اور امتیاز نسخۂ بھوپال کے طفیل حاصل ہوا ہے کہ کلامِ غالب کو تاریخی ترتیب سے پیش کرنے والوں میں وہ پہلے شخص قرار دیے گئے۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''دیوانِ غالب کی تاریخی تدوین میں سب سے پہلا قدم مفتی انوار الحق نے اُٹھایا'' ۱۰؎

مفتی صاحب یہ بات آئینہ کرنا چاہتے تھے کہ:

''اصل دیوان میں کون کون سے شعر حذف کر دیے گئے تھے اور پھر بعد میں غالب نے ان میں کیا کیا ردو بدل کیا''۔ ۱۱؎

یقیناً اس سے یہ معلوم کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ: ۱۲؎

''ابتدا میں غالب کے دیوان کی کیا شان تھی اور بعد میں کیا ہو گئی''

مفتی انوار الحق نے ''تمہید'' میں غالب کے ابتدائی پچیس برس تک کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی قدر و منزلت اور معنویت بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور غالب کے اس قلم زد کلام کی اشاعت کا جواز بھی پیش کیا ہے کہ اس سے ان کے ذہنی سفر کا اندازہ ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں:

''اس قلمی نسخے کے مل جانے سے ہم کو غالب جیسے مُسلّم الثبوت اور قادر الکلام اُستاد کی شاعری کے درجہ بدرجہ نمونے نظر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اس کے اشعار کا کیا انداز تھا اور پھر اس میں رفتہ رفتہ کیا تغیر ہوا............ یہ بھی پتہ لگتا (چلتا) ہے کہ پچیس برس کی عمر میں بھی اس کی شاعری کس قدر ترقی کر چکی تھی اور ابتدائی دِقّت اور غرابت کے مقابلے میں کتنی روانی اور سلاست پیدا ہو گئی تھی''۔ ۱۳؎

ڈاکٹر سیّد عبداللطیف نے ۱۹۲۸ء میں غالب پر انگریزی زبان میں کتاب لکھی جس کا اُردو ترجمہ سیّد معین الدین قریشی نے کیا جو ۱۹۳۲ء میں ''غالب حیات اور اُردو شاعری کی تنقیدی تحسین'' کے نام سے، دکن لا رپورٹ پریس، جام باغ حیدر آباد سے شائع ہوا۔ غالب کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے، ان کے کلامِ نظم و نثر کو تاریخی ترتیب سے پیش کرنے کا کامل احساس سب سے پہلے ڈاکٹر عبداللطیف کو ہوا۔ ان سے پہلے مفتی انوارالحق کی ابتدائی کوشش محدود تھی انھوں نے صرف تاریخی ترتیب کا احساس رکھتے ہوئے ''نسخۂ حمیدیہ'' کی صورت میں غیر مطبوعہ مواد

فراہم کیا۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے نظم کے ساتھ نثر کو بھی شامل کیا اور ادوار بھی متعین کیے۔ اپنی کتاب ''غالب.................'' کے تیسرے باب ''مواد اور اس کی تاریخی ترتیب'' میں انھوں نے کلامِ غالب اور خطوطِ غالب کو تاریخی ترتیب سے مرتّب کرنے کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا اور اس کے لیے کچھ اصول بھی وضع کیے۔ کلامِ غالب اُردو کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''غالب کے کلام کی ایسی تقسیم جو بلحاظِ تاریخی ارتقاء مختلف ادوارِ حیات کو ظاہر کر دے، اس کے ذہن و کمال کے ارتقا کی تحقیق میں مفید ثابت ہو سکتی ہے............ ادبی تنقید کے لیے کام کی بات تو یہی ہے کہ اس (غالب) کا ذہن کس طرح نشوونما پاتا رہا اور مختلف دوروں اور منزلوں میں اس کے جلوے کس طرح ظاہر ہوتے رہے۔ اسی کے مدنظر ہم ذیل میں اس کے کارناموں کی تاریخی ترتیب کا ایک ممکن طریقہ پیش کرتے ہیں''۔ ۱۴؎

کلامِ غالب کو تاریخی ترتیب سے پیش کرنے کے متعدّد ممکنہ طریقے اور اصول بتانے کے بعد، ڈاکٹر عبداللطیف نے اُس وقت تک کے موجود مواد کے پیشِ نظر، اپنی کتاب کے اسی تیسرے باب میں، پہلی بار غالب کے اُردو کلام کے حسبِ ذیل چار ادوار مقرر کیے ہیں:

(۱) ''کلامِ غالب کی پہلی قسط وہ ہے جو بھوپالی نسخہ کے متن (۱۸۲۱ء) میں موجود ہے۔

(۲) دوسری قسط ان اشعار کی ہے جو بھوپالی نسخہ کے حاشیہ پر درج ہے اور جو ۱۸۲۲ء تا ۱۸۳۲ء کے دور پر حاوی ہیں۔

(۳) تیسری قسط ان اشعار پر مشتمل ہوگی جو بھوپالی نسخہ میں موجود نہیں ہیں اور صرف رامپور والے نسخہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کو ۱۸۳۳ء تا ۱۸۵۵ء سے منسوب کرنا چاہیے۔

(۴) چوتھی قسط ۱۸۵۶ء تا ۱۸۶۹ء کے دور سے متعلق ہوگی'' ۱۵؎

۱۹۲۸ء تک غالب کے تین قلمی نسخے سامنے آ چکے تھے اور یہ تینوں ڈاکٹر عبداللطیف کے علم میں بھی تھے۔ ان کی کتاب ''غالب...........'' کے آخر میں شامل ضمیمہ نمبر ۱ میں ان تینوں کا ذکر

ملتا ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے سر اکبر حیدری (نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس حکومت نظام) کے توسط سے ڈاکٹر ولی محمد سکریٹری ریاست بھوپال سے نسخۂ بھوپال (۱۸۲۱ء) منگوایا اور اس سے استفادہ کیا۔ پھر انہی کے توسط سے مولانا نظامی بدایونی سے ۱۲۴۸ھ والا نسخہ منگوانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مل سکا البتہ نظامی بدایونی نے رام پور لائبریری میں موجود ۱۸۵۵ء کے قلمی نسخے کی موجودگی کی طرف توجہ دلائی۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے اسے حاصل کرنے یا اسے دیکھنے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس طرح نظر بظاہر دیکھا جائے تو غالب کے اُردو کلام کی تاریخی ترتیب کا خاکہ بناتے ہوئے یا دیوانِ غالب کو تاریخی ترتیب سے مرتّب کرتے ہوئے، دیوانِ غالب کے قلمی نسخوں میں سے صرف نسخۂ بھوپال ان کے سامنے رہا ہے۔

ڈاکٹر عبداللطیف کی متعین کردہ، مذکورہ صدر کلامِ غالب کی ادوار بندی میں سے دوسری اور تیسری قسط کی ذیل میں آنے والا کلام محلِ نظر ہے۔ دوسری قسط یا دوسرے دور میں انھوں نے نسخۂ بھوپال کے حاشیے کے کلام کو ۱۸۲۲ء سے ۱۸۳۲ء کے درمیان کا بتایا ہے اور تیسری قسط میں نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) کی بنا پر ۱۸۳۳ء سے بعد کے تمام کلام کو ۱۸۵۵ء تک کے دور سے منسوب کیا ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف کا یہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ نسخۂ بھوپال کے حاشیے میں ۱۸۳۲ء سے پہلے کا تمام کلام شامل ہے اور نہ یہ کہنا ہی درست ہے کہ جو کلام نسخۂ بھوپال کے حاشیے میں نہیں ہے وہ سب ۱۸۳۲ء کے بعد کا ہے۔ شیفتہ کے تذکرہ گُلشنِ بے خار (۱۸۳۲ء) میں ایسی غزلوں کے اشعار درج ہیں جو نسخۂ بھوپال کے حاشیے میں نہیں اور پھر ''چکنی ڈلی'' والا قطعہ بھی ۱۸۳۲ء سے پہلے کا ہے لیکن وہ بھی نسخۂ بھوپال کے حاشیے میں نہیں ہے۔ شیخ محمد اکرم لکھتے ہیں کہ:

> ''ان (ڈاکٹر عبداللطیف) کی یہ رائے غلط ہے کہ جو اشعار قلمی نسخے (نسخۂ بھوپال) کے حاشیے میں درج نہیں وہ سب ۱۸۳۲ء کے بعد کے ہیں............ یہ نتیجہ (بھی) اخذ نہیں ہو سکتا کہ قلمی نسخہ ۱۸۳۲ء کے بعد کے تمام اشعار کی مکمل یادداشت ہے'' ۱۶؎

دراصل ڈاکٹر عبداللطیف سے سہو ہوا کہ انھوں نے نسخۂ بھوپال کے حاشیے کے اشعار کو ۱۸۳۲ء تک کے زمانے سے مشروط اور محدود کر دیا۔ اگر وہ اس دوسرے دور میں نسخۂ بھوپال

کے حاشیے کے اشعار سمیت، غالب کے پہلے انتخاب مکتوبہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) تک اسے لے جاتے تو بہتر تھا۔ لیکن وہ اس نسخے (۱۸۳۳ء) کا ذکر کرنا بھول گئے اور اسے ادوار بندی میں شامل نہیں رکھا۔ حالانکہ نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵) بھی اُن کا دیکھا ہوا نہیں۔ لیکن اُس کو ادوار بندی میں انھوں نے شامل رکھا ہے۔

ڈاکٹر عبداللطیف غالب سے مرعوب ہیں نہ اُن کے نقادوں سے مطمئن، اُنہوں نے اپنی کتاب ''غالب......'' میں نہ صرف غالب کے ذہنی ارتقاء کو سمجھنے کے اصول اور طریقے بتائے ہیں بلکہ کلامِ نظم و نثرِ غالب کی تاریخی اہمیت کے ادراک سے سوانحِ غالب کی کچھ غلط تعبیرات کی نشاندہی اور دُرستی بھی کی ہے۔ انھوں نے دیوانِ غالب اُردو پر اپنے وضع کردہ اصولوں کے اطلاق کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ بار آور نہ ہو سکی۔ ۱۹۲۸ء ہی میں دیوانِ غالب اُردو کو تاریخی ترتیب سے مرتّب کیا جو حادثے کی نذر ہوا اور شائع نہ ہو سکا۔ اُس کا جتنا حِصّہ طبع ہوا اور محفوظ رہ گیا، اُس میں، مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے مطابق ۱۲۲۵ھ تا ۱۲۳۷ھ تک کی ۶۹ غزلیں شامل ہیں۔ ''لطیف ایڈیشن'' کا یہ موجود اور محفوظ مطبوعہ حِصّہ، مولانا امتیاز علی عرشی کے پاس، سیّد تمکین کاظمی کے ذریعے پہنچا جس کا تعارف اُنہوں نے نسخۂ عرشی طبع دوم میں مقدمے کے صفحہ ۱۵۰ اور ۱۵۱ پر کرایا ہے۔ مولانا عرشی لکھتے ہیں:

> ''۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر عبداللطیف صاحب حیدر آبادی نے کلامِ غالب کو تاریخی ترتیب سے مطالعہ کرنے کی ضرورت کا احساس کر کے پورے دیوان کو تاریخ وار مرتّب کیا مگر ان کے مرتّبہ نسخے کی طباعت مکمل نہ ہو سکی''۔ ۱۸؎

ڈاکٹر عبداللطیف کا مرتّب کردہ دیوانِ غالب اور اُن کی تنقیدی کتاب غالب ایک ساتھ ہی چھپ رہے تھے۔ غالب میں جگہ جگہ حاشیے میں وہ لکھتے ہیں کہ ''دیکھیے راقم الحروف کا تاریخی ترتیب سے مرتّب کردہ دیوانِ غالب'' لیکن اس کی اشاعت یا مطبع کا کہیں حوالہ نہیں آیا۔ شیخ محمد اکرام ان کی ترتیب کو پہلی باقاعدہ کوشش قرار دیتے ہوئے ارمغانِ غالب میں لکھتے ہیں:

> ''مفتی انوار الحق کے بعد دیوانِ غالب کی ترتیب کی سب سے پہلی باقاعدہ کوشش ڈاکٹر سیّد عبداللطیف نے کی............'' ۱۹؎

مولانا امتیاز علی عرشی سے پہلے، کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب کی سب سے آخری اور بڑی حد

تک ایک جامع کوشش شیخ محمد اکرام کی ہے۔ اُنہوں نے ۱۹۳۶ء میں غالب نامہ کے ذریعے ڈاکٹر عبداللطیف کی نامکمل کوشش کو تکمیل تک پہنچایا۔ ان کی یہ کتاب پہلی بار ۱۹۳۶ء میں مرکنٹائل پریس لاہور سے چھپ کر، دفتر مسلم گجرات، سورت، بمبئی سے شائع ہوئی۔ اس میں ''تمہید'' کے بعد ''تذکرہ'' کے عنوان سے غالب کی سوانح ہے پھر ''تبصرہ'' کے تحت غالب کے فکر وفن پر روشنی ڈالی ہے۔''انتخاب'' کے سرورق اور فہرست کے بعد ''کلامِ غالب کی تاریخی تدوین'' کے عنوان سے مضمون ہے جس میں انھوں نے اپنی تحقیق وتلاش، طریقۂ کار، کلام غالب کے ادوار اور اس کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ پھر انتخاب شروع ہوتا ہے جسے چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ شیخ اکرام نے غالب نامہ کی دوسری اور تیسری اشاعت میں بھی ترمیم و اضافے کیے اور پھر اس کی چوتھی اشاعت میں سوانح غالب اور اُن کی شاعری پر تبصرے کو مستقل کتابی شکل دے دی اور تاریخی ترتیب سے کلام غالب کے انتخاب کو الگ سے ارمغانِ غالب کے نام سے شائع کیا۔

شیخ اکرام کی ارمغانِ غالب (حصّہ نظم)، مرکنٹائل پریس لاہور میں طبع ہو کر تاج آفس، محمد علی روڈ بمبئی سے شائع ہوئی۔ اس پر سالِ اشاعت کہیں درج نہیں۔ دیباچے کے آخر میں بھی کوئی تاریخ نہیں ہے البتہ دیباچے کی معلومات کے مطابق اس کا سالِ اشاعت ۱۹۴۴ء قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''آج سے کوئی آٹھ سال پہلے ہم نے غالب نامہ میں منتخب کلامِ غالب کو تاریخی ترتیب سے مرتّب کیا تھا''۲۰؎

غالب نامہ ۱۹۳۶ء میں پہلی بار چھپی ''آٹھ برس بعد'' ارمغانِ غالب کے چھپنے کے حوالے سے ارمغانِ غالب کو ۱۹۴۴ء کی اشاعت خیال کرنا چاہیے۔

ارمغانِ غالب کے مذکورہ ایڈیشن کے اندرونی سرورق پر یہ تحریر درج ہے:

> ''مرزا غالب کے اُردو اور فارسی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کا انتخاب تاریخی ترتیب سے''

فہرست میں پانچ عنوانات کے تحت مع تواریخِ ادوار، غالب کے اُردو فارسی کلام کو تقسیم کیا ہے۔ اس کے بعد دو صفحے کا دیباچہ اور پھر ''کلامِ غالب کی تاریخی تدوین'' صفحہ ۲۴ پر ''فہرست مآخذ'' اور ۲۵ سے انتخابِ کلام کا پہلا حِصّہ بطور سرورق، صفحہ ۲۷ پر فارسی زبان میں ۱۲۴۸ھ کا تحریر کردہ ''دیباچہ دیوانِ ریختہ'' اور ۲۸ پر ''تشریحات'' کے عنوان سے انتخاب کے بارے

میں چند مزید تصریحات ہیں۔ صفحہ ۲۹ سے پانچ مختلف ادوار میں منقسم انتخاب شروع ہو کر، کتاب کے آخری صفحہ ۳۲۰ پر ختم ہوتا ہے۔ ''ارمغانِ غالب'' میں شیخ محمد اکرام نے غالب کے اُردو فارسی کلام کے انتخاب کو مندرجہ ذیل پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے:-

پہلا دور (ریختہ: ۱۸۰۷ء تا ۱۸۲۱ء):

اس دور میں وہ منتخب اشعار ہیں ''جو پچیس برس کی عمر سے پہلے لکھے جا چکے تھے اور نسخۂ حمیدیہ کے متن میں موجود ہیں''۔ شیخ اکرام نے اس پہلے دور کو بھی مزید دو ادوار ''رنگِ بیدل'' اور ''بادۂ نیم رس'' میں تقسیم کیا ہے اور اُن کے مطابق ''رنگِ بیدل'' کے ضمن میں اُن غزلوں کے اشعار درج ہیں جنہیں مروّجہ دیوان مرتّب کرتے وقت مصنف نے بالکل نظر انداز کر دیا''۔ اسی طرح ''بادہ نیم رس'' کے تحت ان غزلیات اور قصائد کا انتخاب ہے جنہیں شاعر نے پچیس برس کی عمر سے پہلے لکھا تھا اور جن کے اکثر اشعار منتخب دیوانِ ریختہ میں موجود ہیں۔'' ارمغانِ غالب میں یہ پہلا دور صفحہ ۱۰۳ پر ختم ہوتا ہے۔

دوسرا دور (خمخانۂ شباب: ۱۸۲۱ء تا ۱۸۲۷ء):

یہاں ''وہ اُردو اشعار ہیں جو نسخۂ حمیدیہ کے متن میں درج نہیں لیکن اس قلمی نسخے میں موجود ہیں جو پروفیسر شیرانی کے کتب خانے کی زینت ہے''۔

تیسرا دور (بہارِ عجم: ۱۸۲۷ء تا ۱۸۴۷ء):

شیخ اکرام کے مطابق ۱۸۲۷ء سے ۱۸۴۷ء تک کے بیس برسوں میں غالب کی زیادہ توجہ فارسی شعر گوئی کی طرف رہی اس لیے اس تیسرے دور میں زیادہ تر غالب کے فارسی اشعار کا انتخاب ہے۔ شیخ اکرام نے اس دور کو مزید چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔

(ا) ''لالۂ صحرا'' کے تحت، ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۰ء تک کا وہ فارسی کلام ہے جو سفرِ کلکتہ کی یادگار ہے۔

(ب) ''گلِ رعنا'' کے عنوان سے ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۷ء تک کا کلام ہے جو سفر کلکتہ کے بعد کا ہے اور قلمی نسخہ فارسی بانکی پور (۱۸۳۸ء) میں موجود ہے۔

(ج) ''بادۂ شیراز'' میں ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۷ء تک کے اشعار کا انتخاب ہے جو نسخۂ بانکی پور کے بعد لکھے گئے، وہ دیوانِ غالب فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں موجود ہیں۔

(د) ''گلبنِ ہندی'' کے تحت ۱۸۲۷ء سے ۱۸۴۷ء تک کے بیس برسوں کا اُردو کلام شامل ہے۔ جو نسخۂ شیرانی کے علاوہ انتخاب غالب (۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۸۳۳ء) اور پہلے دونوں مطبوعہ ایڈیشنوں میں ہے۔

چوتھا دور (نوائے ظفر: ۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۷ء):

''اس دور میں وہ اُردو اشعار ہیں جو اُردو دیوان کے دوسرے مطبوعہ نسخہ ۱۸۴۷ء میں درج نہیں۔لیکن اس قلمی نسخے میں موجود ہیں جو مرزا نے ۱۸۵۷ء میں رام پور بھیجا''یعنی نسخۂ رام پور جدید،مکتوبہ ۱۸۵۵ء۔

پانچواں دور (چراغِ سحری: ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء):

شیخ اکرام نے اس پانچویں اور آخری دور میں ان اُردو اور منتخب فارسی اشعار کو شامل کیا ہے۔''جو غدر کے بعد لکھے گئے''۔

کلامِ غالب کے مقرر کردہ مذکورہ پانچ ادوار میں سے تیسرا زیادہ تر فارسی انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ بھی تقریباً تمام ادوار کے آخر میں کچھ نہ کچھ فارسی کلام بھی درج ہے۔ شیخ اکرام نے جگہ جگہ اُردو فارسی کلام کی تقریباً ہر منتخب صنف پر اپنی طرف سے عنوانات بھی درج کر دیئے ہیں حتیٰ کہ ہر دو زبانوں کی اکثر غزلیات بھی کسی نہ کسی عنوان سے مزیّن ہیں۔

اس انتخاب سے استفادے کے لیے شیخ اکرام نے ''تشریحات'' کے تحت تین علامتوں کے اہتمام کی نشاندہی کی ہے کہ انتخاب میں جہاں کسی شعر کے مقابل''م'' لکھا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ شعر بعد کا اضافہ ہے جہاں شعر کے مقابل''ق'' درج ہے تو اس شعر کو اس دور سے پہلے کا سمجھنا چاہیے اور تیسری علامت یہ کہ اگر ایک غزل کے چند اشعار ایک''لکیر'' کے بعد درج ہیں تو یہ بھی بعد کا اضافہ ہیں۔

شیخ اکرام نے کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب اور اس کی ادوار بندی میں ڈاکٹر عبداللطیف سے استفادہ کیا اور اس کا اعتراف بھی کیا وہ لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر صاحب (عبداللطیف) کی کتاب (غالب) کلامِ غالب کو کسی علمی اصول کے تحت مرتّب کرنے کی پہلی ٹھوس کوشش ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے ہی شاعر کے کلام کو تاریخی ترتیب سے مطالعہ کرنے کی

ضرورت محسوس کی............ کلامِ غالب کی تاریخی تدوین کا خیال ہمیں
ڈاکٹر لطیف کی کتاب پڑھ کر ہوا''۲۱۔

کلامِ غالب کو سمجھنے یا سمجھانے اور تاریخی تناظر میں پرکھنے کا خیال، شیخ اکرام کو ڈاکٹر عبداللطیف ہی کی کتاب پڑھ کر ہوا لیکن انھوں نے اس خیال کو کئی حوالوں سے وسیع پیمانے پر اپنایا اور اس کا اظہار کیا۔ کلامِ غالب کی محض ادوار بندی ہی اہم نہیں۔ ان مختلف ادوار کے کلام کا تجزیہ اور اس کی قدر بندی کی اپنی جگہ ایک بڑی اہمیت ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے یوں تو غالب کے کلام کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے لیکن وہ بھر پور تجزیہ یا تفہیم نہیں کر سکے۔ اپنے ہی وضع کردہ کلامِ غالب کے پہلے دو ادوار، جو ۱۸۳۲ء تک کے کلام پر مشتمل ہیں اس کے بارے میں ان کی ایک ہی رائے ہے۔ اُن کے مطابق:

''پہلے دس سال (کے) کلام (سے)............ ابتدائی طریقۂ اظہار کے
اصلی ہیجانات ظاہر ہوتے ہیں یا شاعرانہ اظہار کی ذہنی مشق یا فرمائشی
شعر و غزل گوئی کی قابلیت معلوم ہوتی ہے............ دوسرے حِصّہ کلام پر
بھی .... یہی صادق آتا ہے''۔ ۲۲۔

جب ۱۸۳۲ء تک کا کلام ایک ہی طرز کا ہے تو اسے دو ادوار میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت ؟ پھر یہ کہ باقی دو ادوار کے بارے میں سرے سے کوئی رائے نہیں دی ہے۔ دوسرا یہ کہ ڈاکٹر عبداللطیف نے غالب کے ذہنی ارتقاء کو سمجھنے کے لیے صرف اُردو کلام پر اکتفا کی ہے۔
شیخ محمد اکرام کی کوشش کئی حوالوں سے اہم اور ممتاز ہے۔ ایک تو اُنہوں نے غالب کے فارسی کلام کو بھی اہمیت دی اور اپنے انتخاب کا حِصّہ بنایا اور اسے زمانی ترتیب میں لینے کی کوشش کی۔ دوسرا یہ کہ اُنہوں نے کلامِ غالب کی نہ صرف ادوار بندی کی ہے بلکہ اس پر تنقیدی نظر بھی ڈالی ہے۔ غالب نامہ کے پہلے ایڈیشن (۱۹۳۶ء) میں اُنہوں نے جو ادوار مقرر کیے تھے، ہر دور کے کلام کی الگ الگ خصوصیات بھی بیان کی تھیں۔ ترمیم و اضافہ کے بعد غالب نامہ کے چوتھے ایڈیشن (۱۹۴۴ء) کے جزو اوّل موسوم بہ ''آثار غالب'' میں اُنہوں نے، غالب کے شعری ادوار کی مانند، خود اُن کی زندگی کے بھی پانچ ادوار مقرر کیے اور پھر اُس پس منظر میں ''غالب کا ادبی ارتقاء'' کے عنوان سے ایک طویل باب باندھا، جس میں ہر دور کے کلام کی جداگان خصوصیات کو نمایاں کیا ہے۔ گویا غالب کی زندگی کے نشیب و فراز اور اُن کی ذہنی

کیفیات کی تبدیلیوں کو اُن کی شاعری میں تلاش کیا ہے اور اُن کی شاعری کو زندگی کے حالات و واقعات سے تطبیق دینے کی کوشش ہے۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے اپنے حوالوں اور مآخذ کو بھی بہت بڑھایا اور پھیلایا ہے اور ڈاکٹر عبداللطیف سے کہیں زیادہ مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔

شیخ محمد اکرام کی یہ کوشش، ان سے پہلے کی کلام غالب کی تاریخی ترتیب کی تمام کوششوں سے زیادہ بہتر اور سود مند ہے۔ لیکن غالب کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے کے لیے شیخ محمد اکرام کی اس دیدہ ریزی کے باوجود کچھ الجھنیں رہ جاتی ہیں۔ مولانا عرشی ''غالب نامہ'' کے پہلے ایڈیشن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس میں ایک تو تصحیحِ اشعار کا کام نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ دوسرے متداول حصّے کو ایک جگہ نہیں رکھا گیا تھا جس سے اصل دیوان میں انتشار پیدا ہو گیا تھا''۔ ۲۳

مولانا عرشی کی یہ رائے غالب نامہ کے پہلے ایڈیشن (۱۹۳۶ء) کے بارے میں ہے۔ شیخ اکرام نے اس کی بعد کی اشاعتوں میں تصحیح اور ترتیب اشعار کو بڑی حد تک بہتر کر لیا لیکن ان کے طریقۂ کار کے مطابق متداول دیوان ایک جگہ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ دوسرا یہ کہ اس میں حواشی برائے نام ہیں اور بعد میں نئے مآخذ کے سامنے آجانے پر ترتیبِ اشعار میں بھی تبدیلی کی ضرورت تھی۔

مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی کے دیباچے میں ''جدید ترتیب دیوان'' کے عنوان سے اپنے سے پہلے کی ترتیب و تدوین کی کوششوں میں جہاں نظامی بدایونی، مفتی انوارالحق، ڈاکٹر سیّد عبداللطیف اور شیخ محمد اکرام کا ذکر کیا ہے وہاں ان کے بعد، پیرزادہ محمد ابراہیم حنیف کے مرتّبہ دیوانِ غالب کی ایک اشاعت کا ذکر بھی کیا ہے جو ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا اور اس کا متن دیوانِ غالب طبع دوم (۱۸۴۷ء) پر مبنی تھا۔ مولانا عرشی نے، پیرزادہ محمد حنیف کے مرتّبہ اس دیوان غالب کو نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ میں کہیں جگہ نہیں دی صرف دیباچے میں ذیل کی چند سطروں میں تعارف کروایا ہے:

> ''۱۹۳۸ء میں پیرزادہ محمد حنیف صاحب نے ایک نسخہ شائع کیا جو ۱۸۴۷ء کے مطبوعہ ایڈیشن پر مبنی تھا۔ اس میں تمام اصنافِ سخن کو

ردیف وار اس طرح مرتّب کیا گیا تھا کہ ردیف الف کے سب اشعار،
خواہ غزل کے ہوں یا کسی دوسری صنف کے، ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔
اس صورتِ حال نے اُن کے نسخے کو شتر گربہ کر دیا تھا اور وہ انڈکس ہو کر
رہ گیا تھا۔''۲۴؎

مولانا عرشی نے جدید ترتیب دیوان کی کوششوں میں پیرزادہ محمد حنیف کے ایڈیشن کا ذکر اخلاقاً فرما دیا ہے ورنہ اس کی ترتیب میں جدت صرف یہ ہے کہ کلامِ غالب کی تمام اصناف کو ردیف وار یکجا کر دیا گیا ہے۔ جو کلامِ غالب کی تدوین یا تاریخی ترتیب میں سود مند ہے نہ اس روایت میں کوئی اضافے کا باعث۔

اس کی کچھ مزید حقیقت یہ ہے کہ یہ ایڈیشن پیرزادہ محمد حنیف نے درسِ غالب کے نام سے مرتّب کیا اور پہلی بار ۱۹۳۸ء میں مظفّر بک ڈپو، لاہور سے شائع ہوا اس کی اشاعت کی غرض و غایت مرتّب دیباچے میں یوں بیان کرتے ہیں:

''کلامِ غالب کے محترم شائقین میں بالعموم کالجز کے اساتذہ اور طلبا کا
اعلیٰ طبقہ خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔ اس لیے دانستہ عام اخباری یا
شاعرانہ نکتۂ نظر کو نظر انداز کر کے اس درس غالب کو درسی طرز میں پیش
کیا جاتا ہے اور اسی درسی مناسبت سے اس کا نام بھی درسِ غالب رکھا گیا
ہے۔''۲۵؎

درسِ غالب میں موجود کلامِ غالب کے مآخذ کے بارے میں مرتّب لکھتے ہیں:

''بلحاظ کلام۔ درسِ غالب کے دو مآخذ ہیں''۔

(۱) مطبوعہ اردو دیوان غالب ۱۸۴۷ء

(۲) بعد کے کلام کے لیے، دوسرے عام مروّج دیوانِ غالب''۲۶؎

گویا درس غالب صرف دیوانِ غالب طبع دوم (۱۸۴۷ء) پر مبنی نہیں ہے۔ اس میں دوسرے مروّجہ ایڈیشنوں سے بھی اشعار شامل کیے گئے ہیں لیکن ان ''دوسرے عام مروّج دیوانِ غالب'' کا کہیں حوالہ نہیں کہ کون سے ان کا مآخذ بنے۔ دیوانِ غالب کے دوسرے ایڈیشن (۱۸۴۷ء) میں کل اشعار ۱۱۷۲[۵۸] ہیں جبکہ درس غالب کے دیباچے (حاشیہ صفحہ: ر) کے مطابق اس (درس غالب) میں ۱۸۸۰ اشعار ہیں یعنی طبع دوم (۱۸۴۷ء)

سے ۲۲۷ شعر زیادہ ہیں۔ دوسرے مآخذ سے لیے گئے ان ۲۲۷ اشعار کو الگ سے درج نہیں کیا گیا بلکہ ردیف وار طبع دوم کے اشعار ہی میں داخل کر دیا ہے۔ اس طرح اس ایڈیشن میں طبع دوم (۱۸۴۷ء) کی انفرادیت یا شناخت بھی ختم ہو گئی ہے۔ ردیف وار کلام سے مختلف اصناف کی نشاندہی یا تخصیص بھی باقی نہیں رہی۔ کہیں، غزل، قصیدہ، سہرا، قطعہ یا رباعی کا عنوان دے دیا ہے اور اکثر جگہ اس عنوان یا کسی نمبر شمار کے بغیر ہی مسلسل اور متواتر انداز میں درج ہیں۔ حدِ افراط تک ایک یہ التزام بھی کیا ہے کہ:

> ''حسبِ ضرورت جملہ ہائے معترضہ کو خطوط وحدانی میں لے لیا ہے۔ اور استفہام، تعّجب، حیرت، افسوس، مسرّت وغیرہ کے موقعوں پر مناسب علامات لگا دی گئی ہیں''۔ ۲۸؎

دوسرے ایڈیشن (۱۸۴۷ء) کے املا اور طرزِ کتابت کے سلسلے میں بھی مرتّب درس غالب نے کچھ تصرفات کیے اور اسے مروّجہ رسم الخط کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس لحاظ سے پیرزادہ ابراہیم حنیف نے بغیر کسی اصولِ تدوین کے، طلبا اور شائقین غالب کے لیے ایک عام ضرورت کو مدّنظر رکھ کے یہ کوشش کی، جس سے کم از کم ہر ردیف کے اشعار ایک جگہ جمع کر کے مطالعے میں آسانی پیدا کر دی۔ کلامِ غالب کی جدید ترتیب یا تدوین کی روایت میں اس کی کوئی اہمیت نہیں بنتی۔

نسخۂ عرشی سے پہلے دیوانِ غالب اُردو کی جدید ترتیب، تاریخی ترتیب یا تدوین کی مذکورہ کوششوں میں خود مولانا عرشی کی ایک کوشش بھی قابلِ ذکر ہے جس کے ذریعے سے، محدود پیمانے پر ہی سہی کلامِ غالب کی تدوین، ترتیب یا تصحیح کی ایک معیاری صورت بطور نمونہ، سامنے آتی ہے۔ مولانا عرشی کی یہ کوشش محدود اس لیے کہ یہ صرف غالب کے ایک اردو اور فارسی انتخاب کے قلمی نسخے کی اشاعت ہے۔ غالب نے نواب یوسف علی خاں والئی رام پور کی فرمائش پر اپنے اُردو اور فارسی کلام کا انتخاب ۱۸۶۶ء میں کیا اور رامپور بھیج دیا جس کا فارسی حِصّہ تو محفوظ کر لیا گیا لیکن اُردو حِصّہ ''رام پور لائبریری کے ردّی گھر میں پڑا رہا''۔ رام پور لائبریری سے مولانا عرشی نے اس مخطوطے کو نکال کر جدید اصول تدوین کے مطابق اسے مرتّب کیا اور شایانِ شان طریقے سے مطبعہ قیّمہ، بمبئی سے ۱۹۴۲ء میں حکومت رام پور کے تعاون سے شائع کروایا۔ اس ''انتخاب غالب'' کے حِصّہ اُردو میں ۸۴۸ اشعار شامل ہیں شروع میں پانچ صفحات

پر مشتمل چیف منسٹر رام پور بشیر حسین زیدی کی ''تقریب'' ہے جس میں مخطوطے اور اس کی اشاعت کا تعارف ہے۔ اس کے بعد مولانا عرشی کا ''دیباچہ'' ہے جو صفحہ ی تا م (۶-۳۶) تک ہے۔ اس میں مولانا عرشی نے غالب کے، اپنی اُردو اور فارسی شاعری کے بارے میں نظریات اور انتخاب غالب (مخطوطہ ۱۸۶۶ء) کی تمام جزوی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس کے بعد نئے نمبر شمار کے تحت انتخاب غالب فارسی شروع ہوتا ہے جو صفحہ ۱۸۲ پر تمام ہوا ہے۔ صفحہ ۱۸۳ سے ۳۱۸ تک انتخابِ غالب اُردو ہے۔ پھر ''شرح غالب'' کے عنوان سے صفحہ ۳۲۰ سے ۳۳۵ تک بالترتیب فارسی و اردو حِصّوں کے الگ الگ حواشی ہیں۔ پھر اسی ترتیب سے صفحہ ۳۴۲ تک ''اختلافِ نسخ'' درج ہیں۔ آخری دو صفحات پر انتخابِ غالب کا ''اشاریہ'' (جس میں اس ایڈیشن کے دیباچے کو شامل نہیں رکھا) ہے اس طرح زیر نظر مطبوعہ انتخاب غالب صفحہ ۳۴۴ پر تمام ہوتا ہے۔

مولانا عرشی کا مرتبہ یہ انتخابِ غالب حکومتِ رام پور کے سلسلۂ مطبوعات کی طرف حسنِ طباعت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے بالکل اسی انداز اور معیار کا جس طرح اس سے پہلے ۱۹۳۷ء میں مولانا عرشی کے مرتّبہ ''مکاتیبِ غالب'' کی اشاعت عمل میں آئی تھی بلکہ اس لحاظ سے اس سے بھی بہتر کہ نہ صرف کاغذ دبیز، اعلیٰ معیاری اور ڈیلکس بلکہ متن کا ہر صفحہ رنگین جس کے چاروں طرف کے، سفید زمین کے کاغذ نے حاشیے کا کام کیا ہے اور متن گویا فریم میں جڑا ہوا ہے۔ شروع کی ''تقریب''، ''دیباچہ'' اور آخر کے حِصّہ ''شرح غالب'' و ''اختلافِ نسخ'' کے اوراق کا رنگ ''انتخاب غالب اُردو و فارسی'' کے اوراق سے کم گہرا ہے، جس سے متن اور زیادہ نمایاں اور منفرد نظر آنے لگا ہے۔ حسنِ طباعت کے علاوہ مولانا عرشی کی تحقیقی اور تدوینی صلاحیت کا بہترین نمونہ اور جدید اُصول تدوینِ کلام غالب کی بہترین مثال بھی ہے۔ ڈاکٹر سیّد معین الرحمن انتخابِ غالب کے صوری و معنوی حسن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا عرشی کی کئی سال کی دیدہ ریزی اور کوشش کے بعد یہ مجموعہ مثالی، صوری و معنوی خوبیوں کے ساتھ منظرِ عام پر آیا۔ یہ دیدہ زیب ایڈیشن، دبیز کاغذ پر روشن ٹائپ میں شائع ہوا۔ یہ ڈی لکس ایڈیشن دیکھنے کی چیز ہے۔ اس کے صوری حسن کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں''۔ ۲۹؎

جدید انداز سے دیوانِ غالب اُردو کی ترتیب و تدوین میں انتخابِ غالب کی اہمیت اس حوالے سے بھی ہے کہ غالب نے دیوانِ غالب کی اپنی زندگی کی تمام اشاعتوں کے بعد اسے مطبع نظامی کانپور والے ایڈیشن (۱۸۶۲ء) سے منتخب کیا اور بقول مولانا عرشی۔

''اس میں ایک دو تازہ اصلاحیں ہیں، اور وہ اہم بھی ہیں'' ۳۰۔

یقینا یہ اصلاحیں ایسی ہیں جو غالب کی زندگی کے کسی دوسرے قلمی یا مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں۔ مولانا عرشی انتخاب غالب کے دیباچے میں اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ انتخاب بے حد قابلِ قدر اور غالب سے متعلق ادب میں ایسا نایاب اضافہ ہے۔ جس کی قدر و قیمت میں برابر ترقی ہوتی رہے گی'' ۔۳۱۔

مولانا عرشی نے انتخابِ غالب کے مخطوطے کو صرف متعارف اور شائع ہی نہیں کیا بلکہ ایک مبسوط مقدمے میں اس کی خصوصیات اور اہمیت و انفرادیت کو بھی بیان کیا اور پھر انتخاب کے متن کا دوسرے قلمی و مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر کے اختلافِ نسخ بھی درج کیے۔ اس انتخاب کے حِصّہ اُردو کی تدوین کے لیے انھوں نے آٹھ قلمی و مطبوعہ نسخوں کے اختلافِ نسخ درج کیے اور ان آٹھ اردو مآخذ کی تفصیل آخر میں اختلاف دینے سے پہلے بیان کر دی ہے۔ تدوینِ کلامِ غالب کی اس انداز اور معیار کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ہے۔

انتخابِ غالب کی اشاعت کے متصّل بعد مولانا عرشی، وسیع پیمانے پر مکمل دیوانِ غالب اُردو کو اسی جدید اصولِ تدوین کے مطابق ترتیب دینے کا ڈول ڈال چکے تھے، جس انداز پر انھوں نے انتخابِ غالب (۱۹۴۲ء) مرتّب کیا تھا۔ لیکن اس دیدہ ریزی میں کئی برس گزر گئے اور اس کی اشاعت (۱۹۵۸ء) سے پہلے مالک رام نے متداول دیوانِ غالب کا ایک تحقیقی ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں شائع کر دیا۔ اس لیے ۱۹۵۸ء سے پہلے کلامِ غالب اُردو کی ترتیب و تدوین کی روایت میں مالک رام کے مرتّبہ ایڈیشن کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی طبع اوّل (۱۹۵۸ء) سے پہلے، غالب کے اُردو کلام کو جن حضرات نے مرتّب کر کے شائع کیا اُن میں سے مالک رام کے مرتّبہ ایڈیشن کو اس لحاظ سے اوّلیت حاصل ہے کہ انھوں نے پہلی بار اصول تدوین کے مطابق کسی ایک ایڈیشن کو بنیادی متن قرار دے کر اور کچھ دوسرے مآخذ کے اختلافِ نسخ درج کر کے شائع کیا۔ مالک رام کا مرتّبہ

دیوانِ غالب پہلی بار ۱۹۵۷ء میں، آزاد کتاب گھر، دِلّی سے شائع ہوا۔ اس کے شروع میں ۳۶ صفحات پر مشتمل مرتّب کا مقدمہ ہے (اس پر کوئی عنوان درج نہیں) جس میں انھوں نے غالب کی ابتدائے شعروسخن اور اُن کی زندگی میں دیوانِ غالب کی، اشاعتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ زیرنظر دیوان کی ترتیب میں انھوں نے جن دوسرے مآخذ سے استفادہ کیا اُن کا بھی تعارف کروایا ہے۔ مقدمے ہی میں اپنے اس دیوان کی ترتیب کے بارے میں بھی وضاحت کی ہے نیز کچھ غیرمتداول کلام جو اس میں شامل کیا ہے اس کے مآخذ کی نشاندہی بھی کی ہے۔

مقدمے کے بعد ایک صفحے پر غالب کا عکس تحریر اور پھر غالب کا فارسی دیباچہ مکتوبہ ۱۲۴۸ھ، بھی شامل ہے۔ صفحہ ۴۱ سے غزلیات شروع ہوتی ہیں جو صفحہ ۲۴۳ پر ختم ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۲۵۹ تک پانچ قصائد ہیں۔ ان کے بعد مثنوی درصفتِ انبہ، پھر صفحہ ۲۶۲ سے ۲۷۷ تک بارہ قطعات ہیں۔ اسی صفحے پر قطعات ختم ہونے کے بعد رباعیات شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ ۱۶ رباعیات صفحہ ۲۸۰ پر تمام ہو رہی ہیں۔ یہ تمام منظومات وہ ہیں جو اس ایڈیشن کے بنیادی متن دیوانِ غالب مطبع نظامی کانپور (۱۸۶۲ء) میں موجود ہیں۔ ان کے اختلافِ نسخ صفحہ بہ صفحہ ساتھ ساتھ دیئے گئے ہیں۔ ان کے بعد صفحہ ۲۸۱ سے ''تتمّہ'' کے زیرِعنوان مختلف مآخذ کے ذریعے سے غالب کا وہ متفرق کلام شامل ہے ''جو ۱۸۶۲ء کے مطبع نظامی کانپور ایڈیشن میں نہیں اور اس کے بعد مختلف مآخذ سے جمع ہوا'' (مقدمہ، ص: ۳۴) صفحہ ۳۲۴ پر اس ''تتمّہ'' کے ختم ہونے کے بعد ''انتخاب نسخۂ حمیدیہ'' (متروک اور غیر متداول کلام) شروع ہوتا ہے جو آخری صفحہ ۳۵۹ پر اختتام پذیر ہوا ہے۔

مالک رام اپنے مرتّبہ اس دیوانِ غالب کے بنیادی متن، املا اور اختلافِ نسخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس کا متن مطبع نظامی کانپور کے ایڈیشن (۱۸۶۲ء) پر مبنی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اصل میں ہر جگہ ''مجکو''، ''مجسے'' وغیرہ چھپا ہے اور میں نے موجودہ اسلوب کو مدِّنظر رکھتے ہوئے سہولت کے لیے پورا ''مجھ'' لکھ دیا ہے۔ ایک اور تبدیلی یہ کی کہ، پُرانے رواج کے مطابق پیش کی جگہ واؤ لکھی جاتی تھی مثلاً ''اوس''، ''اودھر'' وغیرہ۔ اس واؤ کو خارج کر کے اس کی جگہ پیش لکھ دی ہے............ مطبع نظامی والا نسخہ بہت ٹھیک چھپا

ہے اسی لیے اسے یہاں لے لیا گیا ہے۔ اگر اس کا متن کہیں سے غلط یا
ناقص نظر آیا تو اسے کسی دوسری جگہ سے درست کر دیا ہے اور حاشیہ میں
اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح ترین متن ہے۔
اختلافِ نسخ میں اس سے پہلے کے تمام مطبوعہ نسخوں کو دانستہ نظر انداز کر
دیا ہے کیونکہ جب غالب نے مطبع احمدی کا متن دیکھ کر اور اسے درست
کر کے دیوان مطبع نظامی میں چھپوایا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ انھوں نے
متن ہمیشہ کے لیے خود طے کر دیا۔ اب اس سے پہلے کے ایڈیشنوں کو
ہم نہ صرف متن میں استعمال نہیں کر سکتے بلکہ وہ شاید اختلافِ نسخ کے
تحت بھی نہیں آئیں گے''۔ ۳۳؎

تدوینِ کلام کی دو ہی بہتر صورتیں یا طریقۂ کار ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کسی ایک معتبر، قلمی یا مطبوعہ نسخے کو بنیادی متن قرار دے لیا جائے اور باقی تمام مآخذ کے اختلافات درج کر دیے جائیں۔ لیکن اس سلسلے میں مقرر کردہ بنیادی متن کی پیروی میں منشائے مصنف کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔ دوسری صورت مرتّب یا مدّون کی صوابدید پر ہے کہ وہ بہترین متن پیش کرے خواہ وہ اس کلام کے دوسرے مآخذ ہی کے ذریعے کیوں نہ مرتّب کرنا پڑے لیکن تدوین کے اس دوسرے طریقے میں ہر جگہ مدوّن کو جواب دہ ہونا پڑتا ہے۔ مالک رام نے زیر نظر دیوانِ غالب مرتّب کرتے وقت بظاہر تدوین کے اس پہلے اصول کو اپنانے کا دعویٰ کیا ہے لیکن ان کے مرتّبہ ایڈیشن کے متن کا مقابلہ مطبع نظامی کانپور والے ایڈیشن (عکسی اشاعت از گپتا رضا بمبئی، ۱۹۸۷ء) کے متن سے کیا جائے (جسے انھوں نے اپنے ایڈیشن کا بنیادی متن قرار دیا ہے) تو حقیقت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ مالک رام نے متعدّد جگہوں پر مطبع نظامی کانپور کے ایڈیشن کے خلاف دوسرے مآخذ کے ذریعے یا اپنے اندازِ نظر کے مطابق اصل متن کی تصحیح شدہ صورتیں پیش کی ہیں۔ اس نوع کی متعدّد مثالیں، رشید حسن خاں، ڈاکٹر گیان چند اور انصار اللہ نظر نے اپنے مقالات میں بیان کی ہیں۔ انصار اللہ نظر ایسی مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مدوّن (مالک رام) نے لازماً ایک نسخے کو بنیاد نہیں بنایا ہے بلکہ
دوسرے نسخوں سے جا بجا متن کی تصحیح بھی کی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ مدّون نے ایک اصول پر پابند رہنے کی بجائے اپنی سہولت اور اپنی

پسند سے زیادہ کام لیا ہے''۔ ۳۴۔

مالک رام کے اس ایڈیشن میں سے املا کی مختلف مثالیں دینے کے بعد انصار اللہ نظر مزید لکھتے ہیں:

''املا اور تلفّظ کے معاملے میں بھی مرتّب نے خود کو ہر پابندی اور اصول سے آزاد ہی رکھا ہے''۔ ۳۵۔

مالک رام نے اپنے مرتّبہ دیوانِ غالب کی اس پہلی اشاعت کے بعد مقدمہ اور اختلاف نسخ کو حذف کر کے صرف دو صفحے کے ''تعارف'' کے ساتھ ۱۹۶۹ء میں سے ''صدی ایڈیشن'' کے طور پر پیش کیا اور متن وہی پہلی اشاعت والا برقرار رکھا۔ اس پر رشید حسن خاں نے ایک مبسوط مقالہ قلم بند کیا ہے۔ ''صدی ایڈیشن'' میں مقدمہ نہ ہونے کی صورت میں رشید حسن خاں نے اپنے مقالے میں طبع اوّل (۱۹۵۷ء) میں موجود مقدمے ہی سے مثالیں دے کر مالک رام کے اس تدوینی ایڈیشن پر بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''تدوین کے طلبہ کے لیے زیر بحث نسخۂ دیوانِ غالب کا مطالعہ اس لحاظ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ بات معلوم ہو کہ کسی دیوان کو کس طرح مرتّب نہیں کرنا چاہیے۔ اس اڈیشن کے مرتّب نے تدوین کے اصولوں کو جس طرح نظر انداز کیا ہے اس کی مثالیں کم یاب ہیں''۳۶۔

کسی بھی اصولِ تدوین کی بطورِ خاص پابندی نہ کرنے کے علاوہ، مالک رام کے مرتّبہ دیوانِ غالب میں ایک اور کمی کا بھی شدت سے احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے مطبع نظامی کانپور والے ایڈیشن (۱۸۶۲ء) سے پہلے کے کسی ایڈیشن کے اختلافِ نسخ کو اہم نہیں سمجھا، اس لیے درج بھی نہیں کیا۔ اور دوسری بات یہ کہ اس ایڈیشن کے مآخذ میں دیوانِ غالب کا کوئی قلمی نسخۂ شامل نہیں کیا۔ بنیادی متن کے علاوہ اس ایڈیشن کے جو مآخذ ہیں ان کی نشاندہی مع علامات مالک رام نے مقدمے میں صفحہ نمبر ۳۴ پر کی ہے:

''ا غ ، مطبع احمدی کا وہ نسخہ جسے غالب نے خود درست کیا تھا اور مطبع نظامی کے ایڈیشن کا گویا مسّودہ تھا۔ ۳۷۔

ش ، منشی شیونرائن کے مطبع مفید الخلائق کا ایڈیشن (۱۸۶۳ء)

نش ، انشائے غالب کا قلمی نسخہ (مملوکہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی)

م ، اُردوئے معلّیٰ

خب ، انتخابِ غالب (رام پور) ۱۹۴۲ء

ح ، نسخہ حمیدیہ (بھوپال) ۱۹۲۱ء

ن ، نادراتِ غالب (کراچی) ۱۹۴۹ء

گ ، گلستانِ سخن [۳۸] [نگارستانِ سخن]، (دہلی) ۱۸۶۳ء''

ڈاکٹر گیان لکھتے ہیں:

''مالک رام نے دیوانِ غالب مرتّب کرنے کے لیے نسخۂ عرشی کی طرح غیر معمولی کاوش نہیں کی۔ انھوں نے دیوانِ غالب کا کوئی مخطوطہ سامنے نہیں رکھا''۔ ۳۹؎

ان وجوہات کی بنا پر دیوانِ غالب مرتّبہ مالک رام ، ایک با قاعدہ تحقیقی یا تدوینی ایڈیشن ہونے کے باوجود، وہ اہمیت حاصل نہیں کر سکتا نہ تدوین کا وہ معیار ہی پیش کرتا ہے جس معیار پر اس دوران میں مولانا امتیاز علی عرشی دیوانِ غالب مرتّب کر رہے تھے یا دیوانِ غالب کی ترتیب و تدوین کا جسے اعلیٰ معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند، مالک رام کے مرتّبہ ایڈیشن کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

''غالب کے اُردو دیوان کا یہ پہلا تحقیقی ایڈیشن ہے جس میں صحتِ متن کی طرف توجہ کی گئی ہے اور کسی حد تک اختلافِ نسخ دیئے ہیں۔ اتفاق سے ایک ہی سال بعد ۱۹۵۸ء میں عرشی صاحب کا نسخۂ عرشی شائع ہو گیا جس کی وجہ سے مالک رام کا مرتّبہ دیوانِ غالب اپنی اہمیت کھو بیٹھا''۔ ۴۰؎

اس پس منظر میں دیکھیں تو ۱۹۵۸ء سے پہلے، دیوانِ غالب اُردو کی ، عام اور روایتی اشاعتوں سے ہٹ کر، سنجیدہ اور شعوری سطح پر جدید انداز سے ترتیب و تدوین کی یہ چند ابتدائی کوششیں تھیں۔ جن میں کچھ مکمل، کچھ نامکمل، جزوی یا ادھوری اور بعض کم اہم، لیکن درجہ بہ درجہ اور منزل بہ منزل غالب کے اردو کلام کو تحقیقی و تدوینی انداز سے مرتّب کرنے کی روایت

پھلتی پھولتی رہی۔ نسخۂ عرشی (۱۹۵۸ء) سے پہلے یہ روایت مندرجہ ذیل پانچ انداز اور ذرائع سے آگے بڑھتی نظر آتی ہے۔

(۱) دیوانِ غالب کے مشرح ایڈیشن:

شارحینِ غالب نے، کلامِ غالب کی درست اور صحیح تفہیم کے لیے مستند متن تک پہنچنے اور اُسے صحت کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت کے پیشِ نظر کاوش و کاہش سے کام لیا اور ساتھ ہی ساتھ غیر متداول اور غیر مطبوعہ کلام کو بھی شامل کیا۔ اس سلسلے میں مولانا حسرت موہانی اور نظامی بدایونی کے نام خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

(۲) نودریافت مخطوطات:

دیوانِ غالب یا انتخابِ غالب کے نو دریافت مخطوطات اور ان میں سے بعض کی اشاعتیں اس روایت کا ایک اہم اور مضبوط جزو ہیں مثلاً نسخۂ بھوپال مکتوبہ ۱۸۲۱ء (آگرہ ۱۹۲۱ء)، انتخابِ غالب طاہر ایڈیشن مکتوبہ ۱۸۶۰ء (دہلی ۱۹۳۶ء)، انتخابِ غالب مکتوبہ ۱۸۶۶ء (رامپور ۱۹۴۲ء)، نسخۂ شیرانی (۱۸۲۶ء)، نسخۂ رامپور قدیم (۱۸۳۳ء)، نسخۂ لاہور (۱۸۵۲ء) اور نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء)۔

(۳) رسائل کے ذریعے نو دریافت کلام غالب:

تحقیق و تلاش سے رسائل میں غیر مطبوعہ کلام شائع کرنے کی روایت بھی اہم ثابت ہوتی ہے اس سلسلے میں، الہلال (کلکتہ)، نگار (بھوپال، لکھنؤ) زمانہ (کانپور)، معیار اور معاصر (پٹنہ)، اُردوئے معلّٰی (دہلی) علی گڑھ میگزین (علی گڑھ)، مخزن (لاہور)، ہمایوں (لاہور)، ادبی دنیا (لاہور) اور ماہ نو (کراچی) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

(۴) کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب:

ڈاکٹر سیّد عبداللطیف کا مرتّبہ دیوانِ غالب (نامکمل) ۱۹۲۸ء اور شیخ محمد اکرام کی کتاب غالب نامہ (۱۹۳۶) قابلِ قدر کوششیں ہیں کہ انھوں نے پہلی بار غالب کے ذہنی ارتقاء کو سمجھنے کی طرف توجہ کی۔

(۵) تدوینِ کلامِ غالب:

تاریخی ترتیب کی طرح تدوین کی بھی دو ہی اہم کاوشیں ہیں ایک مولانا امتیاز علی عرشی کا مرتّبہ انتخابِ غالب (۱۹۴۲ء) اور دوسرا مالک رام کا مرتّبہ دیوانِ غالب (۱۹۵۷ء)۔

اس دوران میں، جدید انداز سے ترتیب و تدوین کلامِ غالب کے سلسلے میں مندرجہ بالا پانچ انداز سے مواد فراہم ہوتا رہا۔ ان میں غالب کا غیر مطبوعہ کلام بھی منظرِ عام پر آیا اور جزوی سطحوں پر ترتیب و تدوین بھی ہوئی۔ مختلف انداز کی یہ تمام کوششیں دیوانِ غالب اُردو کی تاریخی ترتیب اور تدوین کی روایت کا حِصّہ بنیں۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی جدید اصولِ ترتیب و تدوین کے مطابق، تدوین کلامِ غالب یا کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب کی مکمل اور کامل کوشش نہیں کہا جا سکتا۔

تدوین اور تاریخی ترتیب دو الگ الگ اہمیت کے حامل کام ہیں۔ تدوین میں کلام کو منشائے مصنف کے مطابق پیش کرنا ہوتا ہے اور باقی تمام معلوم مآخذ کے اختلاف درج کرنا ہوتے ہیں۔ تاریخی ترتیب میں تخلیقات کو زمانی ترتیب سے پیش کر کے تخلیق کار کا ذہنی ارتقا اور اس کے بدلتے معیارات کا اندازہ لگانا ہوتا ہے۔ ۱۹۵۸ء سے پہلے کی اس روایت میں مذکورہ ہر دو طرح کی ادھوری اور جزوی کوششیں ہوئیں لیکن مولانا عرشی نے (ان دو الگ الگ اہمیت کے حامل کام کو دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی (۱۹۵۸ء) کی صورت میں یکجا پیش کر کے وہ کارنامہ انجام دیا جو ان سے پہلے الگ الگ سطح پر بھی کسی نے مکمل نہ کیا تھا۔ بلکہ مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی مرتّب کر کے اس میں تین نمایاں خصوصیات بھر دیں۔ ایک تو مکمل کلامِ غالب اُردو کو اس انداز سے پیش کیا کہ دیوان کی مروّج اور متداول حیثیت بھی برقرار رکھی اور متدوال اور غیر متداول کی تخصیص بھی کر دی۔ دوسرا اسے تاریخی ترتیب و تنظیم بخشی اور تیسرا ہر ہر مصرعے کو اصولِ تدوین کے مطابق مدوّن کیا) ۱۹۵۸ء سے پہلے کلام غالب کی ترتیب و تدوین کی روایت کے اس پس منظر کو دیکھا جائے تو نسخۂ عرشی اس روایت کا صرف تسلسل ہی نہیں بلکہ ایک نئے انداز کا منفرد کام ثابت ہوتا ہے۔

حواشی اور حوالہ جات

۱۔ معین الرّحمن ، ڈاکٹر سیّد، غالب کا علمی سرمایہ، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء) ص:۸۸

۲۔ معین الرّحمن ، ڈاکٹر سیّد، غالب کا علمی سرمایہ،ص:۹۰

۳۔ معین الرّحمن ، ڈاکٹر سیّد، غالب کا علمی سرمایہ،ص:۹۲

۴۔ ''پانچواں ایڈیشن........... ۱۹۲۳ء میں تیار ہوکر بازار آ گیا اور اسی سال مشرح پاکٹ ایڈیشن کے علاوہ ۲۹×۲۲ پیمانہ کی بڑی تقطیع پر خوش خط جلی قلم اور اچھے کاغذ پر ایک اور نسخہ شائع ہوا جس کے ساتھ غالب کی خودنوشتہ سوانح عمری اور مشکل الفاظ و محاوراتِ غالبی کی فرہنگ دی گئی'' (دیوانِ غالب مع شرح، نظامی بدایونی، طبع ششم ، نظامی پریس بدایوں ، ۳-اپریل ۱۹۲۷ء (تاریخ دیباچہ)ص: ۲-۳) گویا یہ پانچویں اور چھٹے مشرح ایڈیشن کے درمیان کی ایک نئی اشاعت ہے۔ عام طور پر اس بدایوں ایڈیشن کی چھے اشاعتوں کا ذکر ملتا ہے لیکن محولا بالا طبع ششم کے اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بدایوں ایڈیشن سات مرتبہ شائع ہوا۔

۵۔ عرشی ، مولانا امتیاز علی خاں، دیوانِ غالب اُردو کا ایک اور نادر مخطوطہ،مشمولہ: نقوش، (لاہور: جون ۱۹۶۰ء)،ص:۵

۶۔ انوارالحق ،مفتی محمد، دیوانِ غالب جدید المعروف بہ نسخۂ حمیدیہ،(آگرہ: مفید عام اسٹیم پریس، ۱۹۲۱ء)،ص:۱۰

۷۔ معین الرّحمن ، ڈاکٹر سیّد، غالب کا علمی سرمایہ،ص:۸۶

۸۔ شیخ محمد اکرام کا گمان ہے کہ: ''جہاں تک قلمی نسخے کے بعد کی غزلوں کا تعلق ہے۔ یہ نسخہ نظامی پریس کے شائع کردہ دیوانِ غالب (مطبوعہ ۱۹۱۷ء) کی نقل ہے''۔ (ارمغانِ غالب: طبع چہارم، بمبئی، س ن ،ص:۹)

۹۔ اس کی اشاعت کی تینوں صورتوں کا تفصیلی تعارف نسخۂ عرشی طبع ثانی صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۰ اور غالب کا علمی سرمایہ طبع دوم کے صفحہ ۸۴ تا ۹۷ پر موجود ہے۔

۱۰۔ محمد اکرام، شیخ، ارمغانِ غالب، طبع چہارم، (بمبئی: تاج آفس محمد علی روڈ، س-ن)،ص:۹

۱۱۔ انوارالحق ،مفتی محمد، دیوانِ غالب جدید المعروف بہ نسخۂ حمیدیہ ،ص:۱۰

۱۲۔ انوارالحق ،مفتی محمد، دیوانِ غالب جدید المعروف بہ نسخۂ حمیدیہ ،ص :۱۱

۱۳۔ انوارالحق ،مفتی محمد، دیوانِ غالب جدید المعروف بہ نسخۂ حمیدیہ ،ص : ۱۸

۱۴۔ عبداللطیف ، ڈاکٹر سیّد ، غالب ،ترجمہ: سیّد معین الدین قریشی،(حیدر آباد: جام باغ حیدر آباد

دکن، ۱۹۳۲ء)،ص: ۲۸

۱۵۔ عبداللطیف، ڈاکٹر سیّد، غالب، ترجمہ؛ سیّد معین الدین قریشی،ص: ۳۲ - ۳۳

۱۶۔ محمد اکرام، شیخ، ارمغانِ غالب،ص:۱۱ - ۱۲

۱۷۔ ڈاکٹر سیّد عبداللطیف اپنی کتاب غالب (ترجمہ: سیّد معین الدین قریشی) میں کلام غالب کی ادوار بندی کے سلسلے میں ۱۸۳۲ء سے ۱۸۵۵ء تک کے کلام کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ رامپوری نسخہ کی ترتیب کے وقت اس دور کے کونسے اشعار حذف کر دیئے گئے کیونکہ دیوان کا اصل نسخہ اب ناپید ہے''۔ (ص: ۲۰)

گویا نسخۂ رامپور (۱۸۵۵ء) ان کی دسترس میں نہیں رہا لیکن یہ ناپید بھی نہیں تھا۔ انتخاب غالب (۱۸۳۳ء) کی طلب میں، ڈاکٹر عبداللطیف کے لیے، سر اکبر حیدری نے، نظامی بدایونی کو خط لکھا جس کے جواب میں نظامی ۳- دسمبر ۱۹۲۷ء کو لکھتے ہیں:

''کتب خانۂ رام پور میں .... ایک قلمی نسخہ ضرور ہے جو ۱۸۵۵ء (۱۲۷۱ھ) کا لکھا ہوا ہے'' نظامی کا یہ خط ڈاکٹر عبداللطیف کی کتاب غالب (ترجمہ) میں ضمیمہ نمبر ا کے تحت شائع بھی ہوا ہے لیکن اس کے باوجود نسخۂ رامپور (۱۸۵۵ء) کی طلب، اسے دیکھنے یا اس سے استفادہ کرنے کا کہیں انھوں نے ذکر نہیں کیا۔

۱۸۔ عرشی، امتیاز علی، دیوانِ غالب اُردو (نسخۂ عرشی)، (علی گڑھ: انجمن ترقیِ اُردو (ہند) ۱۹۵۸ء)، دیباچہ،ص:۱۷

۱۹۔ محمد اکرام، شیخ، ارمغانِ غالب،ص:۱۱

۲۰۔ محمد اکرام، شیخ، ارمغانِ غالب،ص: ۷

۲۱۔ محمد اکرام، شیخ، ارمغانِ غالب،ص: ۱۲ تا ۱۶

۲۲۔ عبداللطیف، ڈاکٹر سیّد، غالب (ترجمہ؛ سیّد معین الدین قریشی)،ص: ۳۲

۲۳۔ عرشی: مولانا امتیاز علی خاں، دیوانِ غالب اُردو (نسخۂ عرشی)، دیباچہ،ص:۱۷

۲۴۔ عرشی: مولانا امتیاز علی خاں، دیوانِ غالب اُردو (نسخۂ عرشی)،ص:۱۷

۲۵۔ ابراہیم حنیف، پیرزادہ، درسِ غالب، (لاہور: مظفر بک ڈپو، ۱۹۳۸ء)،ص: س

۲۶۔ ابراہیم حنیف، پیرزادہ، درسِ غالب،ص: ب

۲۷۔ معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، غالب کا علمی سرمایہ،ص: ۳۷

۲۸۔ ابراہیم حنیف، پیرزادہ، درسِ غالب،ص: د

۲۹۔ معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، غالب کا علمی سرمایہ، ص: ۵۵۷

۳۰۔ عرشی، امتیاز علی، دیوانِ غالب اُردو (نسخۂ عرشی)، دیباچہ ص: ۹۲

۳۱۔ عرشی، امتیاز علی، انتخابِ غالب، (بمبئی: مطبع قیّمہ، ۱۹۴۲ء)، دیباچہ، ص: م

۳۲۔ مکتوب مولانا عرشی بنام مختار الدین احمد، مجلہ تحقیق، (جام شورو: سندھ یونیورسٹی، شمارہ: ۱۲-۱۳، ۱۹۹۹ء)، ص: ۷۰۵

۳۳۔ مالک رام، مرتبہ؛ دیوانِ غالب، (دلّی: آزاد کتاب گھر، ۱۹۵۷ء)، ص: ۳۱-۳۲

۳۴۔ نظرؔ، محمد انصار اللہ، دیوانِ غالب نسخۂ مالک رام، قومی زبان، (کراچی: جلد: ۳۴، شمارہ ۲، فروری ۱۹۶۹ء)، ص: ۳۶

۳۵۔ نظرؔ، محمد انصار اللہ، دیوانِ غالب نسخۂ مالک رام، ص: ۳۷

۳۶۔ رشید حسن خاں، ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، (لاہور: الفیصل ناشران، اکتوبر ۱۹۸۹ء)، ص: ۱۵۱

۳۷۔ ''مرتّب نے اس نسخے کو خود نہیں دیکھا، جس کو وہ نادر نسخہ کہتے ہیں اور جس پر اپنے نسخے کے متن کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں بل کہ نصیر الدین ہاشمی (مرحوم) کی روایت پر بھروسا کیا''۔ (رشید حسن خاں، ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، ص: ۱۵۵)

۳۸۔ یہاں مآخذ میں، سہواً یہ نام گلستانِ سخن لکھا گیا ہے، مقدمے ہی میں اس سے پہلے اس کے تعارف میں درست طور پر نگارستانِ سخن ہی درج ہے۔

۳۹۔ گیان چند، ڈاکٹر، رموزِ غالب، طبع دوم، (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۹۹ء)، ص: ۳۱۴

۴۰۔ گیان چند، ڈاکٹر، رموزِ غالب، ص: ۳۱۲

دوسرا باب

نسخۂ عرشی کی اشاعتیں: تعارف اور طریقِ تدوین کا جائزہ

- نسخۂ عرشی طبع اوّل (۱۹۵۸ء)
- نسخۂ عرشی طبع دوّم (۱۹۸۲ء)
- نسخۂ عرشی طبع سِوّم (۱۹۹۲ء)

دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے ایڈیشن (۱۹۵۸ء) میں مولانا عرشی نے، اس وقت تک کا معلوم اور میسّر، غالب کا تمام اُردو کلام تاریخی ترتیب سے مرتّب کر دیا تھا۔ اس کے بعد نو دریافت کلامِ غالب بھی سامنے آتا رہا اور کچھ کلام الحاقی بھی قرار پایا۔ اس دوران میں دیوانِ غالب کے کچھ مزید قلمی اور مطبوعہ نسخے بھی سامنے آئے؛ لہٰذا نسخۂ عرشی کو نو دریافت کلام اور تازہ معلومات کے پیشِ نظر مرتّب اور

مزیّن کیا گیا۔ ترمیم و اضافہ شدہ، یہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ اس دوسرے ایڈیشن پر مبنی، نسخۂ عرشی کا عکسی ایڈیشن تیسری بار ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ جس میں کسی طرح کا، کوئی ترمیم و اضافہ نہیں ہے۔ یہاں اس باب میں نسخۂ عرشی کی ان مختلف اشاعتوں کے کتابیاتی کوائف، طریقِ ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت کی روداد بیان کرنا اور جائزہ لینا مقصود ہے۔

۞

دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی پہلی بار ۱۹۵۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا لیکن اس کی ترتیب و طباعت اور اشاعت کی کہانی کچھ طول چاہتی ہے، جو مولانا عرشی کے خطوط بنام مالک رام اور مختار الدین احمد یا دیگر کے نام خطوط میں پھیلی ہوئی ہے۔ مولانا عرشی نسخۂ عرشی کی اشاعت (۱۹۵۸ء) سے کوئی ۱۶ برس پہلے اس موضوع پر کام کا آغاز کر چکے تھے۔ گویا ان کی یہ کاوشِ علمی ۱۶ برس کی عملی دیدہ ریزی کا ثمر ہے۔

دیوانِ غالب کی ترتیب و تدوین کے بارے میں غور و فکر یا اس کا باقاعدہ آغاز، مولانا عرشی نے انتخابِ غالب (۱۹۴۲ء) کی اشاعت کے بعد، پہلے پہل ادارۂ تحقیقات اسلامی بمبئی کے ڈائریکٹر آصف فیضی کے کہنے پر شروع کیا۔ مولانا عرشی، مختار الدین احمد کو اپنے ایک خط، مورخہ ۱۰۔اپریل ۱۹۵۴ء میں لکھتے ہیں:

> ''میں آج کل دیوانِ غالب اُردو، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لیے مرتّب کر رہا ہوں۔ یہ بتا دوں کہ یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ انتخابِ غالب کی اشاعت کے متصّل بعد، میں نے آصف فیضی صاحب سے وعدہ کر لیا تھا...... اب انھوں نے سخت تقاضا کیا اور بتایا کہ حکومتِ ہند نے اس کی طباعت کے لیے جو رقم دی ہے اُسے جلد خرچ کر دینا ضروری ہے چنانچہ مجبور ہو کر اور کوئی راہِ گریز نہ پا کر میں نے اس کام کو ہاتھ میں لے لیا۔ انشاء اللہ ایک دو ماہ میں ختم ہو جائے گا۔''[۱]

اس سے بھی پہلے مولانا عرشی، مالک رام کو ۲۴۔ستمبر ۱۹۴۷ء کو لکھتے ہیں:

> ''آج کل میں غالب کے اُردو دیوان کو ایڈٹ کر رہا ہوں۔ تمام معتبر قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر ڈالا ہے۔ صرف مولانا شیرانی مرحوم کا نسخۂ

دیوانِ غالب دیکھنا ہے جو اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ
ہے۔''۲؎

مالک رام کے نام اس خط سے ، دیوانِ غالب کی ترتیب و تدوین کے کام کی رفتار کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۴۷ء تک مولانا عرشی ، اس وقت تک کے معلوم قلمی و مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر چکے تھے اور نسخۂ شیرانی دیکھنا ابھی باقی تھا۔

نسخۂ عرشی (طبع اوّل)، موجودہ مطبوعہ صورت میں کلامِ غالب کو جس تاریخی ترتیب سے ، یا تدوین کے جس معیار کو پیش کرتا ہے۔ یہ انداز اور معیار اس کے آغازِ ترتیب ہی سے مولانا عرشی کے پیش نظر تھا لیکن موجودہ صورت میں جن تین حِصّوں (گنجینۂ معنی ،نوائے سروش اور یادگارِ نالہ) میں اس کلام کو تقسیم کیا گیا ہے؛ ابتداً اس کو اس ترتیب سے پیش کرنا اُن کے پیشِ نظر نہ تھا۔ ترتیبِ دیوان کے اس منصوبے کے ابتدائی طریقۂ کار کے بارے میں ،مولانا عرشی ، ۱۲۔مارچ ۱۹۵۴ء کو، مختار الدین احمد کو یوں وضاحت کرتے ہیں:

> ''۳۱ مارچ ۱۹۵۴ء تک متداول دیوان کا تمام معتبر نسخوں سے مقابلہ کر کے بھیج دینا ہے۔ اس کے بعد وہ اشعار مرتّب کروں گا جو صرف نسخۂ حمیدیہ میں پائے جاتے ہیں اور بعد ازاں وہ شعر ، جو یا تو ابھی تحقیق طلب ہیں ، یا کسی نہ کسی وجہ سے رتبے میں بلند نہیں ہیں۔ اس دوسرے حِصّے کے ساتھ ایک مفصّل دیباچہ ہوگا اور اختلافِ نسخ پر نیز تشریحِ اشعارِ سقیم(۳؎) شاعر پر مباحث ہوں گے۔''۴؎

اسی خط میں آگے چل کر ، مختار الدین احمد کی کسی فرمائش پر کوئی کام کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''انشاء اللہ ۳۱ مارچ یعنی دیوانِ غالب اوّل کی ترتیب و تصحیح کے بعد اس کتاب کو شروع کر دوں گا۔''۵؎

اس خط کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شروع میں مولانا عرشی ،حِصّۂ اوّل کے طور پر متداول کلام کو رکھنا چاہتے تھے اور اس کو ۳۱۔ مارچ ۱۹۵۴ء تک مکمل کر کے ، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی بمبئی کو بھیج دینا چاہتے تھے۔ پھر حِصّۂ دوّم میں انھوں نے صرف نسخۂ حمیدیہ کے اشعار کو جمع کرنا تھا اور اس کے بعد آخری اور تیسرے حِصّے میں تحقیق طلب یا کم اہم اشعار کو رکھنا تھا۔

لیکن بعد کی تحقیق و تلاش سے، مزید نسخے مل جانے اور ان پر غور و فکر سے، اس ترتیب کو تبدیل کر کے وسیع اور مزید بہتر طور پر پیش کیا۔ اب مطبوعہ صورت میں، متد اول کلام حِصّہٗ دوّم (نوائے سروش) کے طور پر شامل ہے اور حِصّہٗ اوّل ''گنجینۂ معنی'' ہے۔ اس میں بھی صرف نسخۂ حمیدیہ کے اشعار نہیں بلکہ نسخۂ شیرانی اور گل رعنا کے اشعار بھی شامل ہیں۔ اس طرح تاریخی ترتیب میں بھی دیوان کی پہلی مجوزہ ترتیب کی نسبت بہتری پیدا ہوگئی۔

مولانا عرشی ۱۹۵۴ء تک نہ صرف دیوان کی ترتیب مکمل کر لینا چاہتے تھے بلکہ اس کی اشاعت کی بھی توقع رکھتے تھے۔ مالک رام جو اس وقت مصر میں تھے اور جولائی ۱۹۵۴ء میں اُن کے واپس ہندوستان آ جانے کی خبر تھی، اُن کو اپنے ایک خط مورخہ ۲۴۔ مارچ ۱۹۵۴ء میں لکھتے ہیں:

''بعید نہیں کہ انشاء اللہ آپ ہندوستان آئیں تو دیوانِ غالب بہ تصحیحِ عرشی کا تحفہ آپ کی خدمت میں فوراً پیش کر دیا جائے۔''۶۔

لیکن ۱۹۵۴ء میں اس کی اشاعت عمل میں نہ آ سکی کیونکہ اسی دوران میں مولانا عرشی کو دو مزید نسخے مل گئے جنہیں دیکھ لینا اور استعمال کرنا مولانا عرشی جیسے مدوّن کے لیے ضروری ہو گیا۔ چنانچہ اب اشاعت کی جلدی رہی نہ یہ فکر کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اپنا بجٹ، خرچ کر بیٹھے گا۔ مختار الدین احمد کو ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء کے خط میں دو اور نسخوں کے مل جانے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خدا کی قدرت کہ اس عرصے میں دو ایسے قلمی نسخے ہاتھ آ گئے کہ جی باغ باغ ہو گیا اور غزلیات کی تاریخی ترتیب میں مزید سہولت پیدا ہوگئی۔ ان کا کام بھی ختم کے قریب ہے نظر ثانی کر رہا ہوں۔''۷۔

آخرِ کار مولانا عرشی ۱۹۵۴ء کے آخر یا ۱۹۵۵ء کے شروع میں دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کی ترتیب و تدوین مکمل کر کے (بغیر دیباچے کے) ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی بمبئی کو اشاعت کے لیے بھیج چکے تھے۔ لیکن ادارہ مذکور سے یہ دیوان شائع نہ ہو سکا۔ سبب صرف یہ ٹھہرا کہ مرتّب نے دیوان اور دیباچہ ایک ساتھ نہیں بھیجے۔ ادارے کے اس بے لچک اصول پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کہ ایک شخص کی برسوں کی محنت اور دیدہ ریزی یوں غارت کی۔ علمی کاموں کی حوصلہ شکنی کی یہ بھی ایک ''نادر'' مثال ہے۔ اس بے قدری پر، مولانا عرشی کی جو ذہنی کیفیت ہوئی ہوگی اس کا کچھ اظہار ذیل کے اقتباس سے بخوبی ہو رہا ہے۔ ۲۰۔ فروری ۱۹۵۶ء کے ایک

خط میں مولانا عرشی، مختار الدین احمد کو لکھتے ہیں:

''دیوانِ غالب میں نے مکمل کر کے بھیج دیا تھا۔ اسے ایک سال کے قریب ہوگیا۔ ناشرین کا تقاضا تھا کہ دیباچہ بھی ارسال کروں۔ میں نے جواب دیا کہ میں اصل کتاب کے پروف دیکھ لینے کے بعد دیباچہ اور انڈکس وغیرہ مرتّب کروں گا۔ سرِ دست علالت کے باعث مجبور ہوں۔ انھوں نے شاید اپنی انجمن کے اصول میں لچک پیدا کرنا نہ چاہی۔ میں نے مزید اصرار پر لکھ دیا کہ اگر آپ بغیر دیباچہ وصول کیے طباعت نہیں کر سکتے تو مسوّدے کو پھاڑ کر پھینک دیجیے۔ اس کے بعد مجھے کچھ خبر نہیں کہ اس سلسلے میں کیا ہوا ہے۔''۸؎

''اس سلسلے میں کیا ہوا'' کی وضاحت، مختار الدین احمد اپنے نام، اس خط کے حاشیے میں کرتے ہیں:

''فیضی صاحب کے ادارۂ تحقیقات اسلامی (بمبئی) سے یہ دیوان نہ شائع ہو سکا۔ اس لیے کہ وہ دیوان کے متن کے ساتھ ساتھ دیباچہ، اشاریہ وغیرہ سبھی کے مسوّدات ایک ساتھ چاہتے تھے۔''۹؎

اس خط کے دو اڑھائی برس بعد دیوانِ غالب نسخۂ عرشی پہلی بار، انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) علی گڑھ سے شائع ہوا۔ انجمن سے چھپوانے کے لیے، اس کی طباعت خود مولانا عرشی نے رام پور میں اپنی نگرانی میں مکمل کروائی اور طباعت شدہ مسوّدہ انجمن کو اشاعت کے لیے بھیجا۔ دیباچے کے آخر میں مولانا عرشی کے دستخط اور یکم دسمبر ۱۹۵۸ء کی تاریخ درج ہے اور نسخۂ عرشی کے اشاعتی کوائف میں سال اشاعت ۱۹۵۸ء درج ہے۔ انجمن کی طرف سے اس کی اشاعت کے بارے میں پہلی خبر، انجمن کے ہفت روزہ اخبار ہماری زبان ۱۵۔ فروری ۱۹۵۹ء کے شمارے میں ''غالب کی یاد میں'' کے تحت چھپی:

''غالب کی برسی کے موقع پر انجمن ترقیٔ اُردو ہند کی طرف سے دیوانِ غالب کا ایک نیا ایڈیشن تاریخی ترتیب کے ساتھ شائع ہوا ہے جسے مشہور محقق جناب امتیاز علی عرشی نے برسوں کی تلاش اور تحقیق کے بعد تمام قلمی ومطبوعہ نسخوں کی مدد سے تیار کیا ہے اور جس میں غالب کا سارا اُردو کلام

یک جا ہو گیا ہے......'' ۱۰؎

اس خبر میں دیوان'' شائع ہوا ہے'' محض حسنِ بیان ہے کیونکہ آخر فروری تک دیوان کے مطبوعہ فرمے، جلد بندی اور اشاعت کے لیے ابھی انجمن کے پاس نہیں پہنچے تھے۔ مولانا عرشی ۲۲۔فروری ۱۹۵۹ء کو اپنے ایک خط میں اکبر علی خاں عرشی زادہ کو لکھتے ہیں:

'' سرور صاحب کی خدمت میں جاؤ تو بتا دینا کہ دیوان کے مطبوعہ فرمے ہفتے عشرے میں جلد بندی کے لیے علی گڑھ بھیج دیے جائیں گے۔''

۱۱؎

گویا فروری ۱۹۵۹ء تک نسخۂ عرشی کی جلد بندی نہیں ہوئی تھی۔ ہماری زبان ہی کے یکم مارچ ۱۹۵۹ء کے شمارے میں صفحہ ۸ پر نسخۂ عرشی طبع اوّل کی اشاعت کا پہلا اشتہار نظر آتا ہے جس کی عبارت یہ ہے:

دیوان غالب اُردو

مرتّبہ: امتیاز علی عرشی

☆ غالب کا تمام اُردو کلام تاریخی ترتیب کے ساتھ

☆ متن دیوانِ غالب کے بارہ [۱۲] مختلف قلمی و مطبوعہ نسخوں اور دیگر حوالوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ خاص خاص اشعار کی شرح، غالب کے الفاظ میں، مرتّب کا بصیرت افروز مقدمہ، نسخوں کے اختلافات کی نشاندہی۔

☆ غالب کی اصل تصویر کے ساتھ ساتھ، ممتاز فن کار عبدالرحمن چغتائی کی بنائی ہوئی تصویر بھی شامل ہے۔

☆ ضخامت ۶۳۲ صفحے، کپڑے کی مضبوط جلد، پانچ رنگ کے ٹائیٹل اور ٹائپ کی خوبصورت

طباعت کا مجموعہ

انجمن ترقیٔ اُردو ہند، علی گڑھ قیمت بیس روپے''

شروع میں یہ اشتہار ہماری زبان کے تقریباً ہر شمارے میں اور چند ماہ بعد ہر مہینے کے کسی ایک شمارے میں اسی عبارت پر مبنی شائع ہوتا رہا۔ ۱۵۔ دسمبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں صفحہ ۱۵ پر اس کی عبارت میں کچھ اضافہ ہو کر یوں شائع ہوا:

''دیوان غالب اُردو: مرتّبہ امتیاز علی عرشی''

شعر وسخن کا یہ شاہکار غالبؔ کے تمام اُردو اشعار کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے
مولانا امتیاز علی عرشی کی حسن ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آ گیا ہے

☆ اس کی ترتیب کے وقت دیوان غالب کے چودہ مختلف قلمی و مطبوعہ نسخے اور گراں قدر حوالے مرتّب کے پیش نظر رہے ہیں۔

☆ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ غالب کے خاص خاص اشعار کی شرح خود ان کی زبان میں پیش کی گئی ہے۔

☆ مرتّب کا بصیرت افروز اور مستند مقدمہ دیوان کی عظمت اور اس کی تاریخی اہمیت کا مظہر ہے۔

☆ صحت و جامعیت کے پیش نظر مختلف نسخوں کے اختلافات کی نشاندہی بھی پوری احتیاط سے کی گئی ہے۔

☆ اس دیوان میں ممتاز فن کار عبدالرحمن چغتائی کی بنائی ہوئی غالب کی دل کش تصویر بھی شامل ہے۔

☆ غالب کے پرستاروں کو انجمن کی یہ نادر پیش کش دیوان غالب کے دوسرے نسخوں سے بے نیاز کرتی ہے۔

ضخامت ۶۳۲ صفحے، کپڑے کی پائدار جلد مع پانچ رنگ گرد پوش کے اور ٹائپ کی حسین طباعت کا مجموعہ''۔

ہماری زبان ۱۹۵۹ء کے پورے فائل میں نسخۂ عرشی پر کوئی مختصر یا طویل تبصرہ شائع نہیں ہوا۔ دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی (طبع اوّل) پر رسائل میں چھپنے والے تبصروں میں سب سے پہلا باقاعدہ، مگر مختصر تبصرہ مولوی عبدالحق کا ہے جو ان کے سہ ماہی رسالہ اُردو (کراچی) کی جلد: ۳۸، شمارہ: ۱۔۲، اپریل ۱۹۵۹ء کے صفحہ ۲۲۵ پر شائع ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فروری ۱۹۵۹ء تک نسخۂ عرشی کی اشاعت نہیں ہوئی تھی لیکن اپریل ۱۹۵۹ء میں، اشاعت کے بعد، یہ اہلِ نظر تک پہنچنے لگا تھا اور خریداروں کی رسائی میں بھی آ چکا تھا۔ غرض اس طرح مولانا عرشی کی برسوں کی محنت بار آور ہوئی اور اُنہیں اپنی اس کاوش کی قدر افزائی پر خوشی و مسرّت ہوئی۔ ذکیہ جیلانی کو اپنے ایک خط مورخہ ۸۔مئی ۱۹۵۹ء میں لکھتے ہیں:

''دیوانِ غالب کے سلسلے میں تحسین و آفرین کے خطوط برابر آ رہے ہیں
اور مجھے ان کو پڑھ پڑھ کر بڑی مسرت ہو رہی ہے۔'' ۱۳

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت کے اس بیان کے بعد اب اس مطبوعہ ایڈیشن کا تفصیلی تعارف اور تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔

خوبصورت پانچ رنگوں سے مزّیں رنگیں گرد پوش، سرخ رنگ کے کپڑے کی مضبوط جلد کے اس ایڈیشن کے اندرونی سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

دیوانِ غالب اُردو ۱۴

نسخۂ عرشی

نجم الدولہ دبیر الملک میرزا اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ
دھلوی متخلص بہ اسد و غالب (متوفی ۱۲۸۵ھ = ۱۸۶۹ء)
کے تمام اُردو کلام کا مجموعہ جسے تاریخی ترتیب کے
ساتھ پیش کیا گیا ہے
ترتیب و تصحیح
امتیاز علی عرشی
لائبریرین رضا لائبریری رام پور
انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) علی گڑھ

اس اندرونی سرورق سے پہلے کے سادہ ورق ا پر صرف عنوان ہے اور ورق ب پر اس کے اشاعتی کوائف اس طرح مندرج ہیں:

اشاعت : پہلی بار
سال : انیس سو اٹھاون عیسوی
تعداد : ایک ہزار
اہتمام : انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) علی گڑھ
ضخامت : چھ سو بتیس صفحے
[سرورق، فہرست مضامین اور تقریب ۸ + دیباچہ ۱۲۰ +

متن، شرح غالب، اختلاف نسخ، فہرست اشعار و
اشاریہ ۵۰۲ + انگریزی صفحہ ۱]
حقوق: محفوظ بحق مرتّب
قیمت: بیس روپے
اندرونی سرورق کے صفحہ ب پر انتساب کی درج ذیل عبارت ہے:
''جناب اصغر علی آصف فیضی ۱۵ے کے نام جن کی پُرخلوص فرمایش اور
پیہم اصرار نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا''

اس سے اگلے دو صفحات پر فہرست مضامین ہے۔ فہرست مضامین کے بعد، اشاعتی ادارے کے جنرل سیکرٹری آل احمد سرور کی دو صفحات پر مشتمل اس ایڈیشن کے لیے لکھی گئی ''تقریب'' ہے۔ جس پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ نئے ورق ا پر لفظ ''دیباچہ'' درج ہے (طبع اوّل میں چونکہ عنوان ''دیباچہ'' ہے اس لیے آئندہ اس ایڈیشن کے تذکرے میں ہر جگہ ''دیباچہ'' ہی لکھا جائے گا) صفحات کے نئے نمبر شمار کے تحت، صفحہ ۲ سے اس دیباچے کا متن شروع ہوتا ہے۔ مولانا عرشی کا یہ مُفصّل اور پُرمغز دیباچہ صفحہ ۱۲۰ پر ختم ہوا ہے۔ دیباچے کے آخری صفحے ۱۲۰ کے آخر پر یکم دسمبر ۱۹۵۸ء کی تاریخ درج ہے اور بالمقابل مولانا عرشی کے دستخط ثبت ہیں۔ دیباچے کے ۲۷ ذیلی عنوانات بنائے گئے ہیں جن میں غالب کی سوانح، شعر گوئی، ترتیب و انتخاب کلام، معیارِ شعر و سخن، ناقدر دانیٔ عصر کے شکوے، نسخۂ عرشی کی ترتیب و تدوین کی ضرورت و اہمیت، زیر مطالعہ قلمی و مطبوعہ نسخوں کا تفصیلی تعارف اور مُندرجات سے استفادے کا طریقۂ کار وغیرہ جیسے مطالعات پیش کیے گئے ہیں۔ دیباچے میں مُندرج اقتباسات کے حوالہ جات اور حواشی کو ہر صفحے کے پاورقی حاشیے میں درج کر دیا گیا ہے۔

دیباچے کے بعد، صفحات کے نئے نمبر شمار کے تحت کلام غالب اُردو کو تین حِصّوں میں تقسیم کیا ہے، ''گنجینۂ معنی''، ''نوائے سروش'' اور ''یادگارِ نالہ'' ہر حِصّے کے آغاز میں نیلی روشنائی سے سرورق بنایا ہے جن میں ''دیوانِ غالب'' مشترک جلی عنوان ہے اور اس کے نیچے متعلقہ حِصّۂ کلام کا خفی عنوان اور اسی مناسبت سے غالب کا ایک ایک شعر درج ہے۔ تینوں حِصّوں کے سرورق کے صفحہ ب سے متن شروع ہوتا ہے۔ دیباچے سے لے کر اختلافِ نسخ تک ہر حِصّے کا آغاز ''**بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم**'' سے ہوتا ہے۔ دوسرے حِصّے ''نوائے سروش'' کے شروع میں

غالب کا فارسی دیباچہ مکتوبہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) اور آخر میں نیرّ رخشاں کی فارسی تقریظ بھی شامل ہے۔

حِصّہَ اوّل ''گنجینۂ معنیٰ'' کا متن صفحہ ۲ سے ۱۱۸ تک ہے۔جس میں بالا ترتیب ۳ قصائد، ۲۶۸ غزلیات اور ۶ رباعیات متن میں موجود ہیں۔ اس حِصّے کے متن میں موجود کل اشعار کی تعداد ۱۶۵۷ ہے اور ''شرح غالب'' و''غلط نامہ'' کے حذف و اضافہ کے مطابق اشعار کی کل تعداد ۱۶۶۶ بنتی ہے۔ دیباچے کے مطابق:

''اس حِصّے میں وہ تمام اشعار مندرج ہیں، جو نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ شیرانی میں تو موجود تھے مگر ۱۲۴۸ھ (۱۸۴۳ء) ۱۶ ے کے مرتّب کیے ہوئے دیوان سے میرزا صاحب نے خارج کر (دیے تھے)''۔
(دیباچہ،ص: ۷۲)

دوسرے حِصّے ''نوائے سروش'' کے تحت غالب کا متداوّل کلام ہے، جو صفحہ ۱۱۹ سے ۲۵۸ تک ہے۔ اس میں بالترتیب ۱۶ قطعات، ایک مثنوی، ۴ قصائد، ۲۳۴ غزلیات اور ۱۶ رباعیات متن میں موجود ہیں، جن کے کل اشعار کی تعداد ۱۸۰۲ ہے۔''شرح غالب'' یا ''غلط نامہ'' کے تحت اس حِصّے میں کوئی شعر حذف یا اضافہ نہیں کروایا گیا۔ حِصّہَ ''نوائے سروش'' کے بارے میں مولانا عرشی لکھتے ہیں:

''یہ حِصّہَ اس کلام پر مشتمل ہے جو میرزا صاحب نے اپنی زندگی میں لکھوا کر اور چھپوا کر تقسیم کیا تھا اور جو عام طور پر دیوانِ غالب کے نام سے متداوّل اور مشہور ہے۔''(دیباچہ،ص: ۷۲)

تیسرے حِصّے ''یادگارِ نالہ'' کا متن صفحہ ۲۶۰ سے ۳۱۴ تک ہے اس میں اصناف کی ترتیب اور تعداد یہ ہے: ۱۴ قطعات، ۳ مثنویات، ۴ قصائد، ۲ مرثیہ وسلام، ۳ سہرے، ایک مخمس، ۶۱ غزلیات اور ۵ رباعیات ہیں۔ اس حِصّے کے متن میں موجود کلام کی مجموعی تعداد ۶۷۳ اشعار اور ۹ فرد مصرعے ہیں اور ''شرح غالب'' و''غلط نامہ'' کے حذف و اضافے کے مطابق ۶۶۹ اشعار اور ۹ فرد مصرعے ہیں۔'' یادگارِ نالہ'' کے تحت آنے والے منتشر کلام کے بارے میں مولانا عرشی لکھتے ہیں:

''اس جزو میں وہ کلام رکھا گیا ہے، جو دیوانِ غالب کے کسی نسخے کے

متن میں تو نہ تھا، لیکن بعض نسخوں کے حاشیوں یا خاتمے میں، یا میرزا صاحب کے خطوں کے اندر، یا اُن کے نام سے دوسروں کی بیاضوں میں پایا گیا تھا اور وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل میں چھپ کر اہلِ ذوق تک پہنچ چکا تھا۔''(دیباچہ،ص:۴۳)

نسخۂ عرشی کے مذکورہ ہر حصّے میں مندرج کلام کے مآخذ کی نشاندہی ہر صفحے کے حاشیے میں علامات کے ذریعے کر دی گئی ہے۔صفحات کے نمبر شمار بھی شروع سے آخر تک اسی زیریں حاشیے (پاورقی) میں دیے گئے ہیں۔تمام ہندسے خواہ تواریخ و سِنین کے ہیں خواہ صفحات و تعدادِ اشعار وغیرہ کے، فارسی رسم الخط میں دیے گئے ہیں۔سہولت اور آسانی کے لیے ہر ورق ب کے بالائی حاشیے پر متعلقہ حِصّۂ نثر یا متن کا عنوان درج ہے اور اس کے بالمقابل دوسرے ورق ا پر صنفِ کلام یا قسم نثر کا نام ہے۔کلامِ غالب کے اندراج کی یہ صورت رہی ہے کہ ایک شعر ایک سطر میں آتا چلا گیا ہے، ایک مصرعے کے بالمقابل اس شعر کا دوسرا مصرع ،بعض طویل بحر والی غزلوں میں ایک سطر میں ایک مصرع ہی آیا ہے۔نسخۂ عرشی کا ہر حِصّۂ شروع ہونے سے پہلے اور ہر حصّے میں ہر صنفِ کلام شروع ہونے سے پہلے صفحے کی پیشانی پر''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''ضرور تحریر کیا گیا ہے۔

نسخۂ عرشی میں کلام پر مشتمل تینوں حصوں کے بعد صفحہ ۳۱۵ سے''شرح غالب'' کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو صفحہ ۳۹۷ تک پھیلا ہوا ہے۔اس کی وضاحت مولانا عرشی دیباچے میں اس طرح کرتے ہیں:

''اس عنوان کے تحت اشعار کی وہ تمام تشریحیں جمع کی گئی ہیں، جو میرزا صاحب نے احباب کے استفسار پر تحریر کی تھیں۔نیز اُن کے خطوں کے وہ حصّے بھی اسی زمرے میں شامل کر لیے گئے ہیں، جن میں اُنہوں نے اپنا کوئی شعر استشہاداً لکھا تھا۔

میرزا صاحب کا مطالعہ شعروسخن بھی بہت وسیع تھا۔اُنہوں نے دانستہ اور نادانستہ دونوں طرح پچھلے ایرانی و ہندوستانی اساتذہ کے بہت سے مضامین اپنے یہاں نظم کیے تھے۔کچھ مضامین شعری اُنہیں اس درجہ پسند تھے کہ اُنہیں بار بار مختلف پیرایوں میں باندھتے تھے۔میں نے

عنوان شرح کے تحت ایسے تمام متحد المضمون فارسی و اُردو اشعار بھی درج
کر دیے ہیں، کیونکہ ان شعروں سے میرزا صاحب کے اشعار کا مطلب
سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے اور اُن کا فنی مرتبہ متعین کرنا بھی آسان ہو جاتا
ہے۔
ہاں، شرح میں میرزا صاحب کا اُردو شعر نقل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے
صفحے وغیرہ کا حوالہ دینے پر اکتفا کر لی گئی ہے''۔(دیباچہ،ص:۱۱۶)

''شرحِ غالب'' کے تحت، مولانا عرشی کے بیان کردہ ان مندرجات کے علاوہ، انھوں نے اس حصّے سے حواشی کا کام بھی لیا ہے۔نسخۂ عرشی میں استعمال ہونے والی کچھ علامات کی وضاحت بھی موقع بہ موقع کی گئی ہے اور اس میں اپنائی جانے والی املا اور رسم الخط (املا اور رسم الخ کی کچھ وضاحت دیباچے میں صفحہ ۱۱۷ پر بھی کی ہے) کی بھی جگہ جگہ وضاحت کی گئی ہے۔اس کے علاوہ غالب کے خطوط یا دوسری کتبِ تواریخ و رسائل وغیرہ کے ذریعے سے، متعدد غزلوں اور اشعار کے سنِ تخلیق کا بھی تعین کیا گیا ہے نیز نسخۂ عرشی کے طبع شدہ متن میں سے (بعد کی تحقیق کے مطابق) کچھ اشعار قلم زد کر دینے، کچھ کا اضافہ کر لینے اور کچھ کی ترتیب بدل دینے کی ہدایات بھی کی ہیں۔''شرح غالب'' الگ الگ تینوں حِصّوں، بالترتیب ''گنجینۂ معنی''، ''نوائے سروش'' اور'' یادگارِ نالہ'' کے مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔

اس حصّے کے بعد صفحہ ۳۹۹ سے ۴۷۲ تک ''اختلافِ نسخ'' ہیں جو بالترتیب، ''گنجینۂ معنی''، ''نوائے سروش'' اور ''یادگارِ نالہ'' کے متن کا احاطہ کرتے ہیں۔دیباچے میں اس حصّے کے بارے میں مولانا عرشی فرماتے ہیں:

''دوسری تمام کتابوں کی طرح دیوانِ غالب کے سب نسخوں کا متن بھی
یکساں نہیں ہے۔ ان میں کتابت کی غلطیاں بھی ہیں اور خود میرزا
صاحب کی ترمیمیں اور اصلاحیں بھی۔ اختلافِ نسخ کا یہ آخری حِصّہ
شاعر کی دماغی رفتار کے تمام نقوش و آثار پر مشتمل ہونے کے باعث
خصوصی توجہ کا مستحق تھا، اس لیے نسخۂ بھوپال سے شروع کر کے انتخابِ
غالب اُردو کے مسوّدے تک ہر اصلاح کو ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش
کی گئی ہے''۔(دیباچہ،ص:۷۴)

اس ''اختلافِ نسخ'' کے تحت ، مختلف نسخوں میں ، مختلف الفاظ یا مصرعوں کے اختلاف کی نشاندہی کے علاوہ ، حواشی ہی کے انداز میں ایسی وضاحتیں بھی موجود ہیں کہ ایک غزل کے اشعار کن کن مختلف نسخوں میں ہیں اور وہاں اُن کی کیا ترتیب رہی ہے، نیز نسخۂ عرشی میں اپنائی گئی املا اور رسم الخط (علاوہ دیباچہ اور شرح غالب) کے بارے میں بھی کہیں کہیں وضاحت کی گئی ہے۔ ان اختلافِ نسخ کے اندراج کے لیے ہر صفحے پر دو کالم بنائے گئے ہیں۔ صفحہ ۴۷۳ سے ۴۷۴ تک ''فہرست اشعار'' دی گئی ہے جس کے بارے میں دیباچے میں یہ وضاحت ملتی ہے:

> '' فہرست اشعار میں دیوان کی تمام مستقل چھوٹی بڑی نظموں کا پتا اُن کے پہلے شعر کے ذریعے سے دیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب حروف تہجی پر رکھی گئی ہے ، مگر بنائے ترتیب ردیف کا آخری حرف ہے اور اشتراک دور کرنے کی خاطر اُلٹی چال چلی گئی ہے۔ ردیفیں مفرد اور مرکب دونوں طرح کی ہوتی ہیں۔ میں نے مفرد پہلے اور مرکب پیچھے رکھی ہیں اور مشترک ردیفوں کی صورت میں تقسیم وتمیز کی بنا قافیوں پر رکھی ہے اور اُن کے اشتراک کی حالت میں بھی اُلٹی چال چلا ہوں۔
> ترتیب ردیف وقوافی کے وقت بھ پھ وغیرہ مخلوط التلفظ حرفوں کو مرکب تسلیم کر کے اُنہیں ردیف ھائے ہوز میں داخل کیا ہے۔ لہٰذا ''سمجھ'' اور '' نپوچھ'' جیسی ردیفوں کو ردیف ھا میں تلاش فرمایا جائے۔'' (دیباچہ، ص: ۱۱۶۔ ۱۱۷)

یہ '' فہرست اشعار'' نسخۂ عرشی کے تینوں حِصّوں '' گنجینۂ معنیٰ'' ، اور '' نوائے سروش'' اور '' یادگارِ نالہ'' کی الگ الگ فہرست نہیں ہے بلکہ تینوں حِصّوں کے مشترک کلام پر محیط ہے یعنی حروف تہجی کے لحاظ سے تینوں حِصّوں میں موجود ، ہر صنف کے کلام کی ردیف وار نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اس کا اندراج بھی ہر صفحے پر دو کالم میں ہوا ہے۔

سب سے آخر میں صفحہ ۴۸۵ سے ۵۰۲ تک ، نسخۂ عرشی کا اشاریہ ہے جو '' اشخاص وغیرہ'' ، '' مقامات وغیرہ'' اور '' کتب و رسائل'' پر مشتمل ہے۔ مولانا عرشی اس اشاریے کی ترتیب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان تین اشاریوں میں سے:

''پہلا اشخاص، اقوام اور فرقوں کا ہے، دوسرا مقامات کو ظاہر کرتا ہے اور تیسرے میں کتب و رسائل مذکور ہوے ہیں۔ ان تینوں میں بنائے ترتیب ہر لفظ کا پہلا حرف ہے۔ اشخاص کے ذیل میں خرشید و ماہ وغیرہ جیسے ناموں کو داخل نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ یہ اعلام نہیں ہیں، ورنہ ہر زبان میں یکساں ہوتے۔ البتہ ایسے اسمائے صفت کو اس زمرے میں جگہ دیدی ہے جو کثرت استعمال کے سبب سے کسی شخص یا جماعت کے نام کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، جیسے آل عبا، آل نبی وغیرہ۔

میرزا صاحب نے بعض شعروں میں شاہ ظفر کا نام نہیں لیا ہے، بلکہ اُنہیں حضور یا حضور والا یا بادشاہ جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ میں نے ایسے لفظوں کو اشاریے میں شامل کر لینا اس لیے مناسب جانا ہے کہ اس ذریعے سے ممدوح کی تشخیص و تعین میں مدد مل جاتی ہے اور اشاریے کا دیکھنے والا بیک نظر یہ پتہ چلا سکتا ہے کہ دیوان میں ظفر کا ذکر کہاں کہاں ہے۔ اشخاص یا مقامات کی نسبتوں کا ذکر بھی اسی مصلحت سے کر دیا گیا ہے، مگر اُنہیں مستقل جگہ کے عوض منسوب الیہ کی ذیلی جگہ دی گئی ہے۔'' (دیباچہ، ص:۱۱۷)

یہ تینوں اشاریے (اشخاص، مقامات، کتب و رسائل) ''گنجینۂ معنی'' (صفحۂ متن:۱) سے لے کر ''شرح غالب'' کے آخری صفحہ ۳۹۷ تک کے مندرجات کا احاطہ کرتے ہیں یعنی شروع کا دیباچہ (ص:۱ ۔ ۱۲۰) اور آخری حِصّہ ''اختلافِ نسخ'' (ص: ۳۹۹ ۔ ۴۷۶) ان اشاریوں کے دائرۂ کار سے باہر ہیں۔

نسخۂ عرشی کے تمام مندرجات اور اس کے کل صفحات (۶۳۲) سے الگ تین صفحات پر مشتمل ''غلط نامہ'' ہے جسے بعد میں مرتّب اور طبع کرکے اس میں رکھ دیا گیا ہے گویا اسے جلد بندی کے بعد شامل کیا گیا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل میں چار تصاویر بھی شامل ہیں دو غالب کی اور دو دیوان کے قلمی نسخوں (نسخۂ شیرانی اور نسخۂ رام پور جدید) کے ایک ایک صفحے کی، ان کے بارے میں بھی دیباچے میں مولانا عرشی نے وضاحت کر دی ہے۔

بار بار کی اشعار شماری کے مطابق نسخۂ عرشی طبع اوّل (۱۹۵۸ء) کے متن میں اشعار کی مجموعی تعداد، ۴۱۳۲ ،شعر اور ۹ فرد مصرعے بنتی ہے۔ جبکہ ’’شرح غالب‘‘ اور ’’غلط نامہ‘‘ کے حذف و اضافے کے مطابق ۴۱۳۷ اشعار اور ۹ فرد مصرعے مجموعی تعداد ہے۔

مولانا عرشی نے ،غزلیات میں یا دیگر اصناف میں ، اگر کسی ردیف کا صرف ایک شعر یا ایک مصرع دیا ہے،تو اسے بھی الگ نمبر سے ظاہر کیا ہے۔ ’’شرح غالب‘‘ کے تحت انھوں نے کچھ اشعار کو حذف کر دینے اور کچھ کا اضافہ کر لینے کے لیے کہا ہے۔ کچھ غزلیات یا اشعار کی ترتیب بدل دینے کے لیے بھی کہا ہے۔ دو ترامیم غلط نامے میں بھی بتائی ہیں۔ ’’شرح غالب‘‘ اور ’’غلط نامہ‘‘ میں بتائے گئے حذف و اضافات پر عمل کیے بغیر، اس ایڈیشن کے متن میں شامل ، تینوں حِصّوں میں منقسم کلام غالب کی تعدادِ اصناف اور تعداد اشعار کی تفصیل ذیل کے گوشوارے میں پیش کی جاتی ہے۔ (حذف و اضافہ پر عمل کر لینے کے بعد کے نتائج اس گوشوارے کے بعد درج کیے جائیں گے) ’’شرح غالب‘‘ اور ’’غلط نامہ‘‘ میں کلام کے حذف و اضافے کے علاوہ ،جن غزلیات یا اشعار کی ترتیب (ردیف کے لحاظ سے) بدل دینے کا کہا گیا ہے۔ ذیل کے گوشوارے میں اس پر عمل کر لیا ہے کہ اس طرح ہر ردیف کے اشعار اور غزلیات کی تعداد اس ردیف کے تحت (بالمقابل) آ جائے گی اور کوئی ابہام نہ رہے گا۔ نیز گوشوارے میں نسخۂ عرشی کے تینوں حِصّوں کی الگ الگ نمائندگی کی ہے اور ان میں موجود اصناف کی ترتیب کو بھی برقرار رکھا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن میں موجود کلامِ غالب کا گوشوارہ

حِصّۂ اوّل: گنجینۂ معنی

قصائد: ۳ | تعداد اشعار: ۱۴۴

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف:	تعدادغزلیات:	تعداد اشعار:
ا	۵۵	۲۹۰
ب	۲	۱۳
ت	۳	۱۸

ردیف:	تعدادغزلیات:	تعداداشعار:
ث	۲	۱۴
ج	۲	۱۲
چ	۳	۱۷
ح	۱	۵
د	۵	۳۲
ر	۷	۳۴
ز	۸	۴۶
س	۴	۱۷
ش	۲	۱۲
ع	۱	۵
غ	۲	۱۲
ف	۲	۱۲
ک	۳	۹
گ	۱	۷
ل	۶	۳۶
م	۵	۳۱
ن	۲۸	۱۲۶[۱۷]
و	۷	۵۰[۱۸]
ہ	۸	۵۳
ی	۱۱۱	۶۱۰[۱۹]

کل غزلیات: ۲۶۸ غزلیات کے کل اشعار: ۱۵۰۱

رباعیات: ۶ تعداد اشعار: ۱۲

’’گنجینۂ معنی‘‘ میں اصناف اور اشعار کی کل میزان: ۳ قصائد: ۱۴۴+ ۲۶۸ غزلیات:۱۵۰۱+۶

رباعیات:۱۲= ۱۶۵۷

حِصّۂ دوم: نوائے سروش

قطعات:	۱۶	تعداد اشعار:	۱۱۵
مثنوی ۲۰ ـۂ:	۱	// :	۳۳
قصائد:	۴	// :	۱۶۲

غزلیات کا گوشوارہ: ردیف:	تعداد غزلیات:	تعداد اشعار:
ا	۴۸	۳۰۵
ب	۱	۱۲
ت	۴	۱۹
ج	۲	۴
چ	۱	۶
د	۱	۹
ر	۹	۶۹
ز	۵	۲۳
س	۱	۷
ش	۱	۲
ع	۲	۸
ردیف:	تعداد غزلیات:	تعداد اشعار:
ف	۱	۲
ک	۲	۱۵
گ	۱	۲
ل	۱	۹

م	۳	۸
ن	۳۳	۲۲۵
و	۱۱	۸۱
ہ	۲	۳
ی	۱۰۵	۶۵۱

کل غزلیات: ۲۳۴ غزلیات کے کل اشعار: ۱۴۶۰

رباعیات: ۱۶ تعداد اشعار: ۳۲

''نوائے سروش'' میں اصناف اور اشعار کی کل میزان:

اصناف:	تعداد اشعار:
قطعات: ۱۶	۱۱۵
مثنوی: ۱	۳۳
قصائد: ۴	۱۶۲
غزلیات: ۲۳۴	۱۴۶۰
رباعیات: ۱۶	۳۲

کل میزان: ۱۸۰۲

حِصّہ سوم: یادگارِ نالہ

اصناف:		تعداد اشعار:
قطعات:	۱۴	۷۷
مثنویات:	۳	۱۸۰
قصائد:	۴	۱۱۰
مرثیہ و سلام:	۲	۳۰
سہرے:	۳	۱۶
مخمس:	۱	۲۷ شعر ایک مصرع (۱۱ بند)

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف:	تعداد غزلیات:	تعداد اشعار:
ا	۷	۱۳ شعر ایک مصرع
ب	۲	۲
ر	۲	۲
س	۱	۱
ط	۱	۱
غ	۱	۵
ک	۲	۱۲
ل	۱	۱
ن	۱۰	۳۹ شعر، ۴ فرد مصرعے
و	۶	۲۴
ہ	۲	۲۰ شعر ایک مصرع
ی	۳۲	۱۰۵ شعر ایک مصرع

کل غزلیات: ۶۱ غزلیات کے کل اشعار: ۲۲۵ شعر

اور

۷ فرد مصرعے

رباعیات: ۵ تعداد اشعار: ۸ شعر، ایک مصرع

یادگارِ نالہ میں اصناف اور اشعار کی کل میزان:

اصناف:		تعداد اشعار:
قطعات:	۱۴	۷۷
مثنویات:	۳	۱۸۰
قصائد:	۴	۱۱۰
مرثیہ و سلام:	۲	۳۰

سہرے:	۳	۱۶
مخمس: ۱		۲۷ شعر ایک مصرع (۱۱ بند)
غزلیات:	۶۱	۲۲۵ شعر، ۷ فرد مصرعے
رباعیات: ۵		۸ شعر، ایک مصرع

کل میزان: ۶۷۳ شعر اور ۹ فرد مصرعے

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن کا کل میزان

حِصّہ اوّل: گنجینۂ معنی : ۱۶۵۷ اشعار

حِصّہ دوّم: نوائے سروش: ۱۸۰۲ اشعار

حِصّہ سوّم: یادگارِ نالہ : ۶۷۳ اشعار، ۹ فرد مصرعے

کل میزان : ۴۱۳۲ اشعار اور ۹ فرد مصرعے

اس گوشوارے کے مطابق ، نسخۂ عرشی طبع اوّل کے تینوں حِصّوں کے متن میں موجود اشعار کی کل تعداد ۴۱۳۲ اور ۹ فرد مصرعے بنتی ہے لیکن یہ اس ایڈیشن کے اشعار کی واقعی تعداد نہیں ہے جو مرّتب کی منشا اور تحقیق کے مطابق ہو۔ مولانا عرشی نے اس کے آخری حصّے '' شرحِ غالب'' اور پھر'' غلط نامہ'' میں کچھ اشعار، اس موجود متن میں سے حذف کروائے اور کچھ کا اضافہ کروایا۔ یہ حذف و اضافے صرف'' گنجینۂ معنی'' اور'' یادگارِ نالہ'' کے متن میں کروائے'' نوائے سروش'' کسی بھی ترمیم سے خالی ہے۔

'' شرحِ غالب'' اور'' غلط نامہ'' کے تحت متن میں کروائے جانے والے حذف و اضافے کو دیکھا جائے تو مولانا عرشی نے'' گنجینۂ معنی'' میں سے ۲ شعر اور'' یادگارِ نالہ'' میں سے ۹ اشعار کی مکمل غزل حذف کروائی۔ اضافوں میں'' گنجینۂ معنی'' کے تحت ۱۱ شعر اور'' یادگارِ نالہ'' کے تحت ۵ شعر اضافہ کروائے۔ اس طرح مولانا عرشی نے ان دونوں حِصّوں میں سے ۱۱ شعر حذف کروائے اور ۱۶ شعروں کا اضافہ کروایا۔ لہٰذا نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن میں تو ۴۱۳۲ اشعار اور ۹ فرد مصرعے ہیں لیکن مولانا عرشی کے کروائے گئے حذف و اضافے کے مطابق نسخۂ عرشی طبع اوّل کے اشعار کی واقعی تعداد جو مرتّب کے منشا اور تحقیق کے مطابق ہے ۴۱۳۷ اشعار اور ۹ فرد مصرعے بنتی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے مندرجات کے اس تفصیلی تعارف کے بعد، اس کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں، مولانا عرشی نے جو طریقۂ کار اختیار کیا یا جو بنیادی مآخذ استعمال کیے، اُن کا تعارف پیشِ خدمت ہے نیز مولانا عرشی کی اختیار کردہ علامات، املا و رسم الخط کی تفصیل بھی پیش کی جاتی ہے۔ یہ تفصیل اس لیے بھی ضروری ہے کہ خصوصاً علامات، املا اور رسم الخط کے بارے میں، مولانا عرشی نے کسی ایک جگہ مکمل وضاحت نہیں فرمائی بلکہ یہ باتیں ''دیباچہ''، ''شرح غالب'' اور ''اختلافِ نسخ'' وغیرہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ایسی معلومات کے اس پھیلاؤ کی وجہ سے نسخۂ عرشی کے بارے میں کچھ غلط تعبیرات بھی ہو چکی ہیں (جن کا جائزہ آئندہ ابواب میں لیا جائے گا) اس لیے ایسی معلومات کو یک جا کر کے پیش کرنے سے، مولانا عرشی کے اختیار کردہ طریقہ ہائے کار اور معیارات کی مکمل وضاحت ہو جائے گی، جس سے نسخۂ عرشی کے مطالعے میں سہولت ہوگی اور کوئی غلط تعبیر کر بیٹھنے سے بچا جا سکے گا یا اس کے بارے میں بعض غلط تعبیرات کا جائزہ لینے میں بھی آسانی ہوگی۔

نسخۂ عرشی کے حِصّۂ ''نوائے سروش'' میں موجود، متداوّل کلامِ غالب کی اصناف کی ترتیب، دیوانِ غالب کے تمام نسخوں سے مختلف ہے کیونکہ مولانا عرشی نے اس میں اصناف کی ترتیب نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) کے مطابق رکھی ہے۔ یہ نسخۂ اور اس پر مبنی، معاصر دیوانِ غالب طبع پنجم (۱۸۶۳ء) ہی دو ایسے نسخے ہیں جو ترتیب اصناف کے لحاظ سے دوسرے تمام نسخوں سے مختلف ہیں۔ مولانا عرشی نے ''نوائے سروش'' کی ترتیبِ اصناف کے سلسلے میں چونکہ نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) کو بنیاد بنایا ہے اس لیے باقی دو حِصّوں ''گنجینۂ معنی'' اور ''یادگارِ نالہ'' کی ترتیب بھی اسی مناسبت سے نسخۂ رام پور جدید کے مطابق کر دی ہے۔ دیوانِ غالب کے دوسرے نسخوں اور نسخۂ رام پور جدید کی ترتیب اصناف میں کیا فرق ہے اور مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی کی ترتیب میں اسے بنیاد کیوں بنایا۔ اس کی وضاحت وہ دیباچے میں یوں کرتے ہیں:

> ''دیوانِ غالب کے تمام نسخوں میں مختلف اصنافِ شعر کی ترتیب یہ تھی:
> دیباچہ، غزلیات، قصائد، مثنوی، قطعات، رباعیات، تقریظ، یہ ترتیب، سنتِ سلف ہی کے خلاف نہیں، نسخۂ رام پور سے بھی مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ جو دیوان کا آخری مستند ایڈیشن ہے۔ اس لیے میں نے اپنے

نسخے کے تینوں حِصّوں کی ترتیب نسخۂ رام پور کے انداز پر یہ رکھی ہے:
دیباچہ، قطعات، مثنوی، قصائد، غزلیات، رباعیات، تقریظ۔''
(دیباچہ، ص: ۷۳)

نسخۂ عرشی میں اصناف کی اس ترتیب کے علاوہ اس کے تینوں حِصّوں میں موجود کلام غالب کو تاریخی ترتیب سے پیش کرتے ہوئے، مولانا عرشی نے جو طریقۂ کار اختیار کیا اس کے بارے میں دیباچے میں وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر حصّے کے اصناف کو جدا گانہ تاریخ وار مرتّب کیا ہے اور جہاں تک غزلوں کا تعلق ہے، ہر ردیف کی غزلوں کو الگ حِصّہ قرار دے کر اُنہیں تاریخی حیثیت سے آگے پیچھے رکھا ہے۔ میرزا صاحب نے نسخۂ بھوپال کے متن کی اکثر غزلوں میں ۱۲۳۷ھ کے بعد نئے شعر بڑھائے تھے۔ ان اشعار کو مذکورہ غزلوں سے جدا کر کے اُن کی تاریخی جگہ پر رکھنے کی جرأت نہیں کی، کہ اس طرح غزلوں کے ٹکڑے نوالے ہو جاتے۔''(دیباچہ، ص: ۷۳)

''اختلافِ نسخ'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''نوائے سروش'' کے متن کی بنیاد، بڑی حد تک نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) پر ہی رکھی گئی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر مولانا عرشی نے تینوں حِصّوں میں غالب کی آخری اصلاح کو پیش کیا ہے اور کسی ایک متن کی من وعن پیروی اور پابندی کی بجائے، بہترین متن پیش کرنے کی کوشش کی، نسخۂ عرشی کے متن کے بارے میں، مولانا عرشی لکھتے ہیں:

''جہاں تک اس کے متن کا تعلق ہے، اس میں غالب کی آخری اصلاح پیش کی گئی ہے اور باقی ترمیموں کو اختلافِ نسخ میں جگہ دی ہے۔ لیکن کہیں کہیں کسی خاص وجہ سے اس کے خلاف بھی عمل میں آیا ہے۔ مثلاً گنجینۂ معنی کی بنیاد نسخۂ شیرانی کو ہونا چاہیے تھا جو ۱۲۳۷ھ کے بعد کی اصلاحوں پر مبنی ہے مگر اس نسخے کا عکس گنجینے کے چھپ جانے کے بعد دستیاب ہوا، اس لیے متعدد جگہ متن نسخۂ بھوپال کا رہا اور اختلافِ نسخ میں نسخۂ شیرانی کے الفاظ مندرج ہوئے۔''

(دیباچہ،ص: ۷۴)

نسخۂ عرشی کے مآخذ یا کتابیات کی فہرست بہت طویل ہے جسے مولانا عرشی نے الگ سے مرتّب کر کے شامل نہیں کیا لیکن شروع سے لے کر آخر تک بیسیوں کتب و رسائل استعمال ہوئے ہیں جن میں سے بعض کے مکمل حوالے دیے ہیں بعض کے نہیں دیے گئے۔ دیوانِ غالب کے جو قلمی یا مطبوعہ نسخے، نسخۂ عرشی کے بنیادی مآخذ بنے، اُن کی تفصیلی کیفیت اور اہمیت مولانا عرشی نے دیباچے میں بیان کر دی ہے۔ نسخۂ عرشی کی ترتیب کے وقت، دیوانِ غالب کے جو قلمی یا مطبوعہ نسخے مولانا عرشی کے پیشِ نظر رہے نسخۂ عرشی میں اُن کے لیے وضع کی گئی علامات کی مجمل فہرست مولانا عرشی نے دیباچے کے صفحہ ۱۱۵ اور ۱۱۶ پر درج کر دی ہے۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل کے چودہ بنیادی مآخذ یہ ہیں:

نمبر شمار	نام نسخہ	علامت	تقریبی تاریخ ترتیب یا طباعت
۱	نسخۂ بھوپال	ق	۱۲۳۷ھ = ۱۸۲۱ء
۲	نسخۂ شیرانی	قا	۱۲۴۲ھ = ۱۸۲۶ء
۳	گلِ رعنا	گل	۱۲۴۵ھ = ۱۸۲۹ء
۴	نسخۂ رامپور	قب	۱۲۴۸ھ = ۱۸۳۳ء
۵	پہلا مطبوعہ ایڈیشن	م	۱۲۵۷ھ = ۱۸۴۱ء
۶	دوسرا مطبوعہ ایڈیشن	ما	۱۲۶۳ھ = ۱۸۴۷ء
۷	نسخۂ لاہور	قج	۱۲۶۸ھ = ۱۸۵۲ء
۸	نسخۂ رامپور جدید	قد	۱۲۷۱ھ = ۱۸۵۵ء
۹	تیسرا مطبوعہ ایڈیشن	مب	۱۲۷۸ھ = ۱۸۶۱ء
۱۰	چوتھا مطبوعہ ایڈیشن	مج	۱۲۷۸ھ = ۱۸۶۲ء
۱۱	پانچواں مطبوعہ ایڈیشن	مد	۱۲۸۰ھ = ۱۸۶۳ء
۱۲	انتخابِ غالب	انتخاب	۱۲۸۳ھ = ۱۸۶۶ء

۱۳	نسخۂ حمیدیہ	ح	۱۳۴۷ھ = ۲۳ء۱۹۲۸ے (درست: ۱۹۲۱ء)
۱۴	لطیف ایڈیشن	لطیف	۱۳۴۷ھ = ۱۹۲۸ء

مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی میں روشِ املا اور کتابت و طباعت کے لحاظ سے دو اصول اپنائے ہیں ایک تو موجودہ اور مروج اصول اور دوسرا غالب کی پسندیدہ املا کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ نسخۂ عرشی کے املا اور رسم الخط کے بارے میں انھوں نے کچھ وضاحت دیباچے میں کی ہے۔ پھر ''شرح غالب'' کے تحت بھی غالب کے پسندیدہ املا کے لحاظ سے کچھ الفاظ کا تعین کیا ہے نیز ''اختلافِ نسخ'' درج کرتے ہوئے بھی کچھ ایسی وضاحتیں آ گئی ہیں۔ اس طرح نسخۂ عرشی میں، مختلف الفاظ کے املا اور رسم الخط کے بارے میں یہ وضاحتیں جگہ جگہ بکھری پڑی ہیں جنھیں ذیل میں یک جا کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا عرشی اس سلسلے میں، دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''اس نسخے کی کتابت میں موجودہ اصول اور میرزا صاحب کی پسندیدگی دونوں کا لحاظ کیا گیا ہے، چنانچہ آپ یاے معروف و مجہول اور ھاے مخلوط بھی پائیں گے اور فارسی لفظوں میں ''ذ'' کی جگہ ''ز'' اور ''خورشید'' کے بجاے ''خرشید'' بھی دیکھیں گے۔ بعض لفظوں کو اُنھوں نے دو طرح لکھا تھا، مثلاً 'جائے' ہے اور 'جاے' ہے، ان جیسی صورتوں میں وہ شکل اختیار کی گئی ہے جو موجودہ بول چال کے بھی مطابق ہے اور اُن کی آخری تحریر کے بھی موافق تھی۔
>
> میرزا صاحب کے زمانے میں بلکہ اُن کے بہت بعد تک 'اس' اور 'اُدھر' وغیرہ الفاظ کو بقاعدۂ اعراب بالحروف 'اوس' اور 'اودھر' لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے بھی اس کا التزام رکھا تھا۔ میں نے واو گرا کر اُس کی جگہ پیش کا التزام کیا ہے۔ لہٰذا جس الف کو آپ مضموم نہ پائیں، اُسے یہ سمجھیں کہ میرزا صاحب نے اسے بے واو کے ہی لکھا تھا۔----- یہ کوشش بھی رہی ہے کہ مرکبات اضافی و توصیفی میں ہمزہ یا زیر ضرور استعمال کیا جائے، الا یہ کہ حرف 'ی' بطور علامت موجود ہو، کیوں کہ اس

صورت میں ’ ی‘ پر ہمزہ لکھنا بھی غلط ہے اور زیر لگانا بھی ، ورنہ تکرار علامت کی غلطی سرزد ہو جائے گی۔‘‘

(دیباچہ،ص:۱۱۷۔۱۱۸)

دیباچے ہی میں آگے چل کر نسخۂ عرشی میں استعمال ہونے والی علاماتِ وقف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

’’اس نسخے میں وقف کی کئی عام علامتیں استعمال کی ہیں، مگر ان میں سے کامے کو حدِّ افراط تک برتا گیا ہے۔ غالب جیسے تعقید پسند استاد کے کلام کا مطلب سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ایسا کرنا ناگزیر تھا‘‘۔

(دیباچہ،ص:۱۱۹)

ان رموز و اوقاف کے علاوہ ،نسخۂ عرشی طبع اوّل میں کسی حد تک اعراب نگاری کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ دیباچے کے علاوہ، ’’شرح غالب‘‘ اور ’’اختلافِ نسخ‘‘ کے تحت جہاں جہاں الفاظ اور حروف کے املا وغیرہ کا تعین کیا گیا ہے، ذیل میں ان الفاظ اور حروف کو متعلقہ حِصّوں کے حوالے کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:

نشۂ: ’’مرزا صاحب کے اپنے نسخوں میں ’’نشّہ‘‘ بشین مشدّد ملتا ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر تو تشدید خود میرزا صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ آج کل اُردو میں ’’نشۂ‘‘ لکھنے کو پسند کیا جاتا ہے۔ اس ابتدائی کچھ ورقوں کو چھوڑ کر ، میں نے بھی ’’نشۂ‘‘ ہی لکھا ہے‘‘۔(شرح غالب،ص:۳۱٦)

گویا اس لفظ ’’نشۂ‘‘ کے سلسلے میں مولانا عرشی نے غالب کے املا کی پیروی نہیں کی بلکہ مروج املا کو اپنایا ہے۔

خرشید: ’’خرشید‘‘ کا املا ’’خورشید‘‘ مشہور ہے۔مگر میرزا صاحب نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ اس لفظ کو تنہا ’’خور‘‘ اور بحالتِ ترکیب ’’خرشید‘‘ لکھنا اچھا سمجھتے ہیں (عود : ۸۸،خطوط:۱ : ۲۸۸) ۔ مجھے بھی یہ تفریق پسند ہے، اس لیے ہر جگہ اسی رسم خط کا التزام کیا گیا ہے‘‘۔(شرح غالب،ص:۳۱۷)

گویا اس لفظ کے بارے میں ، نسخۂ عرشی میں مروّج املا سے ہٹ کر غالب کی پیروی کی گئی ہے۔

غلتیدن: غالب فارسی لفظ میں عربی حرف ''ط'' نہیں لکھتے۔ مولانا عرشی اس لفظ کا اختلافِ نسخ درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''فارسی لفظ میں خالص عربی حرف کا استعمال غالب کے ادبی عقیدے کے خلاف تھا، اس لیے ہر جگہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ متن اُن کی رائے کے موافق ہو''۔(اختلاف نسخ، کالم: ۲، ص: ۴۲۲)

غرض ، نسخۂ عرشی میں صرف لفظ ''غلتیدن'' ہی نہیں دیگر فارسی الفاظ میں بھی، مولانا عرشی نے غالب کے ادبی عقیدے کا لحاظ کرتے ہوئے کسی عربی حرف کا استعمال نہیں کیا۔

یاں، واں: ''یاں'' میرزا صاحب کے تمام نسخوں میں ''یھاں'' بہائے مخلوط ہے............لیکن انتخابِ غالب کے شعر (۹-۲۳۹-۱) .... میں کاتب نے ''وہاں'' لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اپنے قلم سے تصحیح کی اور اسے ''واں'' بنایا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آخر عمر میں وہ اس لفظ کو بغیر ھائے مخلوط بولنے لگے تھے۔ ''یھاں'' کی حیثیت بالکل ''وھاں'' کی ہے اس لیے میں نے ان دونوں لفظوں کو بغیر ھائے مخلوط کے لکھا ہے۔ اس طرح یہ موجودہ تلفّظ و املا کے بھی مطابق ہو جاتے ہیں''۔ (شرح غالب، ص: ۳۱۸)

ہ اور ی: ''دیوان کے نسخوں میں ''ہ'' پر ختم ہونے والے الفاظ بحالتِ تحریف کبھی ''ی'' سے اور کبھی ''ہ'' سے لکھے گئے ہیں۔ خود غالب کے اپنے قلم کی تحریریں بھی مختلف ہیں۔ میں نے آج کل کے قاعدے کے مطابق ہر جگہ ''ی'' سے لکھا ہے اور جہاں کوئی نسخہ اس رواج کے خلاف تھا، وہاں اختلافِ نسخ میں اُس کا حوالہ دے دیا ہے''۔(اختلافِ نسخ، کالم: ۱، ص: ۴۱۷)

ذ اور ز: ''غالب کا ادبی عقیدہ تھا کہ ذال فارسی حرف نہیں ہے۔ اسی لیے وہ سب فارسی لفظوں کو ''ز'' سے لکھتے تھے۔ میں نے بھی ہر فارسی لفظ میں اُن کا اتباع کیا ہے''۔
(اختلافِ نسخ، کالم: ۱، ص ۴۲۴)

نسخۂ عرشی میں کلامِ غالب کے سلسلے میں اپنائے گئے مذکورہ املا اور رسم الخط کے علاوہ ، دیباچے اور دیگر نثروں میں خود مولانا عرشی نے جو رسم الخط اپنایا ہے اس میں اکثر اوقات ، وہ یائے مجہول کی جگہ یائے معروف لکھتے ہیں۔ مثلاً ''بنای ترتیب''، ''ھای ھوز''،

''ھای مخلوط''، ''یای معروف'' وغیرہ۔ اسی طرح یائے مجہول کا جہاں استعمال ہوا ہے، کہیں تو اس پر ہمزہ لگایا ہے اور کہیں بغیر ہمزہ کے لکھا ہے۔ بعض جگہ ہائے مخلوط کی جگہ ہائے مختفی لکھتے ہیں۔ مثلاً رکھا کو ''رکہا''، ''کھائے کو'' ''کہائے'' وغیرہ۔ اس کے علاوہ مولانا عرشی نے اپنی عبارتوں میں لفظوں کو ملا کر لکھنے کی روش کو بھی کثرت سے اپنایا ہے چنانچہ بہ اور نہ کو اگلے لفظ سے ملا دیتے ہیں۔ اسی طرح اندنوں (ان دنوں)، کیواسطے (کے واسطے)، کہکر (کہہ کر)، پہنچکر (پہنچ کر)، قدیمترین (قدیم ترین)، اسدرجہ (اس درجہ)، رہجاتا (رہ جاتا) وغیرہ جیسے الفاظ ملا کر لکھے ہوئے ہیں۔

نسخۂ عرشی کی طباعت نسخ ٹائپ کے بہت جلی حروف میں ہوئی۔ پروف بھی بہت توجہ سے دیکھے گئے لیکن اتنے وسیع کام میں طباعت یا پروف کی غلطیوں کا رہ جانا فطری بات تھی۔ ٹائپ کی طباعت میں اکثر لفظوں کے نقطے لگنے سے رہ جاتے ہیں۔ کچھ الفاظ یا ہندسوں کے پہلے شوشے ظاہر نہیں ہو پاتے۔ نسخۂ عرشی میں بھی یہ صورت رہی ہے کہ بر، پر، تر وغیرہ کے پہلے شوشے یا نقطے ظاہر نہیں ہو سکے، بعض ہندسوں میں ۳، ۲ بن گیا اور ۲، ایک۔ ایسی غلطیوں میں بعض سے تو بیک نظر درست کی جا سکتی ہیں لیکن بعض ایسی ہیں کہ الفاظ بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں یا اُن کا مفہوم الٹ ہو جاتا ہے۔ مولانا عرشی نے تین صفحے کا ''غلط نامہ'' مرتّب کر کے اس میں شامل کر دیا تھا۔ ڈاکٹر گیان چند نے بھی اپنا مضمون ''نسخۂ عرشی طبع ثانی[۴۴] کے لیے کچھ معروضات'' لکھتے ہوئے، طباعت کی چند غلطیاں بھی ہیں جن کی نشاندہی کی (انھوں نے ''غلط نامہ'' میں درست کر دی جانے والی دو غلطیوں کو بھی دہرا دیا ہے) اس کے باوجود اس میں رہ جانے والی طباعت کی کچھ مزید غلطیوں کی نشاندہی نسخہ عرشی کے ''غلط نامہ'' ہی کے انداز پر ذیل میں کی جاتی ہیں۔

ان میں سے بعض کی درستی تو نسخۂ عرشی طبع اوّل ہی کی عبارتوں سے کی ہے اور بعض کے سلسلے میں طبع ثانی سے مدد لی ہے۔ ذیل کی اغلاطِ طباعت میں نسخۂ عرشی کے ''غلط نامہ'' اور ڈاکٹر گیان چند کی نشان زد غلطیوں کو شامل نہیں کیا گیا یہ ان دونوں کے علاوہ ہیں۔

اغلاطِ طباعت، نسخۂ عرشی طبع اوّل (علاوہ ''غلط نامہ'')

دیباچہ

صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	درست
			۱۹:۳۴	النرام	التزام

ح:۵	تخلص ۱۲	تخلص ۱۳	۱:۳۶	بیت	بیت
۱۰:۵	مارے میں	بارے میں	۷:۳۶	نہیں	نہیں
۱۳:۵	یہیں	نہیں	۷:۳۷	تاریخ	تاریخ
۷:۶	زرجمہر	بزرجمہر	۲۰:۳۷	دبوانے	دیوانے
۱۲:۶	ژیت	تربیت	۱۰:۳۸	شیوزاین	شیونراین
۱۲:۶	َپہچانے		۶:۳۹	اگرمیر	اگر نیّر
۱۷:۶	ھا	تھا	۲:۴۰	بچپن میں	بچپن سے
۱۲:۱۲	معلقات	متعلقات	۱۷:۴۱	ئے رنگ	نئے رنگ
۱۶:۱۳	ابتدا	ابتدأء	۱۷:۴۱	طرزیں	طرزیں
۱۵:۱۹	۱۱۳۷ھ	۱۲۳۷ھ	۱۹:۴۱	اخر	اختر
۵:۲۰	متوحہ	متوجہ	۱:۴۴	ھی	یہی
۱۷:۲۰	مزل	منزل	۱۰:۴۴	سراج الدین	سراج الدین
۲:۲۱	ھی	بھی	۴:۴۸	۱۲۶۴ء	۱۲۶۴ھ
۱۱:۲۱	ثانی	ثانی	۱۹:۵۱	میر	میں
۲۲:۲۱	آراد	آزاد	۱۸:۵۳	پہچاتے	پہچانتے
۱۵:۲۵	بعد	بعد	۱۶:۵۷	کا آپ	آپ کا
۱۷:۲۶	بہت	بہت	۱۸:۵۷	ہنگامہ پا	ہنگامہ بپا
۱۲:۲۷	کرنے	کرتے	۲۱:۶۲	چاہے	چاہیے
۱:۲۸	شاعر	شاعِر	۱۴:۶۳	تفر	تنفر
۱:۲۹	شاسائی	شناسائی	۹:۶۴	نواب حنت	نواب جنّت

صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۲:۶۷	بطربق	بطریق	۱۵:۱۹۰	مبں	میں
۱۸:۶۷	۲۱ ستبر	۲۱ ستمبر	۱۱:۱۹۱	یعوب	یعقوب
۱۲:۷۲	۱۸۴۳ء	۱۸۳۳ء	۱۱:۲۴۹	ھی	بھی

۲۰:۷۵	۱۸۳۲ء	۱۸۳۳ء	۲:۳۰۵	ریخہ	ریختہ
۱۰:۷۷	شعررں	شعروں		**شرح غالب و دیگر**	
۲۲:۷۹	حاشے	حاشیے	۹:۳۱۷و۱۰	ملاحظہ ہو گنجیہ و	ملاحظہ ہو گنجینۂ معنی
				معنی	
۵:۸۳	آغار	آغاز		غزلیات، ۹۳:۷،غزلیات، ۷۴:۶و۱۱	
۱۰:۸۵	مشتلات	مشتملات		۵:۹۴،۶:۱۱۶، ۱۳:۵۶،	
۱۵:۱۰۱	شہبے	شبہے		۱:۱۶۱، ۷۵:۴و۱۰،	
				۵:۱۶۳،	
۱۲:۱۰۷	شیوزاین	شیونزاین		۸:۲۱۴۔	۵:۸۴،۹:۹۳۔
۱۲:۱۰۷	مدفت	معرفت	۱۵:۳۲۱	یادمیں	یادمیں
۶:۱۰۹	ذرمے	ذریعے	۱۵:۳۲۴	توتو میں	تو میں
۲۰:۱۱۴	صفحۂ ۱۷	صفحۂ ۱۷	۱۵:۳۲۵	کھی ۲۱ کھی	کبھی ۲۱ کبھی
۱۳:۱۱۹	واقعی تصویر	دوسری تصویر	۱۴:۳۲۵	مطاق	مطابق
۱۵:۱۱۹	چھاپا تھا	چھاپی تھی	۱۹:۳۲۵	(۷:۱۲۷)	(۴:۱۲۷)
۲۱:۱۱۹	سرگاش	سرگباش	۱۳:۳۲۶	تیجہ	نتیجہ
			۱۹:۳۲۶	(یادگا:۱۷۱)	(یادگار:۱۷۱)
گنجینۂ معنی، نوائے سروش، یادگارِ نالہ			۲۲:۳۲۶	ھیں	ہیں
۳:۱۴	بِاریک	بارِیک	۲۲:۳۲۸	بہارعجم	بہارِعجم
۷:۸۱	زلس	زبس	۹:۳۲۹	پنھانا	پہنانا
۱۵:۸۱	ساماںِ یک	سامانِ یک	۱۹:۳۲۹	(عود:۱۶۱)	(عود:۱۲۱)
۱۲:۱۰۱	حلقۂ گردابِ	حلقۂ گردابِ	۳:۲۳۰	(عود:۱۶۱)	(عود:۱۲۱)
۷:۱۰۲	خموشِ	خموش	۶:۳۳۰	(۴:۱۴۵)	(۳:۱۴۵)
۴:۱۰۶	واماندگی	واماندگی	۲:۳۳۱	بیدل	بیدل
۱۵:۱۵۹	ژے	ترے	۲:۳۳۱	دیوان بیدل	دیوانِ بیدل

۱۰:۱۸۳	نہس	نہیں	۱۶:۳۳۰	خر	خبر
۶:۳۴۰	ان میں کا	ان میں دوسرا	۱۶:۳۶۹	نمر	نمبر
		دوسرا			
۱۶:۳۴۱	ان میں کا پہلا	ان میں پہلا	۸:۳۸۹	عزیز	عزیز
۲:۳۴۳	ہم ے	ہم نے	۲۰:۳۹۲	پاسبانی	پاسبانی
۸:۳۴۴	بہم	بہم	۳:۳۹۳	مرزااحسام الدین	مرزا حسّام الدین
۱۸:۳۴۷	ھائی	بھائی	۱۷:۳۹۳	برطاوس	پرِطاؤس
۲۰:۳۴۸	طیار کر کے	تیّار کر کے	۲:۳۹۵	دسمبر ارر	دسمبر اور
۲:۳۵۴	مہینا ھر	مہینا بھر	۴۲۹:کالم:۲،سطر:۷	یادبھی	یاد ہیں
۱۱:۳۵۵	ملاحظہ	ملاحظہ ہو	۴۸۱:کالم:۱،سطر ۱۱	۸:۲۲۳،۳۳۰:۸:۲۱۴	
۲:۳۵۶	سونچا ہوں	سونچتا ہوں	۴۹۵:کالم:۱،سطر ۱۳	مالاما	مولانا
۷:۳۶۸	محروح	مجروح	۵۰۲:کالم:۱،سطر ۱۵	لطائف غیي	لطائفِ غیبی

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کی اس پہلی اشاعت کے بعد، مولانا عرشی کو اس سلسلے کے کچھ اور نوادر بھی ملے جسے وہ نسخۂ عرشی کی ذاتی کاپی پر نوٹ کرتے رہے۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے اہل نظر کی تحقیق و تلاش سے بھی غالب کا کچھ غیر مطبوعہ کلام رسائل وغیرہ میں شائع ہوا۔ ۱۹۶۳ء تک، ان مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والے منتشر کلام کو اکبر علی خاں عرشی زادہ نے ''ضمیمہ نسخۂ عرشی'' کے عنوان سے رسالہ نقوش (لاہور) کے نومبر ۱۹۶۴ء کے شمارے میں شائع کیا۔ عرشی زادہ اس ضمیمے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''خود جناب عرشی صاحب کو بھی نسخۂ عرشی کی اشاعت کے بعد چند نوادر ملے، جن کا ترتیب کے وقت پتا نہیں چل سکا تھا۔ نیز دوسرے اہلِ نظر کی توجہ سے بھی غالب کے اشعار ادھر اُدھر اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔ چونکہ دیوانِ غالب کے نسخۂ عرشی کی حیثیت ایک حوالے کی کتاب کی ہے اور لوگ اسی کی طرف اکثر و بیشتر رجوع کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے یہ مناسب جانا کہ ایسے سارے منتشر و پریشان اشعار کو جو

نسخۂ عرشی سے خارج ہیں یک جا کر دوں اور نسخۂ عرشی کی اہمیت ہی کے پیشِ نظر یہ جرأت بھی کی کہ اس تدوین و ترتیب کو ''ضمیمۂ نسخۂ عرشی کے عنوان سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں............

یہاں میں نے بکھرے ہوئے اشعار کے ساتھ وہ اشعار بھی شریک کر لیے ہیں جو عرشی صاحب کو ترتیبِ نسخۂ عرشی کے بعد دریافت ہوئے تھے اور جو موصوف نے اپنی ذاتی کاپی پر (نسخۂ عرشی کی) اضافہ کر لیے تھے، کیونکہ بجز اُس صورت کے یہ اشعار اہل ذوق تک نسخۂ عرشی کی اشاعت ثانی سے پہلے نہیں پہنچ سکتے تھے''۔ [۲۵]

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے حِصّہ ''شرح غالب'' اور ''غلط نامہ'' میں بھی مولانا عرشی نے کچھ کلام کے حذف و اضافے کے لیے کہا تھا۔ یہاں ''ضمیمہ نسخۂ عرشی'' میں بھی طبع اوّل کی نسبت کچھ مزید کلام سامنے آیا ہے نیز اس ضمیمے کے بعد ''بیاضِ غالب بخطِ غالب'' یا ''نسخۂ عرشی زادہ'' کے ذریعے بھی غالب کا غیر مطبوعہ کلام منظرِ عام پر آیا۔ لہٰذا اس نوع کے تمام اضافوں کا تفصیلی تذکرہ، اگلے صفحات میں نسخۂ عرشی طبع ثانی کے حذف و اضافات کے تحت کیا جائے گا۔ چونکہ ''ضمیمۂ نسخۂ عرشی'' کو نسخۂ طبع اوّل سے نسبت ہے اور یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس لیے اس کا یہاں ذکر کر دیا گیا ہے۔

۞

دیوانِ غالب اُردو نسخہء عرشی پہلی بار ۱۹۵۸ء میں، انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) علی گڑھ سے شائع ہوا۔ دوسرے ایڈیشن کی ترتیب و تدوین اور طباعت، مولانا عرشی کی زندگی میں ۱۹۷۱ء تک مکمل ہو چکی تھی لیکن اس کی اشاعت، مولانا عرشی کے انتقال (۲۵-فروری ۱۹۸۱ء) کے بعد ۱۹۸۲ء میں ہوئی۔ گویا طبع اوّل کی اشاعت کے ۲۴ برس بعد یہ دوسرا ایڈیشن انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے شائع ہوا۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل میں، مولانا عرشی نے کچھ مشکوک کلام بھی شامل کرلیا مگر دیباچے میں اپنے شک کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ طبع ثانی کی ترتیب و تدوین کے وقت ایسا مشتبہ کلام بھی اُن کی نظر میں تھا اور مزید مآخذ کے مل جانے سے، نیا کلام بھی شامل کرنا اُن کے پیشِ نظر

تھا۔ لہٰذا نسخۂ عرشی طبع ثانی کو استناد کا درجہ دینے کے لیے اُنہوں نے اس پر دیدہ ریزی کا کام طبع اوّل کی اشاعت کے فوراً بعد ہی شروع کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں دیگر اہلِ علم سے بھی انھوں نے برابر رابطہ رکھا اور نسخۂ عرشی طبع ثانی کو بہتر سے بہتر بنانے میں مصروف رہے۔ طبع ثانی کی ترتیب و تدوین کے مختلف مراحل کی یہ داستان بھی اُن کے خطوط میں بکھری پڑی ہے جو دلچسپ بھی ہے اور پُراز معلومات بھی اور اس کے ذریعے سے نسخۂ عرشی طبع ثانی کی ترتیب و تدوین کے بارے میں کچھ غلط تعبیرات [۲۶] اور منسوبات کی بھی تردید ہوتی ہے۔

یہاں ذیل میں نسخۂ عرشی طبع ثانی کی ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت کے بارے میں، مولانا عرشی کے خطوط اور نسخۂ عرشی طبع ثانی کے مندرجات جیسے خارجی اور داخلی شواہد پیشِ خدمت ہیں جن کے ذریعے سے اس دوسرے ایڈیشن کی ترتیب و طباعت کے مراحل اور مدارج بھی سامنے آتے ہیں اور اس کی ترتیب کے غلط انتسابات کی بھی تردید ہو سکے گی۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل، فروری ۱۹۵۹ء میں ابھی جلد بندی کے مراحل میں تھا گویا طباعت مکمل ہو چکی تھی اور اب اس میں اضافہ ممکن نہیں تھا۔ اس دوران میں نسخۂ بدایوں (۱۸۳۸ء) کے مل جانے پر، اس میں شامل دو نئے شعروں کو ''غلط نامہ'' میں اضافہ کروایا۔ اس کے بعد بھی مولانا عرشی کو دیوانِ غالب کے مزید مخطوطات کے مل جانے کی توقع تھی اور وہ اس جستجو میں بھی تھے۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ کو اپنے ایک خط میں ۲۲-فروری ۱۹۵۹ء کو لکھتے ہیں:

> ''میں نے دیوانِ غالب کی ترتیب و تصحیح میں اس کا التزام کیا تھا کہ ان کے عہد کے نسخوں کے ماسوا کوئی اور مخطوطہ یا مطبوعہ استعمال نہیں کروں گا تو ۶ مخطوطے اور ۵ مطبوعہ نسخے میسّر آ گئے اس کے بعد مزید مطبوعہ ایڈیشنوں کے ملنے کی توقع نہیں رہی ہے۔ لیکن قلمی نسخے باقی ہیں اور بہت ممکن ہے کہ دو چار برس میں مجھے یا دیگر اہلِ ذوق کو مل بھی جائیں۔ جیسے حال ہی میں بدایوں سے ایک مخطوطہ ملا اور اس کے ذریعے غالب کے کلام کی تاریخی ترتیب سے متعلق کچھ نئی باتیں سامنے آئیں نیز دو نئے شعر مل جانے کی وجہ سے ایک مقطع کے مفہوم کا ایک نیا گوشہ ہاتھ آیا''۔ [۲۷]

دیوانِ غالب کے مزید مخطوطات مل جانے کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی اور مولانا عرشی کی آرزو برآئی، چنانچہ اسی برس کچھ مزید مخطوطات کے مل جانے کی وجہ سے، طبع ثانی کی ترتیب وتدوین میں ان سے استفادہ کرنے کے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے، مولانا عرشی، ذکیہ جیلانی کو ۸-مئی ۱۹۵۹ء کو لکھتے ہیں:

''دیوانِ غالب کی اشاعت کے بعد دو تین اور ایسے مخطوطے علم میں آئے ہیں جو حیاتِ غالب کے ہیں۔ بشرطِ حیات اگلے ایڈیشن کی تیاری میں ان سے بھی کام لوں گا''۔ ۲۸ ؎

اگلے چند برسوں میں مولانا عرشی نے ان مخطوطات سے کام لیا اور نسخۂ عرشی طبع اوّل کی اپنی ذاتی کاپی پر جگہ جگہ ترمیم وتنسیخ فرماتے اور اسے طبع ثانی کے لیے تیار کرتے رہے۔ اسی دوران میں نادم سیتا پوری ''غالب کے کلام میں الحاقی عناصر'' کے موضوع پر کتاب مرتّب کر رہے تھے۔ انھوں نے مولانا عرشی سے معاونت چاہی اور اُن سے نسخۂ عرشی کی ذاتی کاپی طلب کی جس پر مولانا عرشی اپنے قلم سے ترمیم واضافہ کر رہے تھے۔ مولانا عرشی نے انھیں وہ ذاتی نسخہ بھیجا اور اس سے استفادے کے طریقۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے ۲۴-جولائی ۱۹۶۴ء کو لکھا:

''اب آپ کسی شعر کو قلم زد پائیں تو اس کا مطلب یہ قرار دیں کہ میں اس شعر کو مستقل لکھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس میں ترمیم کر کے غالب نے دوسری شکل قرار دے لی ہے جو ''نوائے سروش'' میں موجود ہے۔ لہٰذا اس قدیم شکل کو اختلاف نسخ میں تحریر کیا جائے گا۔
چنانچہ ایسے شعر ''گنجینۂ معنی'' میں چھپ گئے جنہیں مستقل جگہ دینا نہ چاہیے تھی۔ اب جو نیا ایڈیشن میں تیار کر رہا ہوں اس میں یہ ترمیم کی جا رہی ہے''۔ ۲۹ ؎

نادم سیتاپوری نے نسخۂ عرشی طبع اوّل کی اس کاپی سے، جو مولانا عرشی کی ذاتی تھی اور وہ اس میں ترامیم و اضافے کر رہے تھے، بھرپور استفادہ کیا اور اس کا اعتراف اپنی اس کتاب کے دیباچے میں ان الفاظ میں کیا:

''مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری کا میں سب سے زیادہ سپاس گزار

ہوں جنھوں نے .... مجھے اپنا وہ خاص نسخۂ دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) بھی بھیج دیا جو نئے ایڈیشن کے لیے زیرِ تصحیح ہے اور اس پر مولانا اپنے قلم سے جا بجا ترمیم و تنسیخ فرما رہے ہیں''۔ ۳۰؎

مولانا عرشی کے اب تک متفرق مطبوعہ خطوط میں سے، سیّد قدرت نقوی کے نام جتنے خط ہیں نسخۂ عرشی طبع ثانی کا سب سے زیادہ ذکر ان میں آیا ہے۔ سیّد قدرت نقوی کو بھی نسخۂ عرشی کے مندرجات سے دلچسپی تھی۔ کچھ باتوں کو وہ محلِ نظر سمجھتے تھے اور کچھ نئے اشعار بھی مولانا عرشی کو بھیجتے رہے۔ مولانا عرشی جواب میں اس طبع ثانی کی ترتیب و تدوین اور طباعت کے بارے میں اُنھیں تحریر کرتے رہے۔ ان خطوط سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ نسخۂ عرشی طبع ثانی کی نہ صرف ترتیب و تدوین خود مولانا عرشی نے کی بلکہ اس کی طباعت بھی اپنی نگرانی میں مکمل کروائی۔ مولانا عرشی، قدرت نقوی کو ۲۳-اپریل ۱۹۶۶ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''دیوانِ غالب کا دوسرا ایڈیشن تیار کر رہا ہوں۔ آپ اپنی تجاویز بہ تفصیل لکھ بھیجیے اور جو کوتاہیاں نظر میں آئی ہوں وہ بھی ایک ایک کر کے بتایئے تاکہ نقشِ ثانی اسمِ بامسمّٰی ہو جائے''۔ ۳۱؎

قدرت نقوی نے دو غزلیں بھجوائیں اور کچھ مشاہدات تحریر کیے لیکن مزید لکھنے کے لیے نسخۂ عرشی کی ایک کاپی کا تقاضا کیا تو اس کے جواب میں مولانا عرشی ۲۳-مئی ۱۹۶۶ء کو لکھتے ہیں:

''میں آج کل دیوان کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری میں لگا ہوا ہوں۔ میرے پاس صرف ایک ہی نسخہ ہے جس پر کام جاری ہے ورنہ ضرور بھیج دیتا۔ آپ نے جو کچھ پہلے تحریر کیا تھا۔ وہ میں نے نوٹ کر لیا تھا۔ اب بھی جو باتیں آپ کی نظر میں آئیں وہ مجھے لکھتے رہیے''۔ ۳۲؎

اس حسنِ طلب پر قدرت نقوی نے مزید ایک نیا شعر ڈھونڈ نکالا اور مولانا عرشی کی خدمت میں ارسال کر دیا جواب میں ۱۹-جون ۱۹۶۶ء کو مولانا عرشی لکھتے ہیں:

''........... جو شعر آپ نے درج کیا ہے .... میں اسے درج کتاب کر رہا ہوں۔ .... اب بھی یہ مسئلہ دھیان میں رکھیے گا اور مجھے وقتاً

فوقتاً معلومات سے خبر دار کرتے رہیے گا''۔ ۳۳؎

اس دوران میں مولانا عرشی کی طلب دیکھ کر اور ان کی خوشنودی کے لیے قدرت نقوی نے نسخۂ عرشی طبع اوّل کے بارے میں اپنے تمام مشاہدات، اُنھیں بھیجنے کے لیے، اپنی ایک بیاض میں نوٹ کر لیے۔ قدرت نقوی چونکہ اس بیاض کا ذکر اپنے خط میں کر چکے تھے۔ اس لیے مولانا عرشی ۱۲-ستمبر ۱۹۶۷ء کو اُنھیں لکھتے ہیں:

''کارڈ ملا۔ اس میں غالب کے بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے، وہ میں نے نوٹ کر لیا۔ دیوان کا دوسرا ایڈیشن زیرِ طبع ہے۔ تقریباً ۱۶ صفحے چھپ بھی گئے ہیں آپ اپنی بیاض فوراً ارسال فرما دیجئے، تاکہ دورانِ طباعت میں اس سے فائدہ اٹھا لوں، ورنہ استدراک کا دُم چھلّا لگانا پڑے گا جو بجز بے حد مجبوری کے اچھا نہیں لگتا''۔ ۳۴؎

مولانا عرشی کے اس خط سے، نسخۂ عرشی طبع ثانی کی طباعت کے آغاز کا تعین ہوتا ہے کہ ستمبر ۱۹۶۷ء میں مولانا عرشی نے اس کی طباعت شروع کروا دی تھی۔ ان کے تقاضے پر قدرت نقوی نے اپنی بیاض ارسالِ خدمت کر دی جس کے جواب میں مولانا عرشی، ۱۷-اکتوبر ۱۹۶۷ء کے خط میں لکھتے:

''بیاض پڑھ لی اور اس سے استفادہ بھی کر لیا۔ سوٴ اتفاق سے ''گنجینۂ معنی'' کا بڑا حِصّہ طبع ہو چکا تھا۔ اس لیے بعض کوتاہیوں کی تلافی استدراک میں ہو سکے گی''۔ ۳۵؎

قدرت نقوی کے نام ان خطوط کے علاوہ، اس سے اگلے ہی برس، مولانا عرشی اپنے کرم فرما اور ہم دمِ دیرینہ سیّد حامد حسن جیلانی کو ۲-اپریل ۱۹۶۸ء کے خط میں بھی نسخۂ عرشی طبع ثانی کی طباعت اور اس پر دیدہ ریزی کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) کا دوسرا ایڈیشن زیرِ طباعت ہے۔ اس پر بھی دیدہ ریزی کرنا پڑتی ہے''۔ ۳۶؎

اس سلسلے کی ایک اور معتبر شہادت بھی ملاحظہ ہو۔ مالک رام نے گلِ رعنا کے قلمی نسخے کو مرتب کر کے، مئی ۱۹۷۰ء میں شائع کیا۔ اس کے مقدمے کے آخر میں، ۱۵ فروری ۱۹۷۰ء کی تاریخ درج ہے۔ مالک رام مقدمے میں لکھتے ہیں:

''نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن زیرِ طبع ہے، بلکہ اس کا متن کا ملاً چھپ چکا ہے۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی نے میری درخواست پر یہ حِصّہ میرے دیکھنے کو بھیج دیا جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں''۔ ۳

مندرجہ بالا تمام شواہد سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ نسخۂ عرشی طبع ثانی کی ترتیب و تدوین، خود مولانا عرشی ہی نے مکمل کی اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں کوئی دوسرا ان کے اس کام میں شریک نہیں نیز اس کی طباعت بھی خود مولانا عرشی نے اپنی نگرانی میں مکمل کروائی۔

اب ضمناً نسخۂ عرشی طبع ثانی کے داخلی شواہد کے ذریعے سے اس کی طباعت کی تکمیل کا تعین کیا جاتا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے متن کا آخری حِصّہ ''بادآورد'' ہے۔ جس کے تحت آنے والا غیر مطبوعہ کلام وہ ہے جو بیاضِ غالب بخطِ غالب (۱۸۱۶ء) پر مبنی ''نسخۂ عرشی زادہ'' میں آیا ہے۔ مولانا عرشی اس کی طباعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس حِصّے میں نسخۂ عرشی زادہ کے ذریعے سے دریافت شدہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ اس نسخے کا پتا ایسے وقت چلا کہ نسخۂ عرشی کا متن طبع ہو چکا تھا۔ صرف ایک آدھ جزو چھپنے سے باقی رہ گیا تھا۔ اس لیے اسے آخر میں شامل کرنا ممکن ہو سکا''۔

(نسخۂ عرشی، طبع ثانی، مقدمہ، ص: ۷۶)

یہ ''ایک آدھ جزو'' یادگارِ نالہ کا تھا جو طبع ہونا باقی تھا۔ اس لحاظ سے نسخۂ عرشی طبع ثانی کی طباعت کو دیکھا جائے تو بیاضِ غالب کا مخطوطہ، اپریل ۱۹۶۹ء میں دریافت ہونے کی بجائے اگر ایک برس پہلے ۱۹۶۸ء میں بھی ظاہر ہو جاتا، تب بھی اس کے غیر مطبوعہ کلام کے لیے چوتھا حِصّہ ''بادآورد'' بنانا پڑتا تھا کیونکہ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اس کلام کو حِصّہ اوّل ''گنجینۂ معنی'' کے تحت آنا تھا جس کی طباعت ۱۹۶۷ء کے آخر تک مکمل ہو چکی تھی (یا پھر گنجینۂ معنی کو دوبارہ مرتّب اور طبع کرنا پڑتا تھا)۔ گویا نسخۂ عرشی طبع ثانی کے پہلے تین حِصّے ۱۹۶۹ء تک طبع ہو چکے تھے۔

حِصّہ ''بادآورد'' ہی کے ذریعے سے مئی ۱۹۶۹ء تک نسخۂ عرشی کے یادگارِ نالہ تک کے

متن کی طباعت مکمل ہو جانے کے بارے میں ایک اور داخلی شہادت یہ بھی ہے کہ غالب کی ایک غزل، دلِ بیتاب کہ سینے میں دمِ چند رہا............ الخ مخمس کی شکل میں نومبر ۱۹۶۴ء کے نقوش میں ''ضمیمہ نسخۂ عرشی'' میں'' باغِ مہر'' اور ہماری زبان کے حوالے سے شائع کی گئی۔ گویا نسخۂ عرشی طبع ثانی میں اسے ''یادگار نالہ'' کے تحت آنا تھا لیکن طبع ثانی کی طباعت ہی کے وقت ۱۹۶۷ء میں، انجمن ترقی اُردو کراچی سے تذکرہ ''گلشنِ ہمیشہ بہار'' کے چھپ جانے پر اور اس میں اس غزل کے موجود ہونے کی وجہ سے اسے میرا مانی اسدؔ کی سمجھ کو ''یادگارِ نالہ'' کے تحت طبع نہ کیا گیا۔ پھر بیاضِ غالب میں اس کے وجود سے یہ شک رفع ہوا اور اسے غالب ہی کا تسلیم کرنا پڑا۔ اب غزلِ مذکور نسخۂ عرشی طبع ثانی کے آخری حِصّہ ''بادآورد'' کے صفحہ ۴۴۶ پر درج ہے۔ ''بادآورد'' میں صرف وہ غیر مطبوعہ کلام ہے جو بیاضِ غالب کے ذریعے سامنے آیا۔ بیاض میں شامل جو بیشتر دوسری غزلیں اور اشعار کسی نہ کسی حوالے سے پہلے سامنے آچکے تھے۔ اُنہیں ''گنجینۂ معنی'' یا ''یادگارِ نالہ'' کے تحت شامل کر لیا گیا۔ لیکن پہلے سے مطبوعہ یہ غزل اس وجہ سے ''بادآورد'' میں شامل ہوئی کہ اس کے کلامِ غالب ثابت ہونے تک ''یادگارِنالہ'' کے متن کی طباعت مکمل ہو چکی تھی۔ کیونکہ بیاضِ غالب کی دریافت (اپریل ۱۹۶۹ء) ہی سے اس کے کلامِ غالب ہونے کی تصدیق ہوئی تھی۔ اگر اس وقت تک ''یادِگارِنالہ'' کی طباعت مکمل نہ ہوئی ہوتی تو اسے وہاں شامل کر لیا جاتا۔ غرض یہ کہ نسخۂ عرشی طبع ثانی کے پہلے حِصّے ''گنجینۂ معنی'' سے لے کر تیسرے حِصّے ''یادگارِنالہ'' تک کے متن کی طباعت، ستمبر ۱۹۶۷ء سے شروع ہو کر مئی ۱۹۶۹ء تک، رامپور میں، مولانا عرشی کی نگرانی میں مکمل ہو چکی تھی اور مقدمے کی طباعت جاری تھی۔

بیاضِ غالب کا مخطوطہ، ۵-اپریل ۱۹۶۹ء کو دریافت ہوا۔ دریافت کے تقریباً ایک ماہ بعد مولانا عرشی کے پاس پہنچا۔ وہ لکھتے ہیں:

> '' یہ ۵-اپریل ۱۹۶۹ء کو بھوپال میں دریافت ہوا اور یکم مئی ۱۹۶۹ء کو مجھے اس کے مطالعے کا موقع ملا''۔ (نسخۂ عرشی طبع ثانی، مقدمہ، ص: ۷۹)

اس کے دریافت ہونے اور مل جانے پر نسخۂ عرشی کے مقدمے کی طباعت روکنا پڑی اور مولانا عرشی اس کے غیر مطبوعہ کلام کی تحقیق و تفتیش میں مصروف ہو گئے۔ لہٰذا اس کے ذریعے سے

پہلی بار سامنے آنے والے غیر مطبوعہ کلام کے تعین کے بعد، مولانا عرشی نے، عرشی زادہ سے نسخۂ عرشی کے لیے ''استدراک'' لکھوائے، جن کی طباعت ۱۹۷۰ء تک مکمل ہو چکی ہو گی۔ اور پھر شروع ۱۹۷۱ء میں مقدمہ بھی طباعت کے مراحل طے کر چکا۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی کے مقدمے کے آخر میں ۲۵-مارچ ۱۹۷۱ء کی تاریخ درج ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی کی ترتیب و تدوین اور طباعت کے بارے میں مندرجہ بالا داخلی اور خارجی شواہد سے یہ طے ہوتا ہے کہ اس دوسرے ایڈیشن کی ترتیب و تدوین اور تصحیح و اضافات خود، مولانا عرشی نے اسی ذوق وشوق، محنت و ریاضت اور جگر کاوی سے انجام دیئے جس طرح پہلے ایڈیشن کے لیے کام کیا تھا اور ان کی دیدہ ریزی کا یہ ''ثمر نورس'' اُن کی نگرانی میں ۱۹۷۱ء تک طباعت کے تمام مراحل بھی طے کر چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود طباعت کے گیارہ برس بعد اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

نسخۂ عرشی کا پہلا ایڈیشن چونکہ انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) علی گڑھ نے شائع کیا تھا اس لیے یہ دوسرا ایڈیشن بھی انجمن ہی شائع کرنا چاہتی تھی اور یہ امر مولانا عرشی کے لیے بھی اطمینان بخش تھا۔ لیکن سوٴ اتفاق سے اسی دوران میں انجمن کا صدر دفتر علی گڑھ سے ختم کر کے دہلی منتقل کر دیا گیا۔ اس عمل سے اراکینِ مجلس تبدیل ہوئے اور نئے اراکین کو بھی انتظام سنبھالنے اور اسے معمول پر لانے میں دیر لگ گئی جس وجہ سے مولانا عرشی کے مرتّبہ نسخۂ عرشی کے طباعت شدہ مسوّدے کی اشاعت میں دیر ہوتی گئی حتیٰ کہ ۲۵-فروری ۱۹۸۱ء کو مولانا عرشی انتقال فرما گئے اور اپنی زندگی میں یہ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی خوشی انھیں نصیب نہ ہو پائی۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اور اب اس کے، مولانا عرشی کی یادگار ہونے کے طور پر، انجمن کو اس کی فوری اشاعت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اس طرح، جولائی ۱۹۸۲ء میں نسخۂ عرشی کا یہ دوسرا ایڈیشن، انجمن کے اس نئے صدر دفتر، نئی دہلی سے شائع ہوا۔ اس کی اشاعت کا پہلا اشتہار ہماری زبان نئی دہلی، جلد:۴۱، شمارہ ۲۵-۲۶، یکم و ۸ جولائی ۱۹۸۲ء کے شمارے میں صفحہ ۲ پر شائع ہوا، جو ذیل کی عبارت پر مشتمل ہے:

''ساہتیہ اکیڈمی کا انعام یافتہ

دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی)

مرتّبہ: مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم

دیوانِ غالب کے اب تک سیکڑوں اڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن مولانا عرشی کے مرتّب کیے ہوئے نسخے کو دیوانِ غالب کا مستندترین اڈیشن تسلیم کیا جاتا ہے۔ مولانا مرحوم نے متنی تنقید کے جدیدترین اصول وقواعد کی روشنی میں دیوانِ غالب کا تنقیدی اڈیشن مرتّب کیا تھا۔ جو پہلی بار ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن چندمہینوں میں نایاب ہوگیا۔ مرحوم نے .... بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے اور بہت زیادہ ترمیم واضافہ کے بعد یہ دوسرا اڈیشن تیار کیا تھا۔ مولانا مرحوم نے اس اڈیشن پر متوسط ۳۸ مقدمہ لکھا ہے اور اس طرح کے حواشی اور تعلیقات لکھے ہیں جو اس سے پہلے کسی اور اڈیشن پر نہیں لکھے گئے۔ انجمن نے یہ اڈیشن ٹائپ کے ذریعے بہت دیدہ زیب شائع کیا ہے۔

صفحات	سائز	قیمت
۷۵۱	۲۰۳۰ x	۹۸/- روپے

۸

انجمن ترقی اردو (ہند) اُردو گھر، راؤز ایونیو، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲''

نسخۂ عرشی طبع ثانی پر سال اشاعت ۱۹۸۲ء درج ہے۔ اس اشتہار کے ذریعے سے مہینے کا بھی تعین ہو جاتا ہے۔ یہ اشتہار ہماری زبان کے کچھ بعد کے شماروں میں بھی آتا رہا لیکن اس کے علاوہ ہماری زبان کے کسی شمارے میں اس دوسرے ایڈیشن پر کوئی مختصر یا طویل تبصرہ شائع نہیں ہوا۔

دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی کا یہ دوسرا ایڈیشن، جو، جولائی ۱۹۸۲ء میں انجمن ترقیٔ اُردو ہند نئی دہلی کے اہتمام سے شائع ہوا، طبع اوّل کی نسبت ضخیم بھی ہے اور مندرجات کے لحاظ سے نہایت اہم بھی۔ خوبصورت دبیز کاغذ کا لیمینیٹڈ گردپوش جس کی زمین سادہ، درمیان میں مربع شکل میں سیاہ زمین پر سفید حرفوں میں ''دیوانِ غالب نسخۂ عرشی مرتّبہ امتیازعلی خاں عرشی'' لکھا ہے جو بہت، اُجلا اُجلا، نمایاں اور بھلا لگ رہا ہے۔ گردپوش کی اس سیاہ لوح کے چاروں اطراف کو زرد رنگ میں تحریر اسم ''غالب'' نے گھیرا ہے۔ جو حاشیے کا کام بھی دے رہا ہے۔ اس کے نیچے اشاعتی ادارے کا نام ہے۔ گردپوش کی پشت پر بھی اسی انداز اور رنگوں میں یہی عبارت انگریزی میں ہے۔ جلد نہایت مضبوط ہے۔ باریک ولایتی کاغذ ہے لیکن زیادہ پرانا نہ ہونے کے باوجود میلا بھی ہو رہا ہے اور خستہ بھی۔ صفحے کے کونے کو ایک بار

موڑ کر دبا دیں تو الگ ہو جاتا ہے۔

اندرونی سرورق کی عبارت کم و بیش وہی ہے جو طبع اوّل میں ہے۔ عنوان کے نیچے ''نقشِ ثانی'' درج ہے اور طبع اوّل کی نسبت مرتّب کے نام کے نیچے سے ''لائبریرین رضا لائبریری رام پور'' حذف ہے۔ اندرونی سرورق کا صفحہ ب، جس پر طباعتی اور اشاعتی کوائف ہونے تھے خالی ہے اور یہ کوائف آخر میں ''صحت نامہ'' کے آخری صفحے پر اس طرح درج ہیں:

''سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اردو (ہند) ۴۹۵

اشاعت اوّل : ۱۹۵۸ء

اشاعت دوم : ۱۹۸۲ء

طباعت: پبلک پرنٹنگ پریس، رام پور (یو پی)

کوائف میں طبع ثانی کی کاپیوں کی تعداد، صفحات کی تعداد، قیمت اور حقوق کا کہیں اندراج نہیں ہے۔ گرد پوش کے پشتے پر عنوان، مرتّب اور ادارے کے نام کے نیچے ''قیمت ۹۸ روپے'' درج ہے۔ ورق ۲ صفحہ ا پر طبع اوّل کے مطابق انتساب ہے۔ انتساب والے اس ورق ۲ صفحہ ب سے ''ترتیبِ مندرجات'' شروع ہوتے ہیں جو تین صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد آل احمد سرور کی ''تقریب'' جو طبع اوّل میں بھی شامل ہے۔ اس پر تاریخ ۱۹۵۸ء ہی درج ہے۔ انجمن کے نئے جنرل سکریٹری کے قلم سے اس نئے ایڈیشن کے لیے کوئی تحریر شامل نہیں ہے۔

''تقریب'' کے بعد صفحات کے نئے نمبر شمار کے تحت صفحہ ایک پر صرف ''مقدمہ'' درج ہے (طبع اوّل میں یہ دیباچہ تھا طبع ثانی میں یہ عنوان ''مقدمہ'' ہے اس لیے آئندہ ہر جگہ اسے مقدمہ ہی لکھا جائے گا) اور صفحہ ۲ سے اس مقدمے کا متن شروع ہوتا ہے جو صفحہ ۱۶۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ طبع اوّل کی نسبت اس مقدمے میں بہت سے اضافے ہوئے۔ طبع اوّل میں دیباچے کے ۲۷ ذیلی عنوانات تھے طبع ثانی کے مقدمے کے ۸۴ ذیلی عنوانات ہیں۔ طبع اوّل میں دیباچے کے ذیلی عنوانات کو متن ہی کی سطروں میں دائیں طرف ٹائپ کے اسی سائز میں درج کر دیا تھا لیکن طبع ثانی میں مقدمے کا ہر ذیلی عنوان، نئی سطر کے درمیان پھول دار قوسین میں ہے اس طرح ظاہری اور صوری خوبی بھی پیدا ہوئی۔ مقدمے کے حواشی اور حوالہ جات صفحہ بہ صفحہ درج ہیں۔ مقدمے کی عبارت کے آخری صفحے پر دائیں جانب ''رام پور رضا لائبریری، رام پور، ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء درج ہے اور اس کے بالمقابل بائیں جانب ''امتیاز علی عرشی''۔

مقدمے کے بعد صفحات کے نئے نمبر شمار کے تحت صفحہ ایک پر متن کے پہلے حصّے ''گنجینۂ معنی'' کا سرورق ہے۔ اس حصّے کا متن صفحہ ۲ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۲۶ پر ختم ہو رہا ہے۔ جس میں ۳ قصائد، ۲۷۸ غزلیات اور ٦ رباعیات ہیں۔

اس طرح اس حصّے میں کل ۱۶۵۸ اشعار ہیں۔ دوسرا حِصّہ ''نوائے سروش'' صفحہ ۱۲۷ سے ۳۴۸ تک ہے جس میں ۱۶ قطعات، ایک مثنوی، ۴ قصائد، ۲۳۴ غزلیات اور ۱۶ رباعیات کے کل ۱۸۰۲ اشعار ہیں۔ تیسرا حِصّہ ''یادگارِ نالہ'' صفحہ ۳۴۹ سے ۴۴۲ تک ہے جس میں ۱۳ قطعات، ۴ مثنویات، ۴ قصائد، ایک مرثیہ، ایک سلام، ۳ سہرے، ایک مخمس، ٦۷ غزلیات اور ۹ رباعیات ہیں اس حصّے میں ان مختلف اصناف کے ۵۹٦ اشعار اور ۱۱ فرد مصرعے ہیں۔ چوتھا اور آخری حِصّہ ''بادآورد'' صفحہ ۴۵۷ پر تمام ہو رہا ہے اور اس میں ۷۴ غزلیات اور ۲ رباعیات کے ۱٦۸ اشعار ہیں۔ (اصناف اور اشعار کی یہ تعداد وہ ہے جو نسخۂ عرشی طبع ثانی کے متن میں موجود ہے) ہر حصّے کا سرورق الگ صفحے پر اور اس کی عبارت بھی طبع اوّل کے مطابق ہے، صرف آخری حصّے ''بادآورد'' کے تحت اس عنوان کی مناسبت سے غالب کا کوئی شعر درج نہیں ہے نہ طبع اوّل کی طرح ان تمام سرورقوں کی عبارت رنگین ہے۔ ان چاروں حِصّوں میں جس قسم کا کلام ہے اور جس ترتیب سے ہے اس میں طبع اوّل کی نسبت کوئی تبدیلی نہیں علاوہ آخری حصّے کے۔ ''بادآورد'' طبع ثانی کا اضافہ ہے اور بیاضِ غالب بخطِ غالب (۱۸۱٦ء) کے غیر مطبوعہ کلام پر مشتمل ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

طبع اوّل کی نسبت ایک اور اضافی خوبی اس دوسرے ایڈیشن کی یہ ہے کہ ہر صفحے پر موجود اشعار کی تعداد کے شمار کے لیے، پانچ شعروں کے فرق سے، نمبر بھی لگا دیے ہیں مثلاً ایک صفحے پر اگر ۲۰ شعر آئے ہیں تو پہلے پانچ شعروں میں سے پانچویں پر نمبر ۵ لکھ دیا ہے پھر اگلے ۵ پر ۱۰، پھر ۱۵ اور پھر آخری پر ۲۰ نمبر درج ہے۔ یہ نمبر ہر ورق ا پر اشعار کی دائیں طرف اور ب پر بائیں طرف سے حاشیے میں شعر کے برابر درج ہیں۔ چند مقامات پر یہ نمبر بے محل بھی لگ گئے اور کہیں درج ہونے سے رہ بھی گئے ہیں۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے متن میں موجود اشعار کی کل تعداد ۴۲۲۴ شعر اور ۱۱ فرد مصرعے ہے۔ اس ایڈیشن کے حِصّۂ ''استدراک'' اور ''صحت نامۂ'' کے تحت کروائے جانے والے ترمیم و اضافات پر عمل کیے بغیر ذیل میں ثانی طبع کے متن کے چاروں حِصّوں میں موجود

اشعار کا گوشوارہ پیش کیا جاتا ہے۔ طبع اوّل کے اشعار کے گوشوارے کی طرح یہاں بھی، اگر کسی ردیف کا صرف ایک شعر یا ایک مصرع ہے اور وہ الگ نمبر سے ظاہر ہے تو اُسے بھی الگ نمبر سے شمار کیا ہے۔ گوشوارہ پیش خدمت ہے:

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے متن میں موجود اشعار کا گوشوارہ

حِصّۂ اوّل : گنجینۂ معنی

قصائد: ۳ تعداد اشعار: ۱۴۳

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف:	تعدادغزلیات:	تعداداشعار:
ا	۵۷	۲۸۵
ب	۲	۱۳
ت	۳	۱۷
ث	۲	۱۴
ج	۲	۱۲
چ	۳	۱۷
ح	۱	۵
د	۵	۳۲
ر	۷	۳۵
ز	۸	۴۶
س	۴	۱۷
ردیف:	تعدادِغزلیات	تعدادِاشعار:
ش	۲	۱۲
ع	۱	۵
غ	۲	۱۲
ف	۲	۱۲

ک	۳	۹
گ	۱	۷
ل	۶	۳۶
م	۵	۳۱
ن	۲۹	۱۶۷
و	۷	۴۷
ہ	۸	۵۳
ی	۱۱۸	۶۱۹

کل غزلیات : ۲۷۸ غزلیات کے کل اشعار : ۱۵۰۳

رباعیات : ۶ تعداد اشعار: ۱۲

گنجینۂ معنی کے اصناف اور اشعار کی تعداد:

۳ قصائد ۱۴۳ اشعار

۲۷۸ غزلیات ۱۵۰۳ "

۶ رباعیات ۱۲ "

کل میزان : ۱۶۵۸

حِصہَ دومّ : نوائے سروش

قطعات : ۱۶ تعداد اشعار: ۱۱۵

مثنوی : ۱ " ۳۳

قصائد: ۴ " ۱۶۲

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف:	تعداد غزلیات:	تعداد اشعار:
ا	۴۸	۳۰۵
ب	۱	۱۲

ت	۴	۱۹
ج	۲	۴
ح	۱	٦
د	۱	۹
ر	۹	٦۹
ز	۵	۲۳
س	۱	۷
ش	۱	۲
ع	۲	۸
ف	۱	۲
ک	۲	۱۵
گ	۱	۲
ل	۱	۹
م	۳	۸
ن	۳۳	۲۲۵
و	۱۱	۸۱
ہ	۲	۳
ی	۱۰۵	٦۵۱

کل غزلیات : ۲۳۴ غزلیات کے کل اشعار : ۱۴٦۰

رباعیات : ۱٦ تعداد اشعار : ۳۲

نوائے سروش میں اصناف اور اشعار کی تعداد :

۱۶ قطعات:	۱۱۵ اشعار
۱ مثنوی:	۳۳ "
۴ قصائد:	۱۶۲ "
۲۳۴ غزلیات:	۱۴۶۰ "
۱۶ رباعیات:	۳۲ "
کل میزان:	۱۸۰۲ "

حِصّہٗ سوّم : یادگارِ نالہ

قطعات :	۱۳	تعدادِ اشعار :	۷۵
مثنویات :	۴	"	۱۸۰
قصائد :	۴	"	۱۱۰
مرثیہ :	۱	"	۹ (تین بند)
سلام :	۱	"	۲۱
سہرے ۳۹ ؁:	۳	"	۱۸
مخمس :	۱	"	۲۷ (گیارہ بند)

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف:	تعداد غزلیات:	تعداد اشعار:
ا	۱۰	۱۰ شعر، ایک مصرع
ب	۳	۲ شعر، ایک مصرع
ر	۲	۲
س	۱	۱
ط	۱	۱
ردیف:	تعداد غزلیات:	تعداد اشعار:
ک	۲	۱۲
ل	۱	۱

م	۱	۱
ن	۱۲	۳۶ شعر، چار فرد مصرعے
و	۷	۲ شعر ، ایک مصرع
ہ	۱	۱۵
ی	۲۶	۵۳ شعر، دو فرد مصرعے

کل غزلیات : ۶۷ غزلیات کے کل اشعار : ۱۴۰ اشعار ۹ فرد مصرعے

رباعیات : ۹ تعداد اشعار: ۱۶ شعر، ایک مصرع

یادگارِ نالہ میں اصناف اور اشعار کی تعداد:

۱۳ قطعات	۷۵ اشعار
۴ مثنویات	۱۸۰ "
۴ قصائد	۱۱۰ "
۱ مرثیہ	۹ "
۱ سلام	۲۱ "
۳ سہرے	۱۸ "
۱ مخمس	۲۷ " ، ایک مصرع
۶۷ غزلیات	۱۴۰ " ، ۹ فرد مصرعے
۹ رباعیات	۱۶ " ایک مصرع
کل میزان :	۵۹۶ اشعار ، ۱۱ مصرعے

حِصّہَ چہارم : بادآورد

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف:	تعداد غزلیات:	تعداد اشعار:
ا	۱۰	۴۳
ج	۱	۱
ر	۲	۷

م	۱	۶
ن	۶	۲۱
و	۱	۵
ہ	۳	۱۴
ی	۲۳	۶۷

کل غزلیات : ۴۷ غزلیات کے کل اشعار : ۱۶۴

رباعیات : ۲ تعداد اشعار : ۴

بادآورد میں اصناف اور اشعار کی تعداد:

۴۷ غزلیات ۱۶۴ اشعار

۲ رباعیات ۴ "

کل میزان : ۱۶۸

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے چاروں حِصّوں کی مجموعی تعداد:

گنجینۂ معنی : ۱۶۵۸ اشعار

نوائے سروش : ۱۸۰۲ "

یادگارِ نالہ : ۵۹۶ " ۱۱ مصرعے

بادآورد : ۱۶۸ "

کل میزان : ۴۲۲۴ اشعار اور ۱۱ مصرعے

مندرجہ بالا گوشوارے کے مطابق ،نسخۂ عرشی طبع ثانی کے چاروں حِصّوں : گنجینۂ معنی ،نوائے سروش ، یادگارِ نالہ اور بادآورد ، کے متن میں آنے والے غالب کے اُردو اشعار کی مجموعی تعداد ۴۲۲۴ اشعار اور ۱۱ مختلف مصرعے ہے۔لیکن اس ایڈیشن کے اشعار کی یہ واقعی تعداد نہیں ہے کیونکہ طبع اوّل کی طرح اس ایڈیشن کے ''استدراک'' اور پھر ''صحت نامہ'' کے تحت بھی کچھ اشعار کو حذف کرنے اور ایک کا اضافہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی میں ''استدراک اور'' صحت نامہ'' کے مطابق ''گنجینۂ معنی'' میں سے دو اشعار ، ''یادگارِ نالہ'' میں سے پانچ اشعار اور چار مصرعوں کی نامکمل غزل اور ''بادآورد'' میں

سے ایک شعر کو حذف کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اضافوں میں ''گنجینۂ معنی'' کے تحت صرف ایک شعر کا اضافہ کروایا ہے۔ اس طرح دیکھیں تو طبع ثانی کے مطبوعہ متن میں سے ۸ اشعار اور چار فرد مصرعے حذف کروائے اور ایک شعر کا اضافہ کروایا ہے۔ لہٰذا ''استدراک'' اور ''صحت نامہ'' کے حذف و اضافہ پر عمل کر لینے کے بعد طبع ثانی کے اشعار کی واقعی تعداد، جو مرتّب کی تحقیق اور منشا کے مطابق ہے، ۴۲۱۷ اشعار اور ۷ مصرعے بنتی ہے۔ ان میں سے بھی ''یادگارِ نالہ'' کی غزلیات میں سے ۲۰ اشعار اور چار مصرعوں کو مولانا عرشی نے مشتبہ قرار دے کر یہ لکھا ہے:

> ''اس حصے میں وہ اشعار بھی ہیں ....جنہیں میں کلامِ غالب ماننے کو اس وقت تک آمادہ نہیں جب تک کوئی مستند شہادت نہ مل جائے، چاہے اپنے انداز کے اعتبار سے وہ مستند اشعار سے کتنے ہی ملتے جلتے کیوں نہ ہوں۔ مثلاً اس حصے کے نمبر ۷، ۸، ۱۰، ۲۴، ۳۲، ۳۳، ۳۸، ۵۳، ۵۵-۵۷ اور ۵۹ ۴۰ کے کلامِ غالب ہونے میں مجھے شک ہے''۔
> (نسخۂ عرشی طبع ثانی، مقدمہ: ص: ۷۵-۷۶)

نسخۂ عرشی طبع اوّل میں متن کے آخری حِصّہ ''یادگارِ نالہ'' کے بعد ''شرحِ غالب'' اور پھر ''اختلافِ نسخ'' تھے لیکن طبع ثانی میں سہولت کے لیے ان دونوں حصوں کو ہر متعلقہ صفحے پر درج کر دیا ہے۔ ان کی صورت یہ رہی ہے کہ ہر صفحے پر متن کے بعد ایک خط کھینچ کر خفی ٹائپ میں اختلافِ نسخ ہیں اور پھر ان کے نیچے خط کھینچ کر متن ہی کے سائز میں حواشی درج ہیں۔ اختلافِ نسخ اور حواشی کو اس طرح صفحہ بہ صفحہ درج کرنے سے طبع اوّل کی نسبت سہولت ہو گئی اور ٹائپ کے سائز میں اس فرق سے متن، اختلاف اور حواشی، الگ الگ طور پر نمایاں بھی ہو گئے ہیں۔

طبع اوّل میں ''شرح غالب'' کے تحت، مفید حواشی، غالب کی اپنی تشریحیں، غالب کی بعض تخلیقات کے زمانۂ فکر کا تعین اور مختلف شعروں کے متحد المضمون غالب کے یا دوسرے شعرا کے اُردو و فارسی اشعار درج کیے تھے لیکن طبع ثانی میں حواشی کو گراں بار ہونے سے بچانے کے لیے مذکورہ بالا تمام مندرجات کو برقرار رکھا ہے سوائے غالب کے علاوہ شعراء کے ہم مضمون اردو و فارسی اشعار کے۔

متن کا آخری حِصّہ ''یادآورد'' چونکہ بعد میں شامل کیا گیا اس لیے اس حصے کے تحت آنے والے کلام کے اختلاف کو متعلقہ جگہوں پر درج نہیں کیا جا سکا تھا۔ اس لیے طبع ثانی میں متن کے اس آخری حصے ''یادآورد'' کے بعد صفحہ ۵۹۴ سے ۵۶۴ تک ''استدراک'' کے عنوان سے اکبر علی خاں عرشی زادہ نے ''یادآورد'' کے اختلافِ نسخ کو مرتّب کیا ہے، ''استدراک'' کے شروع میں سات صفحات پر مشتمل عرشی زادہ کی ''گزارش'' ہے جس میں انھوں نے بیاضِ غالب بخطِ غالب (۱۸۱۶ء) کا تعارف کروایا اور یہ ''استدراک'' مرتّب کرنے کا سبب بیان کیا ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۵۲۵ سے ۵۳۶ تک نسخۂ عرشی طبع ثانی میں شامل تمام کلام کی ابجدی ترتیب سے فہرست اشعار ہے۔ صفحہ ۵۳۷ سے ۵۷۱ تک ''اشاریہ'' ہے جو ''الف'' اشخاص و السنہ وغیرہ''، ''ب: مقامات وغیرہ'' اور ''ج: کتب وعلوم وغیرہ'' پر مشتمل ہے۔ طبع اوّل کے اشاریے میں دیباچے کے ۱۲۰ صفحات کو شامل نہیں کیا گیا تھا لیکن طبع ثانی میں مقدمے کو بھی اشاریے میں شامل کر لیا ہے۔ اس اشاریے میں مقدمے کے صفحات کے نمبروں کو قوسین میں رکھا ہے۔ صفحہ ۵۷۲ پر عرشی زادہ کے قلم سے اس ایڈیشن کی اغلاطِ طباعت کے بارے میں ''معذرت'' ہے پھر اگلے گیارہ صفحات پر ''صحت نامہ'' ہے جس میں اس ایڈیشن میں رہ جانے والی طباعت کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ یہ طویل ''صحت نامہ'' اس ایڈیشن کے آخری صفحہ ۵۸۳ پر تمام ہو رہا ہے۔ ''استدراک'' سے لے کر ''صحت نامہ'' تک تمام اجزاء کے مندرجات کو ہر صفحے پر دو کالم بنا کر درج کیا گیا ہے۔ مقدمہ (بغیر حواشی) ۲۳ سطری مسطر میں ہے اور متن ۲۰ سطری مسطر میں ہے جہاں کہیں اختلاف نسخ یا حواشی زیادہ ہیں وہاں متن کی سطریں کم ہو کر اور حواشی و اختلاف کی بڑھ کر زیادہ سے زیادہ ۲۷ سطروں تک پہنچتی ہیں۔ ''استدراک'' تمام ۲۷ سطری مسطر میں ہے۔ طبع اوّل میں نمبر شمار، صفحات نمبر، تواریخ وغیرہ کو ہر جگہ فارسی ہندسوں میں لکھا تھا۔ یہاں طبع ثانی میں صرف صفحات کے نمبر شمار (چند ایک کے علاوہ) اُردو ہندسوں میں درج کیے ہیں باقی تمام ہر نوع کے ہندسے فارسی رسم الخط میں ہیں۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی میں رہ جانے والی اغلاطِ طباعت کے بارے میں عرشی زادہ ''معذرت'' کے عنوان سے صفحہ ۵۷۲ پر لکھتے ہیں:۔

> ''نسخۂ عرشی کے نقش ثانی میں .... پریس کی ناتجربہ کاری کے باعث متعدد قسم کی غلطیاں بھی در آئیں............ نقطوں کی طباعت اس قدر

ناقص ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال آئندہ صفحات میں ایسی غلطیوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو گمراہ کن ہیں۔ صحت نامے میں غلطی نہ دخل پا جائے۔ اب ڈر اس کا ہے۔''

گیارہ صفحے کے طویل ''صحت نامہ'' کے باوجود متعدد غلطیاں باقی رہ گئیں بلکہ کچھ صحت نامے میں بھی در آئیں۔ ذیل میں ایسی نمایاں اغلاطِ طباعت کو درج کیا جاتا ہے۔

اغلاطِ طباعت نسخۂ عرشی طبع ثانی (علاوہ ''صحت نامہ'')

مقدمہ

صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۳:۹	استاد	استناد	۱۰:۱۳۶	آتی	آتی
۱۲:۲۰	نسخۂ شیرابی	نسخۂ شیرانی	۱:۱۴۳	پانچواں ایڈیشن	۵-پانچواں ایڈیشن
۲:۲۲	ھی	بھی	۷:۱۵۵	قدیم	قدیم
۵:۳۳	سخنست است	سخنست	۱۲:۱۵۵	کربم الدین	کریم الدین
۱۴:۳۶	حملے	جملے		**متن**	
۲۱:۴۰	اتفاقاً	اتفاقاً	۹:۴	زنارِ	زنارِ
۷:۴۷	ریخنہ	ریختہ	۵:۱۲	رفتن	رفتنِ
۲۳:۵۴	میرابرھم	میرابراھیم	۱۷:۲۰	رکاب	رکاب
۲۲:۷۲	میم	ترمیم	۳۲:غزل نمبر	۵۶	۵۵
۱:۷۶	۶۹	۵۹	۱۷:۵۴	پہلے	پہلے
۸:۷۶	صجح	صحیح	۷:۹۱	دبدۂ	دیدۂ
۴:۷۷	تارنحوں	تاریخوں	۱۵:۱۰۵	مین	میں
۱۳:۷۷	اخلافات	اختلافات	۱۹:۱۱۵	بغیر	بغیر
۲۲:۷۸	مس	متن	۱۳:۱۳۶	پھیل کر	چھیل کر

۱۶:۹۰	ان میں کی	ان میں	۱۴:۱۳۷	توتو میں	تو میں
۲۱:۹۴	ورق ۲ ب	ورق ۳ ب	۱۰:۱۴۳	فجر الدین	فخر الدین
۵:۹۵	ساتویں شعر میں	چھٹے شعر میں	۱۸:۱۴۶	الف،قد،مب	۲ الف،قد،مب
۲۰:۹۵	ورق ۳۸ ب	ورق ۳۷ ب	۳:۱۵۰	تاشا	تماشا
۸:۹۸	بحث	بحث	۱۲:۱۶۰	ان میں کا	ان میں
			۷:۱۶۱	ھا	تھا
۱۵:۱۰۰	غرلوں	غزلوں	۱۳:۱۶۲	ب،قد،مب،مج ہردو	ب،قد،مب،مج،ہردو پردہ
۲۲:۱۰۲	رباعیات ۱۳	رباعیات ۱۶	۱۹:۱۶۴	۷	۷ ب
۱۸:۱۰۵	انحاب	انتخاب	۱۸:۱۶۵	پہلواندیشہ	پہلوِ اندیشہ
۷:۱۷۳	بِ، داغِ ہہَ	داغِ مہَ	۱۰:۲۸۸	۰۱	۱۰
۸:۱۷۳	مَہاب	مَہتاب	۵:۲۹۸	یه	یہ
۱۱:۱۷۵	۲ الف	۱ الف	۱۰:۲۹۹	ندارد	ندارد
۱۰:۱۷۵	ژا	ترا	۱۱:۳۱۴	برس	برس
۱۲:۱۷۶	باندزۂ	باندازۂ	۵:۳۷۵	آبا	آیا
۲:۱۷۷	نر	تر	۱۱:۳۷۵	حیدرابادی	حیدرآبادی
۲:۱۷۹	ندکھا	نہ دیکھا	۱۵:۳۹۶	حاضرین	حاضرین
۲:۱۷۹	بدل	یہ دل	۲۰:۳۹۶	ف	صرف
۸:۱۷۹	زندگی	زندگی	۳:۴۰۲	اخلافات	اختلافات
۶:۱۸۰	تبز	تیز	۳:۴۰۴	ک ئی	کوئی
۹:۱۸۰	یمباز	نیم باز	۵:۴۰۴	اکبرابادی	اکبرآبادی
۱۳:۱۸۰	اون غرلوں	اُن غزلوں	۷:۴۰۴	اُنہیں میں کا	اُنہیں میں
۱۰:۱۸۱	رحمت	زحمت	۱۰:۴۰۴	واقع	مواقع
۹:۱۸۲	کاوسہاے	کاوش ہائے	۱۱:۴۰۴	س	اس
۱۹:۱۸۶	نز	تیز	۲:۴۰۹	والاکرام	والاکرام ۲

صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۲:۱۹۲	اب،عود	۲ب،عود	۴:۴۱۳	درستوں	دوستوں
۱۵:۱۹۹	ضاہری	ظاہری	۱:۴۱۹	گزیدہ	گزیدہ
۱۳:۲۰۷	جن میں کا	جن میں	۴:۴۲۳	انگریز	انگریز
۷:۲۳۱	زہرملنا	زہرملتا	۳:۴۲۸	جوب	جواب
۸:۲۳۹	ہوگیں	ہوگئیں	۱۳:۴۴۰	مخلص	تخلّص
۱:۲۴۷	سب	شب	۱۰:۴۳۸	انتقال ہوگا	انتقال ہوا
صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۳:۲۶۴	نرمانۂ	بہ زمانۂ	۱۵:۴۴۶	داغِ مہر	باغِ مہر
۷:۲۶۵	کھُلنا	کھُلتا	۱۳:۴۵۵	ک	یک

۱۰:۲۷۹ ب،ح کے یہ ۱:۲۸۰ ب

علاوہ،شیشہ کا

اختلاف

ہے

استدراک و دیگر

صفحہ،کالم،سطر	غلط	صحیح
۲۵:۴۶۲	حرفون	حرفوں
۱۵:۴۶۳	دال	ذال
۵۲۰: کالم:۱،سطر:۹	ص۲۵۱	ص۳۵۱
۵۲۵: کالم:۱،سطر:۱	صہبا ۶۱۴۷	صہبا ۶:۱۴۷
۲:۵۲۵ سطر:۲	حوصلہ پاء۶۳۱	حوصلۂ پا ۶:۳۱
۵۲۵: کالم:۱،سطر:۲۰	ساماں نکلا ۱۲: ۱۳	ساماں نکلا ۱۳: ۱۲
۵۲۷: کالم:۱،سطر:۱۸	۹:۱۹۵، ۴۵۷	۹:۱۹۵
۵۲۸: کالم:۱،سطر:۸	۳:۴۲	۳:۴۳

۵۳۲: کالم: ۲، سطر: ۱۲	۲۶:۵۵	۶:۲۵۵
۵۳۳: کالم: ۱، سطر: ۱۴	۵:۲۵۸	۵:۲۵۸، ۱۰:۸۰
۵۳۴: کالم: ۱، سطر: ۹	۱:۴۴۰	۱:۴۴۱
۵۳۴: کالم: ۱، سطر: ۱۰	۷:۱۲۴	۸:۱۲۴
۵۷۳: کالم: ۱، سطر: ۱	دیباچہ	مقدمہ
۵۷۳: کالم: ۲، سطر: ۶	۱:۴۰	۱۰:۴۰
۵۷۵: کالم: ۱، سطر: ۱۹	۱:۳۰	۱۰:۳۰
۵۷۹: کالم: ۱، سطر: ۶	۱۰:۳۶۳	۱۰:۳۷۳
۵۸۳: کالم: ۲، سطر: ۱	۱۷:۲، ۵۴۲	۱۷:۲، ۵۴۱

''فہرست اشعار'' میں سے ذیل کی ردیفوں کے صفحات نمبر اور شعر نمبر بے محل درج ہو گئے ہیں۔ فی الوقت جن کی تصحیح ممکن نہیں ہو سکتی۔

۵۲۵: کالم: ۱، سطر: ۱	صہبا	۱۴۷ : ۶
۵۲۸: کالم: ۲، سطر: ۱۷	شعاع	۱:۱۵۰
۵۳۰: کالم: ۲، سطر: ۱۸	استوار، رکھتے ہیں	۱:۴۴۸
۵۳۰: کالم: ۲، سطر: ۱۹	زیادہ رکھتے ہیں	۲:۴۴۸
۵۳۰: کالم ۲، سطر: ۲۳	جفا، کہتے ہیں	۳:۱۸۷
۵۳۳: کالم: ۱، سطر: ۱۱	ہوا، کرے کوئی	۹:۲۲۲
۵۳۴: کالم: ۱، سطر: ۴	نظر، ملے	۳:۳۱۲
۵۳۴: کالم: ۲، سطر: ۱۳	پرہیز ہے	۱۰:۲۷۳
۵۳۵: کالم: ۲، سطر: ۱۲	کام، بہت ہے	۱۰:۳۲۶
۵۳۶: کالم: ۱، سطر: ۶	طلبگار، ہوتی آئی ہے	۱۰:۳۰۵

''صحت نامہ'' میں کچھ اغلاط کی بے محل نشاندہی اور تصحیح کی گئی ہے۔

۵۷۳: کالم: ۲، سطر: ۶	۱:۴۰	میررا	میرا

۵۷۴: کالم: ۱، سطر: ۱۸	۲:۱۰۴	الف	غزلیات الف	
۵۷۵: کالم: ۲، سطر: ۴	۱۲:۵۵	معذور	معذور	
۵۷۷: کالم: ۲، سطر: ۲۰	۲۰۲: ۱	یرت	حیرت	
۵۷۷: کالم: ۲، سطر: ۲۲	۹:۲۰۲	یری	میری	

❁

دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی کا تیسرا ایڈیشن، مجلس ترقیِ ادب، لاہور نے ۱۹۹۲ء میں اکبر علی خاں عرشی زادہ کی اجازت سے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن، کچھ معمولی اختلافات کے ساتھ من وعن دوسرے ایڈیشن (۱۹۸۲ء) کی عکسی اشاعت ہے، جس کے مقدمے، متن یا حواشی وغیرہ میں کسی طرح کا کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ وہی سائز اور وہی نسخ ٹائپ کی طباعت ہے۔ مجلس کے سلسلۂ اشاعت ''اُردو کا کلاسیکی ادب'' کے روایتی ڈیزائن کا آرٹ پیپر پر رنگین سرورق، (جو تقریباً اس ادارے کی ہر کتاب پر ہوتا ہے)۔ جو جلد کے ساتھ ہی چسپاں ہے۔ اس ایڈیشن میں گرد پوش نہیں ہے۔ اندرونی سرورق کے صفحہ ب پر ذیل کے کوائف درج ہیں۔

''باجازت جناب اکبر علی خاں عرشی زادہ

جملہ حقوق محفوظ

طبع اوّل[۱۴] : جون ۱۹۹۲ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر: مجلس ترقیِ ادب، کلب روڈ، لاہور

قیمت : ۲۵۰ روپے

مجلس کے شائع کردہ اس ایڈیشن میں ''عرضِ ناشر'' یا عرشی زادہ کا اجازت نامہ شامل نہیں ہے۔ چند ایک مقامات سے عبارت حذف کر دی گئی ہے نیز طبع ثانی کے ''صحت نامہ'' میں جن غلطیوں کی نشاندہی کی گئی تھی اُن میں سے کچھ کو قلم سے اور کچھ کو ٹائپ کر کے درست کر دیا گیا ہے۔ اس نوع کی چند معمولی تبدیلیوں کی تفصیل یہ ہے:

- طبع ثانی میں پانچ مختلف تصاویر شامل ہیں اور مقدمے میں ''تصاویر'' کے ذیلی عنوان سے ان کی تفصیل بتائی ہے کہ یہ کون کون سی ہیں اور ان کا مآخذ کیا ہے۔ زیرِ نظر طبع سوّم

میں کوئی تصویر شامل نہیں کی گئی اس لیے ان سے متعلق مقدمے کی عبارت کو بھی حذف کر دیا ہے۔ طبع ثانی کا مقدمہ صفحہ ۱۶۰ پر ختم ہوتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے اس تیسرے ایڈیشن کا مقدمہ صفحہ ۱۵۹ پر ختم ہو رہا ہے اور صفحہ ۱۶۰ مکمل سادہ ہے۔

- صفحہ ۴۵۶ پر پہلی سطر میں مندرج مصرعے پر، کسی دوسرے مصرعے کے چند مبہم سے الفاظ مکرّر اور بے محل ٹائپ ہو گئے ہیں جن سے اصل مصرعے (اسدؔ، ہوں میں پر افشانِ رمیدن) کی قرأت نہیں ہوسکتی۔ یہ سہو صرف اس ایڈیشن میں ہے۔
- طبع ثانی کے ''صحت نامہ'' کی نشان زد غلطیوں میں سے کچھ کو درست کر لیا ہے اور باقی کو ''صحت نامہ'' ہی کے عنوان سے آخر میں شامل بھی رہنے دیا ہے لیکن طبع ثانی کے صفحہ ۵۷۲ پر طباعت کی غلطیوں کے بارے میں عرشی زادہ کی ''معذرت'' کو یہاں حذف کر دیا ہے۔ اس طرح زیر نظر ایڈیشن کا یہ صفحہ بھی بیاض ہے۔
- طبع ثانی کے ''صحت نامہ'' میں دو مختلف اشعار اور ایک غزل کو قلم زد کر دینے کے لیے کہا تھا زیر نظر ایڈیشن میں صفحہ ۱۶ اور صفحہ ۱۰۰ پر شعر نمبر ۲ کو پر مذکورہ شعر نمبر ۱۲، اس طرح قلم زد کیا ہے کہ متعلقہ صفحات پر اُن کی جگہ خالی رہ گئی ہے۔ ان کے علاوہ مذکورہ غزل صفحہ ۴۲۰ پر موجود رہنے دی ہے گویا اس کو قلم زد کرنا عمل میں نہیں آ سکا۔
- طبع ثانی کے ''صحت نامہ'' کے سب سے آخر میں صفحہ ۵۸۳ پر درج ہے:
''صفحہ ۵۲۴ کے بعد ۴۷۳ تا ۴۸۰ لکھا گیا ہے اسے ۵۲۵ تا ۵۳۲ بنا لیجئے''۔
طبع سوم میں صفحات کی یہ ترتیب درست کر لی گئی ہے۔ اس کے باوجود مذکورہ عبارت اس کے
'''صحت نامہ'' میں شامل رہ گئی ہے۔

مقدمے کے علاوہ طبع ثانی کے صفحات کی کل تعداد ۵۸۳ ہے۔ اس تیسرے ایڈیشن کا آخری صفحہ (علاوہ مقدمہ) ۵۷۶ ہے۔ سات صفحات کی یہ کمی ''صحت نامہ'' کے صفحات میں ہوئی کیونکہ جن غلطیوں کو درست کر لیا ہے اُنہیں خارج کر دیا ہے۔ اس تیسرے ایڈیشن کا چار صفحات پر مشتمل ''صحت نامہ'' دوبارہ ٹائپ کیا گیا ہے۔

طبع ثانی کے گیارہ صفحات پر مشتمل ''صحت نامہ'' میں سے سات صفحات پر درج غلطیوں کو متعلقہ مقامات پر بڑی دیدہ ریزی اور محنت سے درست کر دیا گیا ہے۔ اس کی صورت یہ رہی

ہے کہ نقطوں ، شوشوں اور اضافتوں کو اور بعض الفاظ کو بھی ،مجلس کے کسی اہم رکن نے اپنے قلم سے درست کیا ہے اور بعض کو ٹائپ کروایا ہے۔طبع ثانی میں بیشتر نقطے اور شوشے ظاہر نہیں ہوئے تھے۔اس کے صحت نامہ کے علاوہ بھی ایسے مقامات کو درست کر لینے کی کوشش کی گئی ہے لیکن کہیں کہیں یہ ہوا ہے کہ یہ نقطے اور شوشے طبع ثانی میں تو موجود ہیں لیکن اس تیسرے ایڈیشن میں کچھ صفحات کی طباعت ہلکی ہونے کی وجہ سے وہ ظاہر نہیں ہو سکے مثلاً صفحہ ۵۲۶ پر''ہم سا،نہوا'' ،''دوا ،نہوا''، اور''تسلّی ،نہوا'' طبع ثانی میں ''نہوا'' کے ن کا نقطہ ہر جگہ موجود ہے لیکن اس تیسرے ایڈیشن میں یہ ظاہر نہیں ہوئے۔

اس تیسرے ایڈیشن کا ''صحت نامہ'' چونکہ دوبارہ ٹائپ ہوا ہے اس لیے اس میں سے کچھ ایسی غلطیوں کو بھی خارج کر دیا ہے جن کو متعلقہ مقامات میں درست بھی نہیں کیا جا سکا تھا۔ذیل میں طبع ثانی کے ''صحت نامہ'' میں سے طباعت کی ایسی اغلاط کو درج کیا جاتا ہے جن کی اس تیسرے ایڈیشن میں تصحیح بھی نہیں کی جا سکی اور انھیں ''صحت نامہ'' سے بھی خارج کر دیا گیا ہے۔ اس ایڈیشن کے ''صحت نامہ'' کو ٹائپ کرتے وقت جو غلطیاں ہوئیں انھیں قوسین میں رکھا ہے۔

صفحہ وسطر	غلط	صحیح
مقدمہ صفحہ:۸۷ حاشیہ ۵	۱۱۶	۵۵

متن و دیگر

صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۱۴۸:۱۷	ریشۂ	ح نشۂ
۱۷۶:۱	نیرنگِ	نیرنگ (نیرلگ)
۲۰۲:۵	برنگِ	برنگ
۲۲۱:۱	حاشیۂ ق میں اس غزل کا کوئی شعر نہیں۔	
۲۹۲:۱۲	وسی	اُسی (کے بجائے ''اوسی'' بنا دیا گیا ہے)
۴۴۰:۵	وجود	کو موجود
۴۶۱:۱۹	تذکرۂ	تذکرۂ گلشنِ (''تذکرۂ'' اڑا دیا ہے)
۴۶۸، ۲:۱۲	کاتب	کتابت
۴۶۸، ۲:۱۶	کاتب	کتابت

۴۷۴،۱: ۱۳ ص ۷۹ :۱ ص:۱۷۹: ۴

پچھلے صفحات میں طبع ثانی کی جو اغلاط طباعت (علاوہ ''صحت نامہ'') درج کی ہیں وہ تمام اس ایڈیشن میں بھی برقرار ہیں۔

نسخۂ عرشی کے یہ تینوں ایڈیشن نسخ ٹائپ میں چھپے ہیں اس ٹائپ کی ایک غلطی جو تینوں ایڈیشنوں میں ہر جگہ موجود ہے جو مغالطے کا باعث بنتی ہے وہ یہ کہ الفاظ ''فخر''، ''فخرِ دین''، ''فخر الدین'' اور ''فخر والدولہ'' میں دوسرا حرف ''خ'' اس طرح چھپتا ہے کہ بظاہر ہر جگہ ''ج'' نظر آتا ہے یعنی ''فجر''، ''فجرِ دین''، ''فجر الدین'' اور ''فجر الدولہ'' وغیرہ۔

حواشی اور حوالہ جات

۱۔ مکتوباتِ مولانا امتیاز علی عرشی بنام مختار الدین احمد، مجلہ تحقیق، شمارہ: ۱۲- ۱۳، (جام شورو: شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء)، ص: ۲۰۵

۲۔ خطوط عرشی رام پوری، مشمولہ؛ نقوش (خطوط نمبر ۳)، شمارہ: ۱۰۹، (لاہور: اپریل، مئی ۱۹۶۸ء)، ص: ۱۳۰

۳۔ نقوش (خطوط نمبر ۳) کے صفحہ ۱۵۵ پر مختار الدین احمد کے نام اس خط میں ''تشریحِ اشعار بقلمِ شاعر'' چھپا ہے۔

۴۔ مکتوباتِ مولانا امتیاز علی عرشی بنام مختار الدین احمد، مشمولہ؛ مجلہ تحقیق، ص: ۲۰۱

۵۔ مکتوباتِ مولانا امتیاز علی عرشی بنام مختار الدین احمد، مشمولہ؛ مجلہ تحقیق، ص: ۲۰۱

۶۔ خطوط عرشی رام پوری، نقوش (خطوط نمبر ۳)، ص: ۱۵۶

۷۔ مکتوباتِ مولانا امتیاز علی عرشی بنام مختار الدین احمد، مشمولہ؛ مجلہ تحقیق، ص: ۲۰۸

۸۔ مکتوباتِ مولانا امتیاز علی عرشی بنام مختار الدین احمد، مشمولہ؛ مجلہ تحقیق، ص: ۲۱۰

۹۔ مکتوباتِ مولانا امتیاز علی عرشی بنام مختار الدین احمد، مشمولہ؛ مجلہ تحقیق، ص: ۲۱۱

۱۰۔ ہماری زبان، جلد: ۱۸، شمارہ: ۷، (علی گڑھ: ۱۵- فروری ۱۹۵۹)، ص: ۳

۱۱۔ خطوط عرشی رام پوری، نقوش (خطوط نمبر ۳)، ص: ۸۶

۱۲۔ اشتہار میں ہر جگہ سہواً ''بارہ'' نسخے چھپا ہے۔جبکہ اصل میں چودہ نسخے ہیں۔
۱۳۔ عرشی صاحب کے خطوط (بنام سیّد حامد حسین جیلانی و ڈاکٹر ذکیہ جیلانی) مرتّبہ؛ ڈاکٹر ذکیہ جیلانی، (نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۹ء)،ص: ۱۸۳
۱۴۔ دیوانِ غالب اُردو کے بلاک میرزا صاحب کے خط کو ظاہر کرتے ہیں'' [نسخۂ عرشی، طبع اوّل، دیباچہ،ص:]۱۲۰ نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ''دیوانِ غالب اُردو'' چار جگہ بطور عنوان آیا ہے جو غالب کے خط میں ہے۔طبع دوّم اور طبع سوّم کے صرف اندرونی سرورق پر یہ بلاک ہے۔
۱۵۔ طبع اوّل میں یہ نام غلط طور پر ''آصف علی اصغر فیضی'' درج ہے جس کی طبع ثانی میں تصحیح کر دی گئی ہے۔ اصغر علی آصف فیضی، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بمبئی کے ڈائریکٹر تھے جو اپنے ادارے سے نسخۂ عرشی کو چھاپنا چاہتے تھے۔ مولانا عرشی اپنے ایک خط مورخہ ۷-فروری ۱۹۶۳ء میں انھیں لکھتے ہیں: ''دیوانِ غالب آپ ہی کی فرمائش پر مرتّب ہوا تھا۔اس لیے اُسے .... آپ ہی کی خدمت میں پیش ہونا چاہیے تھا۔علاوہ ازیں وہ ایک طالب علمانہ ہدیہ تھا جو کسی دُنیوی اقتدار والے کے سامنے پیش ہوتا تو مرتّب کو وہ روحانی سکون و اطمینان حاصل نہ ہوتا جو آپ کی خدمت میں پیش کرنے سے ملا ہے''۔[خطوط عرشی رام پوری،مشمولہ:نقوش،ص:]۹۵
۱۶۔ دیباچے میں یہاں سہواً ۱۸۴۳ء درج ہو گیا ہے۔جبکہ اصل میں ۱۸۳۳ء ہے
۱۷۔ ردیف ''ی'' میں غزل نمبر ۲۶۶ کا فرد شعر ''ن'' ردیف کا ہے جو وہاں سہواً درج ہو گیا۔''شرحِ غالب'' کی اصلاح کے مطابق اسے یہاں شمار کر لیا ہے۔ گویا ردیف ''ن'' میں متن کی نسبت ایک غزل اور ایک شعر کا اضافہ ہوا اور ردیف ''ی'' میں ایک غزل اور ایک شعر کم ہو گیا۔
۱۸۔ یہاں بھی متن میں ردیف ''و'' کے تحت ۶ غزلیں اور اُن کے ۴۷ اشعار ہیں لیکن ردیف ''و'' کی تین اشعار پر مشتمل ایک غزل ردیف ''ی'' میں غزل نمبر ۲۶۷ کے تحت سہواً درج ہے۔ جسے اب یہاں ردیف ''و'' کے تحت شمار کر لیا ہے گویا ردیف ''و'' میں ایک غزل اور اس کے تین اشعار کا متن کی نسبت اضافہ ہوا، اور ردیف ''ی'' میں یہی ایک غزل اور تین شعر کم ہو گئے۔
۱۹۔ متن میں ردیف ''ی'' کے تحت ۱۱۳ غزلیں اور ان کے ۶۱۴ شعر ہیں لیکن مذکورہ بالا ردیف ''ن'' کی ایک شعر کی ایک غزل اور ردیف ''و'' کی تین اشعار کی ایک غزل کو (جو سہواً ردیف ''ی'' کے تحت درج ہیں) متعلقہ ردیفوں میں شمار کر لیا ہے اس طرح ردیف ''ی'' سے ۲ غزلیں اور ان کے ۴ شعر کم ہو کر ۱۱۱ غزلیں اور ۶۱۰ شعر رہ گئے۔
۲۰۔ نسخۂ عرشی،صفحۂ متن ۱۳۰ اور ''شرحِ غالب'' صفحہ ۳۲۸ دونوں جگہ یہ عنوان صیغۂ جمع کے طور

پر ''مثنویات'' ہے حالانکہ اس کے تحت حِصّہ نوائے سروش میں ایک ہی مثنوی ہے۔

۲۱۔ نسخۂ عرشی ، صفحۂ متن ۲۸۴ پر یہ عنوان صرف ''مرثیہ'' ہے لیکن اس کے تحت دو اندراج ہیں جن میں سے پہلا مرثیہ ہے اور دوسرا ''سلام''، لیکن ''سلام'' پر عنوان نہیں ہے۔

۲۲۔ نسخۂ عرشی ، صفحۂ متن ۲۸۷ پر یہ عنوان صرف ''سہرا'' ہے لیکن اس کے تحت تین سہرے ہیں۔

۲۳۔ نسخۂ حمیدیہ (مرتّبہ، مفتی انوارالحق) کی اشاعت کا سال یہاں ۱۹۲۸ء درج ہے ، جو درست نہیں۔ اصل میں یہ ۱۹۲۱ء ہے۔

۲۴۔ گیان چند، ڈاکٹر، رموزِ غالب ، (کراچی : ادارہ یادگارِ غالب ، ۱۹۹۹ء)، ص: ۲۷۷

۲۵۔ اکبر علی خاں، ''ضمیمۂ نسخۂ عرشی''، مشمولہ؛ نقوش ، شمارہ : ۱۰۱ (لاہور : نومبر ۱۹۶۴ء)، ص : ۱۸۶-۱۸۷

۲۶۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی کی ترتیب و تدوین کو غلط طور پر مولانا عرشی کی بجائے اُن کے بیٹے عرشی زادہ سے منسوب کرنے والوں میں ، بے بنیاد اور سب سے زیادہ اونچے سروں میں بولنے والے، کمال احمد صدیقی ہیں:

''نسخۂ عرشی ، نقشِ اوّل ایک ادبی کارنامہ ہے، کچھ خامیوں کے باوجود۔ اگر عرشی صاحب خود ان خامیوں کو دور کرتے اور نقشِ ثانی میں کچھ تبدیلیاں کرتے تو اس کی بھی ایک تاریخی حیثیت ہوتی۔ موجودہ صورت میں نقش ثانی کو امتیاز علی خاں عرشی جیسے جیّد عالم سے منسوب کرنا ، ان کے وقار کو دھکّا پہنچانا ہے۔

............نقشِ ثانی میں عرشی زادہ نے تحریفیں کی ہیں، اور یہ نسخۂ عرشی ہے ہی نہیں اور اگر اسے نسخۂ عرشی کہنے پر اصرار ہے تو یہ جعلی نسخہ ہے''۔ [مضمون : غالبیات کو امتیاز علی خاں عرشی کی دین: دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی''، مشمولہ: مولانا امتیاز علی عرشی : ادبی و تحقیقی کارنامے ، مرتّبہ؛ پروفیسر نذیر احمد ، نئی دہلی : غالب انسٹی ٹیوٹ ، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص: ۱۸۰ - ۱۸۱] موصوف ، اپنے اس مضمون میں عرشی زادہ کی تحریفوں کی ایک بھی مثال پیش نہیں کر سکے۔

۲۷۔ خطوط عرشی رام پوری ، مشمولہ؛ نقوش (خطوط نمبر ۳)، ص: ۸۵

۲۸۔ عرشی صاحب کے خطوط ، مرتّبہ، ڈاکٹر ذکیہ جیلانی ، ایضاً ، ص: ۱۸۴

۲۹۔ مکاتیبِ عرشی ، مشمولہ؛ ماہ نو ، (کراچی : اکتوبر ۱۹۶۵ء)، ص: ۵۱

۳۰۔ نادم سیتا پوری کی کتاب غالب کے کلام میں الحاقی عناصر کے نام سے پہلی بار ، ادارہ فروغِ اُردو ، لکھنؤ سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ چند برس بعد اس کا پہلا پاکستانی ایڈیشن ، مدینہ

پبلشنگ کمپنی، کراچی سے شائع ہوا جس پر تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ محولا اقتباس اس دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۱۰ سے لیا گیا ہے۔

۳۱۔ غالب آگہی (باہم مکاتبت قدرت نقوی و مولانا عرشی) مرتبہ؛ سیّد قدرت نقوی، (لاہور: مغربی پاکستان اُردو، اکیڈمی، اکتوبر ۱۹۹۲ء)، ص: ۳۱۹

۳۲۔ غالب آگہی (باہم مکاتبت قدرت نقوی و مولانا عرشی) مرتبہ؛ سیّد قدرت نقوی، ص: ۳۲۱

۳۳۔ غالب آگہی (باہم مکاتبت قدرت نقوی و مولانا عرشی) مرتبہ؛ سیّد قدرت نقوی، ص: ۳۲۲

۳۴۔ غالب آگہی (باہم مکاتبت قدرت نقوی و مولانا عرشی) مرتبہ؛ سیّد قدرت نقوی، ص: ۳۴۷

۳۵۔ غالب آگہی (باہم مکاتبت قدرت نقوی و مولانا عرشی) مرتبہ؛ سیّد قدرت نقوی، ص: ۳۵۰

۳۶۔ عرشی صاحب کے خطوط، مرتبہ؛ ڈاکٹر ذکیہ جیلانی، ص: ۹۸

۳۷۔ گل رعنا، مرتبہ؛ مالک رام، (دِلّی: علمی مجلس، مئی ۱۹۷۰ء)، ص: ۳۰

۳۸۔ اس پہلے اشتہار میں یہ لفظ سہواً ''متوسط'' چھپ گیا ہے جسے بعد کے اشتہاروں میں درست طور پر ''مبسوط'' کرلیا گیا ہے۔

۳۹۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی میں یہ عنوان ''سہرا'' سہو ہے۔

۴۰۔ یہ غزل نمبر بھی مقدمے میں (ص: ۷۶) سہواً ۵۹ کی بجائے ۶۹ چھپ گیا ہے۔ کیونکہ ''یادگارِ نالہ'' کے تحت صرف ۶۷ غزلیات ہے۔ ''صحت نامہ'' میں بھی اس کی تصحیح نہیں ہوسکتی تھی۔

۴۱۔ مجلس ترقیِ ادب لاہور سے نسخۂ عرشی کی یہ پہلی اشاعت ہے۔ مجموعی طور پر تیسری۔ چونکہ یہ دوسرے ایڈیشن کی عکسی اشاعت ہے اس لیے اندرونی سرورق پر دوسرے ایڈیشن کے مطابق ''نقشِ ثانی'' لکھا ہے۔ اسے ''تیسری اشاعت'' بنا لینا چاہیے تھا تا کہ التباس نہ ہوتا۔ کیونکہ کوائف میں ''طبع اوّل'' درج ہے اور سرورق پر ''نقشِ ثانی'' لہٰذا صرف اس ایڈیشن کے دیکھنے والے پر یہ قطعاً واضح نہیں ہوگا کہ یہ نسخۂ عرشی کا تیسرا ایڈیشن ہے۔

تیسرا باب
نسخۂ عرشی کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کا تقابلی مطالعہ

اچھے اور سچّے مُحقّق کا وصف یا خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تحقیق کو ہر دم تازہ رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ اس کی یہ مصروفیت ، اپنے منتخب کردہ موضوع کو مسلسل دردِ سر بنا لینے اور پھر اُٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے اُسی کے بارے میں سوچتے رہنے کا نام ہے۔ نسخۂ عرشی کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کا موازنہ کیا جائے اور دوسرے ایڈیشن میں ہونے والے ترامیم اور اضافات کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو مولانا عرشی کے اس وصف کا معترف ہونا پڑتا ہے کہ وہ ہر دم تازہ اور نئی سے نئی معلومات تک رسائی حاصل کرنے کی جستجو میں رہتے اور پھر اس پس منظر میں اپنی تحقیق پر نظر ثانی کا عمل جاری رکھتے تھے۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی کے ہر حصّے بلکہ ہر صفحے پر ترمیم و اضافہ کا عمل دکھائی دیتا ہے جو مولانا عرشی کا اپنی تحقیق کو اور اس کے نتائج کو زیادہ سے زیادہ باثروت اور معتبر بنانے کا ثبوت ہے۔

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کا پہلا ایڈیشن ابھی جلد سازی کے مرحلے میں تھا اور بازار میں نہیں آیا تھا کہ مولانا عرشی کو کچھ نئے مآخذ مل گئے تو انھوں نے اُس وقت سے دوسرے ایڈیشن کی تیاری کے لیے نوٹ لینا شروع کر دیئے اور پھر مسلسل اس پر نظر ثانی کرتے رہے۔ اُن کے اس وصف کو دیکھنے، پرکھنے اور سراہنے کے لیے دیوانِ غالب نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی کا اس باب میں تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے جس سے مولانا عرشی کی تحقیق کی خوبیاں اور اُن کے اعلیٰ درجے کے مزاجِ تحقیق اور معیار تدوین کو سمجھنے میں مدد ملے گی نیز نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگانے اور اس کی قدر بندی کی کوشش میں آسانی ہوگی۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی کے مندرجات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے

کہ مولانا عرشی نے مقدمے میں طرح طرح کے ترامیم و اضافات کیے ہیں۔بعض نئے مآخذ کے مل جانے پر،خصوصاً بیاضِ غالب بخطِ غالب کے ذریعے سے مقدمے کے چند بہت ہی غیر معمولی مطالعات اور ان کے نتائج پہلے سے مختلف اور مستند ہو جاتے ہیں۔تمام نئے مآخذ کا تفصیلی تعارف اور کیفیت بھی مقدمے میں شامل کر دی گئی ہے۔ان کے ذریعے سے مقدمے کے حِصّۂ سوانحِ غالب کے مطالعات میں پہلے کی نسبت جو تبدیلی آئی اسے بھی درست اور درج کیا گیا ہے۔غرض مقدمے میں نئی معلومات کے اندراج سے لے کر اُن کی وجہ سے بعض مطالعات کی تردید یا تصدیق و توثیق تک تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔مولانا عرشی نے زبان و بیان پر بھی خاص توجہ دی ہے اور اسے پہلے سے زیادہ بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔اس سلسلے کی بیشتر مثالیں ہیں جو دیکھنے میں معمولی اور ایک آدھ لفظ یا جملے کی تبدیلی پر مشتمل ہیں لیکن ان کی وجہ سے مفہوم میں واضح فرق نظر آتا ہے۔پہلے جہاں تشنگی کا احساس ہوتا تھا اب وہاں مندرجات اور ان کے مفاہیم کی تکمیل نظر آتی ہے اسی طرح پہلے اگر کوئی لفظ یا جملہ غیر ضروری تھا تو اب اُس کے حذف و ترمیم سے اختصار اور جامعیت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔مقدمے میں اس نوع کی تبدیلیاں ، مولانا عرشی کے معیارِ تحقیق کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہیں۔

تدوین کے اعلیٰ معیارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پیشِ نظر متن کے تمام قلمی و مطبوعہ نسخے سامنے رکھے جائیں۔نسخۂ عرشی طبع اوّل میں مولانا عرشی نے دیوانِ غالب کے ۱۴ قلمی ،مطبوعہ یا مرتّبہ نسخوں سے کام لیا تھا۔طبع ثانی میں یہ تعداد ۲۱ تک پہنچ جاتی ہے گویا طبع ثانی میں ۷ قلمی یا اہم مرتّبہ نسخوں کا اضافہ ہوا۔نسخۂ عرشی کے ان مستقل اور بنیادی مآخذ میں سے ۱۴ جو طبع اوّل میں استعمال ہوئے ان کا ذکر پہلے آ چکا۔اُن کے علاوہ طبع ثانی میں جو اضافہ ہوئے اُن کا مختصر تعارف اور علامات جو مقدمے کے صفحہ ۱۵۵ پر درج ہیں یہ ہیں:۔

نمبر شمار	نام نسخہ	علامت	تقریبی تاریخِ ترتیب یا طباعت
۱۔	نسخۂ عرشی زادہ[۱] (بیاض غالب)	عز	۱۲۳۱ھ = ۱۸۱۶ء
۲۔	انتخابِ غالب	خب	۱۲۵۲ھ = ۱۸۳۶ء
۳۔	نسخۂ بدایوں	قبا	۱۲۵۴ھ = ۱۸۳۸ء

۴۔ نسخۂ دیسنہ قبج ۱۲۶۱ھ = ۱۸۴۵ء

۵۔ نسخۂ کریم الدین (نسخۂ کراچی) قبد ۱۲۶۱ھ = ۱۸۴۵ء

۶۔ نسخۂ حمیدیہ: دوم[۲] حم ۱۳۸۹ھ = ۱۹۶۹ء

۷۔ نسخۂ عرشی زادہ : ڈیلکس ایڈیشن عش ۱۳۸۹ھ = ۱۹۶۹ء

طبع اوّل میں بھی متعدد کتب و رسائل، ثانوی مآخذ کے طور پر استعمال ہوئے تھے، لیکن دیباچے میں بنیادی مآخذ کے علاوہ کسی ثانوی مآخذ کی تفصیل یا کوائف الگ سے کتابیات کی صورت میں درج نہ تھے، سوائے اشاریۂ کتب و رسائل کے۔ وہاں بھی ظاہر ہے ان کتب وغیرہ کے کوائف تو نہ آنے تھے۔ طبع ثانی میں مخطوطاتِ دیوانِ غالب اور معاصر ایڈیشنوں کے علاوہ کچھ مرتبہ ایڈیشنوں کی فہرست دینے کے بعد مقدمے میں صفحہ ۱۵۶ پر چند مزید ثانوی مآخذ کے مکمل اور نامکمل حوالے دیے ہیں جو اختلافِ نسخ میں استعمال ہوئے:

۱۔ کلیاتِ فارسی، نسخۂ بانکی پور، پٹنہ، مکتوبہ ربیع الآخر ۱۲۵۴ھ/ ۱۸۳۸ء (کفب)

۲۔ کلیاتِ نثرِ فارسی، نسخۂ لوہارو (کفل)

۳۔ گلشنِ بے خار، طبع ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء (گب)

۴۔ گلدستۂ نازنیناں، طبع ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء (گن، گلدستہ)

۵۔ تذکرۂ عمدۂ منتخبہ (عمدہ)

۶۔ آثار الصنادید، طبع ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء (آثار)

۷۔ پنج آہنگ، طبع ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۸ء (پنج)

۸۔ خطوطِ غالب، مرتبہ، مہیش پرشاد (خطوط)

۹۔ دیوانِ غالب، مرتبہ، نظامی بدایونی (بدایوں)

۱۰۔ غالب از مولانا غلام رسول مہر (مہر)

طبع اوّل کے دیباچے میں ایسے ثانوی مآخذ کی نشاندہی الگ سے نہیں کی گئی تھی۔ طبع ثانی میں بھی مندرجہ بالا چند ثانوی مآخذ کا ذکر کیا اور کہا کہ ان سے حواشی اور اختلافِ نسخ میں استمداد لی گئی ہے۔ طبع ثانی کے متن کے چاروں حِصّوں میں استعمال ہونے والے ثانوی مآخذ کا شمار کیا جائے تو مندرجہ بالا ۱۰ کتب کے علاوہ ۴۰ مختلف مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کے حوالے ملتے ہیں

اور ۱۶ رسائل و جرائد اور اخبارات کا ذکر آیا ہے۔ حواشی میں استعمال ہونے والی کتب اور رسائل اس کے علاوہ ہیں۔ مجموعی طور پر طبع اوّل کے اشاریۂ کتب و رسائل کا شمار کیا جائے تو اس میں ۱۰۸ ،مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب اور رسائل و جرائد کا ذکر آیا ہے۔ اس کے برعکس طبع ثانی کے اشاریۂ کتب و رسائل کو شمار کریں تو یہ تعداد اس سے کہیں بڑھ کر ۲۶۷ تک پہنچ رہی ہے۔ گویا دوسرے ایڈیشن میں مولانا عرشی نے زیادہ سے زیادہ مآخذ تک رسائی حاصل کر کے نسخۂ عرشی کو پہلے کی نسبت زیادہ مستند، معتبر اور مثالی بنانے کی سعی کی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی میں، طبع اوّل کی نسبت سب سے بڑی اور صحت مند تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ ایک طرف طبع اوّل میں شامل غالب سے منسوب (الحاقی) کلام کو خارج کر دیا گیا ہے اور دوسری طرف متعدد نو دریافت مخطوطات اور دیگر ثانوی مآخذ کے ذریعے سے غالب کا نیا کلام جمع کر دیا گیا ہے۔

طبع ثانی میں اضافہ ہونے والا یہ کلام، مختلف اوقات میں دریافت اور جمع ہوتا رہا۔ طبع اوّل کی ترتیب کے وقت استعمال ہونے والے بنیادی مآخذ (خصوصاً نسخۂ شیرانی) میں سے بھی چند شعر سہواً نظر انداز ہو گئے تھے اور طبع اوّل میں درج نہیں ہو سکے تھے جنہیں طبع ثانی میں مآخذ کی دوبارہ تصدیق اور نظر ثانی کے بعد شامل کیا گیا۔ طبع ثانی میں اضافہ ہونے والے اشعار کی دوسری قسم نو دریافت مخطوطات (خصوصاً بیاضِ غالب) اور دیگر مطبوعہ کتب، تذکرے اور رسائل وغیرہ ہیں۔ اضافہ شدہ یہ اشعار، کچھ تو طبع اوّل کے آخری حِصّہ ''شرحِ غالب'' اور پھر دو شعر ''غلط نامہ'' میں اضافہ کروا دیئے گئے تھے۔ پھر نومبر ۱۹۶۴ء کے نقوش (لاہور) میں عرشی زادہ نے ''ضمیمۂ نسخۂ عرشی'' کے عنوان سے کچھ اشعار شائع کروائے [۳]۔ ''ضمیمے'' کے بعد بیاضِ غالب کے تحت مزید غیر مطبوعہ کلام سامنے آیا اور پھر نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن کے حِصّہ ''استدراک'' کے تحت بھی ایک شعر اضافہ کروایا۔

اس طرح مختلف ذرائع سے دریافت ہونے والے اور مختلف اوقات میں اضافہ ہونے والے، اس کلام میں مکمل غزلیں بھی ہیں، ایک یا دو شعر بھی اور فرد مصرعے بھی۔ بیشتر نئے غزل نمبر کے تحت شامل ہیں اور بعض پہلے سے شامل غزلوں یا نظموں میں اضافہ ہوئے۔ اب ذیل میں، ان مختلف اوقات میں اور مختلف ذرائع سے دریافت ہونے والے، اور نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع

ثانی میں اضافہ ہونے والے کلام کو درج کیا جاتا ہے۔طوالت سے بچنے کی خاطر، اس اضافہ شدہ کلام کا صرف ایک ایک مصرع دے دیا ہے اور ان مصرعوں کے اندراج کی یہ صورت رکھی ہے کہ اگر کسی شعر کے دونوں مصرعے ہم ردیف و ہم قافیہ ہیں تو اُن کا پہلا مصرع درج کیا ہے، دوسری صورت میں مصرع ثانی درج کیا ہے اس طرح ان تمام کے ردیف و قافیہ کا اندازہ ہو جاتا ہے اور ان کی مکمل صورت کو نسخۂ عرشی میں آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے نیز اس طرح یہ بھی اندازہ کرنے میں سہولت رہے گی کہ کون سی ردیف کے تحت کتنے اشعار اضافہ ہوئے۔ دو یا دو سے زیادہ اشعار یا فرد مصرعوں کے لیے، مندرج مصرعے کے آخر میں قوسین کے اندر تعداد لکھ دی ہے تا کہ ان کے شمار کرنے میں بھی آسانی رہے۔ جن مصرعوں کے آگے قوسین میں کوئی وضاحت نہیں ، گویا وہ صرف ایک شعر ہے۔ ان کے نمبر شمار خود لگائے ہیں تا کہ اندراج کے بعد وضاحت کرنے میں آسانی رہے۔ ان نمبر شمار کو غزل نمبر یا شعر نمبر تصور نہ کیا جائے۔نمبر شمار کے بعد قوسین میں، نسخۂ عرشی طبع ثانی کا صفحہ نمبر اور پھر شعر نمبر دیا گیا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی میں اضافہ شدہ اشعار

۱۔ (۷۱ : ۱۲) بادہ ، غالب ،عرقِ بید نہیں

۲۔ (۱۲۳:۱۰-۱۲) نشہّ بخشا غضب اس ساغرِ خالی نے مجھے (۳ شعر)

۳۔ (۱۲۴:۱) کچھ تو اسبابِ تمنّا چاہیے

۴۔ (۱۲۴:۲) کبھی زمانہ مرادِ دلِ خراب تو دے

۵۔ (۱۲۴:۵،۶) یہ مصرفِ تا بگیٔ نہیں ہے (۲ شعر)

۶۔ (۱۲۴:۸) ہر موجِ گردِ راہ ، مرے سر کو دوش ہے

۷۔ (۴۰۱:۱) اُن کی تاریخ ، میرا تاریخا

۸۔ (۴۰۲:۱) کوئی اس کا جواب کیا لکھتا

۹۔ (۴۲۲:۳) کعبے میں ، کیوں دبائیں نہ ہم برہمن کے پانو؟

۱۰۔ (۴۲۷:۵،۶) اور تو رکھنے کو ہم دہر میں کیا رکھتے تھے (۲ شعر)

نمبر شمار ایک سے ۹ تک ، وہ ۱۲ اشعار ہیں جو طبع اوّل میں ''شرح غالب'' کے تحت مولانا عرشی نے اضافہ کروائے [۸۴] اور ان کا ماخذ بھی بتایا۔نمبر ۱۰ کے تحت دو غیر مطبوعہ اشعار پہلی بار، طبع

اوّل کے ''غلط نامہ'' میں نسخۂ بدایوں (۱۸۳۸ء) کے حوالے سے درج کروائے تھے۔

۱۱۔ (۵:۱۲) برنگِ لالہ، جامِ بادہ پر محمل پسند آیا

۱۲۔ (۹:۱۲) یا میں غریبِ کشورِ گفت و شنود تھا

نمبر ۱۱ اور ۱۲ کے یہ دو شعر بھی ''شرح غالب'' کے تحت اضافہ کروائے لیکن یہ وضاحت نہ کی کہ ان کا مآخذ کیا ہے۔ ''شرح غالب'' میں ان میں سے پہلے مصرعے میں ''محمل نظر آیا'' اور دوسرے میں ''کشورِ بود نبود'' الفاظ تھے۔ طبع ثانی میں بھی یہ بغیر وضاحت کے اضافہ ہوئے ان دونوں کا مآخذ نسخۂ شیرانی ہے موجودہ الفاظ بھی اسی کے ہیں۔ اس طرح نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ''شرح غالب'' اور ''غلط نامہ'' کے تحت مولانا عرشی نے کل ۱۶ شعر اضافہ کروائے تھے۔

۱۳۔(۳۹۳: ۸ اور ۱۰) کبھی چوما، کبھی آنکھوں سے لگایا سہرا (۲ شعر)

۱۴۔(۴۰۳: ۴) معلوم ہوا خیر کہ ٹھینگا باجا (ایک مصرع)

۱۵۔(۴۰۳: ۵) وصل میں ہجر کا ڈر یاد آیا

۱۶۔(۴۰۴: ۳) خوشنودیِ احباب کا طالب، غالب (ایک مصرع)

۱۷۔(۴۰۹: ۲) خدا کے بعد نبی، اور نبی کے بعد امام

۱۸۔(۴۱۱ - ۴۱۴: ۱ - ۴) اس قدر ضبط کہاں ہے کبھی آ بھی نہ سکوں (۴ شعر)

۱۹۔(۴۱۷: ۱) میں قائلِ خدا و نبیؐ و امام ہوں

۲۰۔(۴۱۹: ۳) جو معشوق زلفِ دوتا باندھتے ہیں

۲۱۔(۴۲۲: ۴) ایرا ہی دے کے ہم نے بچایا ہے کشت کو

۲۲۔ (۴۲۲: ۵) ھیولیٰ صورتِ کابوس پھر خوابِ گراں کیوں ہو

۲۳۔ (۴۲۳: ۱) جو یاے حالِ دہلی والور، سلام لو (ایک مصرع)

۲۴۔(۴۲۵: ۴) لگا کے بیٹھتے ہیں اس سے راہزن تکیہ

۲۵۔(۴۲۸: ۱) یہ خبط نہیں تو اور کیا ہے (ایک مصرع)

۲۶۔(۴۲۸: ۳) دیکھیے، کیا جواب آتا ہے؟ (ایک مصرع)

۲۷۔(۱:۴۲۹) ہوس نہ رہ جائے کوئی باقی، گناہ کیجیے، تو خوب کیجیے

۲۸۔(۱:۴۳۰) وہ خود کہے کہ: ''بتا تیری آرزو کیا ہے؟''

۲۹۔(۲:۴۳۰) حالت ترے عاشق کی یہ اب آن بنی ہے

۳۰۔(۴،۳:۴۳۰) گھر سے نکالنا ہے اگر، ہاں نکالیے (۲ شعر)

۳۱۔(۶:۴۳۰) نہ ہونے پر ہیں یہ باتیں دہن کی

۳۲۔ (۳،۲:۴۳۵) زیست اُن کی ہے جو اس کوچے سے گھائل آئے (۲ شعر)

۳۳۔(۴۳۹: رباعی نمبر ۲) اصحاب کو جو کہ ناسزا کہتے ہیں (۲ شعر)

۳۴۔(۴۳۹: رباعی نمبر ۳) یارانِ رسول، یعنی، اصحابِ کبار (۲ شعر)

۳۵۔ (۴۴۰: رباعی نمبر ۴) یارانِ نبی میں تھی لڑائی کس میں؟ (۲ شعر)

۳۶۔(۴۴۰: رباعی نمبر ۵) یارانِ نبی سے رکھ تولاّ، باللہ (۲ شعر)

۳۷۔ (استدراک، ص: ۴۷۵، کالم: ۱) اے عدوے مصلحت چندے بضبط افسردہ رہ
کردنی ہے جمع تابِ شوخیِ دیدارِ دوست

نمبر ۱۳ سے ۳۷ تک یہ تمام اشعار وہ ہیں جو نسخۂ عرشی طبع ثانی میں اضافہ ہوئے اور حواشی میں ان کے مآخذ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ ان میں سے نمبر ۱۴ تا ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۵ تا ۳۰ اور ۳۳ تا ۳۶ کے تحت ۱۸ شعر اور ۵ مصرعے پہلی بار ''ضمیمہ نسخۂ عرشی'' میں آئے تھے۔ نمبر ۳۷ طبع ثانی کے متن میں نہیں یہ ق میں تھا لیکن سہواً درج ہونے سے رہ گیا اب اسے عز اور ق کے حوالے سے گنجینۂ معنی میں اضافہ کروایا ہے۔

۳۸۔ (۹:۴۳) جتنا کہ نا امید تر، امیدوار تر

۳۹۔ (۱۰:۸۰) میری دلّی ہی میں ہونی تھی یہ خواری ھاے ھاے

۴۰۔ (۷:۱۲۴) جوں شمع، آپ اپنی وہ خوراک ہو گئے

یہ تین شعر (نمبر ۳۸ تا ۴۰) نسخۂ شیرانی اور نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج ہیں (آخری کا مآخذ صرف نسخۂ شیرانی ہے۔ ان دونوں نسخوں میں موجود یہ اشعار طبع اوّل میں سہواً درج ہونے سے رہ گئے تھے۔ ''شرح غالب'' میں بھی ان کی نشاندہی نہ ہو سکی تھی اور

اب طبع ثانی میں بھی بغیر کسی وضاحت یا حاشیے کے درج ہوئے ہیں۔نسخۂ شیرانی کی عکسی اشاعت (۱۹۶۹ء) سے ان تینوں کی تصدیق کر لی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی میں مختلف انداز سے اضافہ ہونے والے ان اشعار کے علاوہ بیاضِ غالب کے حوالے سے ''یادآورد'' کے تحت ۱۶۸ اشعار اضافہ ہوئے۔(متن میں ۱۶۸، لیکن ایک شعر حذف کروایا ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا) طوالت سے بچنے کی خاطر ان تمام کی نشاندہی یہاں نہیں کی گئی کیونکہ یہ سب ایک ہی جگہ ''یادآورد'' کے تحت متن میں موجود ہیں۔ان میں سے ۱۶۴ اشعار غزلیات کے ہیں اور دو رباعیات کے ۴ شعر ہیں۔

اس طرح دیکھیں تو نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن کی نسبت طبع ثانی میں کل ۲۱۷ شعر اور ۵ مصرعے اضافہ ہوئے جن میں سے ۱۵ ''گنجینۂ معنی''، ۳۴ شعر اور ۵ مصرعے ''یادگارِ نالہ'' اور ۱۶۸ ''یادآورد'' کے تحت آئے ہیں۔اصناف کے لحاظ سے طبع ثانی میں اضافہ شدہ ان ۲۱۷ اشعار اور ۵ مصرعوں میں سے ۲ شعر سہرے کے، (۶) رباعیوں کے ۱۲ شعر اور ۲۰۳ شعر و ۵ مصرعے غزلیات کے ہیں۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی سے حذف شدہ اشعار

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن کی طباعت کے بعد، مزید تحقیق و تفتیش کے ذریعے، مولانا عرشی نے ''شرح غالب'' کے تحت کچھ اشعار حذف کروائے اور پھر ایک غزل ''غلط نامہ'' کے تحت خارج کرنے کے لیے کہا۔طبع ثانی کی طباعت کے وقت تک مزید کچھ کلام الحاقی قرار پایا۔ جسے اس دوسرے ایڈیشن سے خارج کر دیا گے۔ پھر طبع ثانی کے متن کی طباعت کے بعد، ''استدراک'' اور ''صحت نامہ'' کے تحت بھی کچھ اشعار حذف کروائے۔ اس طرح مختلف اوقات میں، طبع اوّل اور طبع ثانی سے حذف ہونے والے اشعار کی تفصیل بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔حذف شدہ اس کلام میں سے کچھ اشعار تو ایسے ہیں جو غالب ہی کے ہیں لیکن غالب نے چونکہ انھیں بہ تغیر الفاظ یا بہ تغیر ردیف متداول کے تحت شامل کر لیا اس وجہ سے مولانا عرشی نے انھیں خارج کر دیا ہے اور کچھ کلام الحاقی اور غلط طور پر غالب سے منسوب قرار پا کر حذف ہوا ہے۔ یہاں حذف شدہ ان اشعار کی نشاندہی کرتے ہوئے شروع میں وہ اشعار دیے جائیں

گے جو طبع اوّل سے خارج ہوئے اور ان کے لیے حوالے کے طور پر صفحہ نمبر اور شعر نمبر بھی طبع اوّل کا دیا جائے گا۔ ان کے بعد طبع ثانی کے حذف شدہ اشعار کی نشاندہی کرتے ہوئے صفحہ نمبر اور شعر نمبر طبع ثانی کا دیا جائے گا۔ یہاں بھی تمام مردّف مصرعے دیے ہیں اور قوسین میں دو یا دو سے زیادہ اشعار والی حذف شدہ نظموں، غزلوں کی تعداد بھی درج کر دی ہے۔ خود لگائے گئے نمبر شمار مسلسل رکھے گئے ہیں۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل میں سے حذف شدہ اشعار:

[صفحہ و شعر نمبر طبع اوّل کا ہے]

۱۔ (۱۷:۵) جلوے میں تیرے، ہے تسخیرِ ہوائے دیدار

۲۔ (۱۵:۲۲) کہ تھا آئینۂ خور بے نقابِ رنگِ بستنہا

۳۔ (۳:۳۰۲) بھولے سے کاش وہ ادھر آئیں تو شام ہو

(مکمل غزل: ۹ شعر)

پہلے دو شعر، بالترتیب، بہ تغیر الفاظ اور بہ تغیر ردیف، ''نوائے سروش'' اور ''گنجینۂ معنی'' میں آ گئے تھے اس لیے ''شرحِ غالب'' کے تحت مولانا عرشی نے انھیں قلم زد کروا دیا۔ نمبر ۳ پر ۹ اشعار کی مکمل غزل کو ''غلط نامہ'' میں جعلی قرار دے کر خارج کروایا گیا۔ گویا نسخۂ عرشی کے پہلے ایڈیشن میں سے ''شرح غالب'' اور ''غلط نامہ'' کے تحت کل ۱۱ شعر خود حذف کروائے۔

۴۔ (۷:۲۹۴) پھول ہنس ہنس کے، گلستاں میں فنا ہو جاتا

(۶ شعر ایک مصرع)

۵۔ (۱۴:۲۹۵) بدتر از ویرانہ ہے فصلِ خزاں میں صحنِ باغ

(۵ شعر)

۶۔ (۲۳:۲۹۸) جوں شمع، ہم اک سوختہ سامانِ وفا ہیں (۹ شعر)

۷۔ (۳۰:۳۰۱) وضعِ نیرنگیِ آفاق نے مارا ہم کو (۶ شعر)

۸۔ (۳۱:۳۰۱) حسنِ بے پروا، گرفتارِ خود آرائی نہ ہو (۶ شعر)

۹۔ (۳۵:۳۰۴) نہ پوچھ حال اس انداز، اس عتاب کے ساتھ (۶ شعر ایک مصرع)

۱۰۔(۴۳:۳۰۵) نسیمِ صبح جب کنعاں میں بوے پیرہن لائی (۵ شعر)

۱۱۔(۴۴:۳۰۵) وفا، جفا کی طلب گار ہوتی آئی ہے (۴ شعر)

۱۲۔(۴۵:۳۰۶) نہ کبھی قتل کریں گے، نہ پشیماں ہونگے (۱۰ شعر)

۱۳۔(۴۶:۳۰۶) نمایش، پردہ دارِ طرزِ بیدادِ تغافل ہے (۵ شعر)

۱۴۔(۴۷:۳۰۷) بھولے ہوے جو غم ہیں اُنھیں یاد کیجیے (۷ شعر)

۱۵۔(۴۸:۳۰۷) ہم سے خوبانِ جہاں، پہلوتہی کرتے رہے (۵ شعر)

۱۶۔(۴۹:۳۰۸) درد ہو دل میں، تو دوا کیجیے (۷ شعر)

۱۷۔(۵۰:۳۰۸) سکوت وخامشی، اظہارِ حالِ بیز بانی ہے (۶ شعر)

۱۸۔(۵۱:۳۰۹) کس کی برقِ شوخیِ رفتار کا دلدادہ ہے؟ (۵ شعر)

۱۹۔(۵۲:۳۰۹) اس جور و جفا پر بھی بدظن نہیں ہم تجھ سے (۵ شعر)

نمبر شمار ۴ سے ۱۹ تک ۱۶ غزلیں، مولوی عبدالباری آسی کی ہیں جو ''مکمل شرح کلام غالب ''(آسی) کے حوالے سے نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ''یادگارِ نالہ'' کے تحت شامل تھیں۔ مولانا عرشی نے انھیں شامل کرتے ہوئے دیباچے میں اپنے شک کا اظہار کر دیا تھا۔ لہٰذا طبع اوّل کی اشاعت کے کوئی چھے ~~۵~~ برس بعد مولانا عرشی اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کلام الحاقی ہے۔اس لیے طبع ثانی میں سے، ۹۷ اشعار اور دو مصرعوں پر مشتمل آسی کی ان ۱۶ غزلوں کو خارج کر دیا اور مقدمے میں یہ وضاحت بھی کر دی کہ ''انھیں قطعی طور پر کلامِ غالب نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے انھیں خارج کر دیا گیا ہے''۔ (ص ۷۶)

۲۰۔(۱:۱۱) آتشیں پا ہوں گدازِ وحشتِ زنداں نہ پوچھ......حلقہ یاں رنجیر کا

۲۱۔(۱۴:۱۴) یار نے تشنگیٔ شوق کے مضموں چاہے............ساحل باندھا

۲۲۔(۲:۱۵) گرمی برقِ تپش سے زہرۂ دل آب تھا

۲۳۔(۵:۱۷)ا گرچہ گم شدہ ہے کاروبارِ دنیا کا

۲۴۔(۹:۱۹) یار تیرا جامِ مَے، خمیازہ میرا آشنا

۲۵۔(۱۲:۲۰) دل، ز اندازِ تپاک اہلِ دنیا جل گیا

۲۶۔ (۸:۸۲) سرمہ، گویا موجِ دودِ شعلۂ آواز ہے

''گنجینۂ معنی'' کے مندرجہ بالا یہ ۷ اشعار بہ تغیر الفاظ یا ردیف یا پورے مصرعے کی تبدیلی کے ساتھ متداول حصّہ ''نوائے سروش'' کے تحت آ گئے ہیں۔ ان میں سے صرف پہلے (نمبر ۲۰) کے بارے میں مولانا عرشی نے اختلافِ نسخ طبع ثانی میں لکھا ہے کہ یہ ایک مصرعے کی تبدیلی سے ''نوائے سروش'' میں شامل ہوا، لیکن اس کے علاوہ ان میں سے کسی کو حذف کرنے کے لیے نہیں لکھا تھا۔ اختلافِ نسخ سے تصدیق ہوئی کہ بہ تغیر الفاظ متدوال میں آ جانے کی وجہ سے انھیں گنجینے سے حذف کر دیا گیا ہے۔

۲۷۔ (۱:۲۶۵) رحمتِ باری کا جو گنجینہ ہے (قطعہ: ۲ شعر)

۲۸۔ (۱:۳۱۰) دل لیجیے، مگر مرے ارماں نکال کے

۲۹۔ (۲:۳۱۰) زرافشاں مانگ ہے، اور سبز اُس پر اک دوشالا ہے

۳۰۔ (۴:۳۱۰) بجا ہے، شیریں، اگر چھوڑ دلی، حج کو چلی

۳۱۔ (۶:۳۱۰) گو، نہ ملتے تھے، پر اک شہر میں تو رہتے تھے (ایک مصرع)

نمبر ۲۷ سے ۳۱ تک ''یادگارِ نالہ'' میں یہ ۵ شعر اور ایک مصرع حذف ہوئے۔ ان کو حذف کرنے کا سبب مولانا عرشی نے نہیں بتایا۔ گویا مولانا عرشی کے نزدیک یہ ۵ شعر اور ایک مصرع بھی الحاقی ہیں اور طبع اوّل میں جن مآخذ کے ذریعے یہ شامل کیے تھے وہ مآخذ بھی غیر معتبر ٹھہرتے ہیں۔ اس لیے انھیں حذف کیا گیا۔ اس طرح مندرجہ بالا نمبر شمار ۱ سے ۳۱ تک آنے والے ۱۲۰ شعر اور ۳ مصرعے، نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن میں تو موجود ہیں لیکن طبع ثانی میں انھیں شامل نہیں کیا گیا۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی سے حذف شدہ اشعار:

[صفحہ و شعر نمبر طبع ثانی کا ہے]

۳۲۔ (۱۲:۱۶) کہ حسرت کش رہا عرضِ ستم ہائے جدائی کا

۳۳۔(۲:۱۰۰) یاں صریرِ خامہ، مجھ کو نالۂ جانکاہ ہے

۳۴۔(۱:۴۲۰) نسخۂ سوزشِ دل، درخورِ عنّاب نہیں (۵ شعر اور ۴ مصرعے)

۳۵۔ (۵:۴۵۳) گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

مندرجہ بالا نمبر شمار ۳۲ اور ۳۳ کے دو شعر اصلاحی شکل میں بالترتیب ''نوائے سروش'' اور

''گنجینۂ معنی'' میں آ چکے تھے اس لیے حذف کروائے۔ نمبر ۳۴ پر ۵ اشعار اور ۴ مصرعوں کی نامکمل غزل ''صحت نامہ'' کے مطابق جعلی اور الحاقی قرار پاتی ہے۔ آخری نمبر ۳۵ کا ایک شعر غیر مطبوعہ کلام کے طور پر ''یاد آورد'' میں شامل ہے چونکہ یہ پہلے سے مطبوعہ ہے اس لیے ''استدراک'' کے تحت اسے بھی خارج کروایا گیا ہے۔ اس طرح نمبر ۳۲ سے ۳۵ تک کے ۸ شعر اور چار مصرعے، نسخۂ عرشی طبع ثانی کے متن میں موجود ہیں لیکن ''استدراک'' اور ''صحت نامہ'' کے تحت انھیں حذف کر دینے کے لیے کہا گیا ہے۔ گویا نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن سے ۱۲۰ شعر اور ۳ مصرعے حذف ہوئے اور پھر طبع ثانی کے متن سے ۸ شعر اور ۴ مصرعے حذف ہوئے۔ مرتّب کی تحقیق اور منشا کے مطابق نسخۂ عرشی کی دونوں اشاعتوں میں سے حذف شدہ اشعار کی مجموعی تعداد ۱۲۸ شعر اور ۷ مصرعے بنتی ہے، جن میں سے ۱۱ شعر ''گنجینۂ معنی'' سے، ۱۱۶ شعر اور ۷ مصرعے ''یادگارِ نالہ'' سے اور ایک شعر ''یاد آورد'' سے حذف ہوا۔ اصناف کے لحاظ سے حذف شدہ ان اشعار میں سے، ایک قصیدے کا، دو شعر کا ایک قطعہ، اور ۱۲۵ شعر ۷ مصرعے غزلیات کے ہیں۔

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی کے ان حذف و اضافات کو دیکھیں تو طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی میں ۲۱۷ شعر اور ۵ مصرعے اضافہ ہوئے اور دونوں ایڈیشنوں کے متون میں سے ۱۲۸ شعر اور ۷ مصرعے حذف ہوئے۔ چونکہ حذف و اضافہ کے اس عمل سے نسخۂ عرشی کی دونوں اشاعتوں کے متن میں موجود غالب کے اشعار کی تعداد میں فرق آیا ہے جس کا ذکر طبع اوّل اور طبع ثانی کے متن میں موجود اشعار کے گوشواروں کے بعد کر دیا گیا تھا۔ اس لیے اب ذیل میں ان تمام حذف و اضافات پر عمل کر لینے کے بعد نسخۂ عرشی طبع ثانی میں آنے والے غالب کے کل اشعار کا گوشوارہ پیش کیا جاتا ہے جو مولانا عرشی کی تحقیق اور منشا کے مطابق ہے۔ اس تفصیلی گوشوارے کے ذریعے سے نسخۂ عرشی کے مختلف حصّوں اور مختلف اصناف، نیز غزلیات کی مختلف ردیفوں میں ہونے والے حذف و اضافات کی نشاندہی بھی آسان ہو جائے گی اور ان کی تعداد کا بھی صحیح تعیّن ہو سکے گا۔

نسخۂ عرشی کے اشعار کی واقعی تعداد کا گوشوارہ

حِصّۂ اوّل : گنجینۂ معنی

قصائد: ۳ تعداد اشعار: ۱۴۳

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف:	تعداد غزلیات:	تعداد اشعار:
ا	۵۷	۲۸۴
ب	۲	۱۳
ت	۳	۱۸
ث	۲	۱۴
ج	۲	۱۲
چ	۳	۱۷
ح	۱	۵
د	۵	۳۲
ر	۷	۳۵
ز	۸	۴۶
س	۴	۱۷
ش	۲	۱۲
ع	۱	۵
غ	۲	۱۲
ف	۲	۱۲
ک	۳	۹
گ	۱	۷
ل	۶	۳۶
م	۵	۳۱
ن	۲۹	۱۶۷
و	۷	۴۷

ہ	۸	۵۳
ی	۱۱۸	٦۱۸

کل غزلیات : ۲۷۸ غزلیات کے کل اشعار : ۱۵۰۲

رباعیات : ٦ تعداد اشعار : ۱۲

گنجینۂ معنی میں اصناف اور اشعار کی تعداد :

۳ قصائد ۱۴۳ اشعار

۲۷۸ غزلیات ۱۵۰۲ "

٦ رباعیات ۱۲ "

کل میزان : ۱٦۵۷ "

حِصّۂ دومّ : نوائے سروش

قطعات : ۱٦ تعداد اشعار : ۱۱۵

مثنوی : ۱ " ۳۳

قصائد : ۴ " ۱٦۲

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف :	تعداد غزلیات :	تعداد اشعار :
ا	۴۸	۳۰۵
ب	۱	۱۲
ت	۴	۱۹
ج	۲	۴
ح	۱	٦
د	۱	۹
ر	۹	٦۹
ز	۵	۲۳
س	۱	۷

ش	۱	۲
ع	۲	۸
ف	۱	۲
ک	۲	۱۵
گ	۱	۲
ل	۱	۹
م	۳	۸
ن	۳۳	۲۲۵
و	۱۱	۸۱
ہ	۲	۳
ی	۱۰۵	٦۵۱

کل غزلیات : ۲۳۴ غزلیات کے کل اشعار : ۱۴٦۰

رباعیات : ۱٦ تعداد اشعار : ۳۲

نوائے سروش میں اصناف اور اشعار کی تعداد:

۱٦ قطعات ۱۱۵ اشعار

۱ مثنوی ۳۳ "

۴ قصائد ۱٦۲ "

۲۳۴ غزلیات ۱۴٦۰ "

۱٦ رباعیات ۳۲ "

کل میزان : ۱۸۰۲ "

حِصّہٴ سوِّم : یادگارِ نالہ

قطعات : ۱۳ تعدادِ اشعار : ۷۵

مثنویات : ۴ " ۱۸۰

قصائد : ۴ " ۱۱۰

مرثیہ : ۱ " ۹ (تین بند)

سلام : ۱ " ۲۱

سہرے : ۳ " ۱۸

مخمس: ۱ " ۲۷ (گیارہ بند)

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف :	تعدادغزلیات :	تعداد اشعار :
ا	۱۰	۱۰ شعر، ایک مصرع
ب	۳	۲ شعر، ایک مصرع
ر	۲	۲
س	۱	۱
ط	۱	۱
ک	۲	۱۲
ل	۱	۱
م	۱	۱
ن	۱۱	۳۱
و	۷	۶ شعر، ایک مصرع
ہ	۱	۱۵
ی	۲۶	۵۳ شعر، دوفرد مصرعے

کل غزلیات : ۶۶ غزلیات کے کل اشعار : ۱۳۵ اشعار ۵ فرد مصرعے

رباعیات : ۹ تعداد اشعار : ۱۶ شعر ، ایک مصرع

یادگارِ نالہ میں اصناف اور اشعار کی تعداد:

۱۳ قطعات ۷۵ اشعار
۴ مثنویات ۱۸۰ "
۴ قصائد ۱۱۰ "
۱ مرثیہ ۹ "
۱ سلام ۲۱ "
۳ سہرے ۱۸ "
۱ مخمّس ۲۷ "، ایک مصرع
۶۶ غزلیات ۱۳۵ "، ۵ فرد مصرعے
۹ رباعیات ۱۶ "، ایک مصرع
کل میزان: ۵۹۱ اشعار ، ۷ مصرعے

حِصّہٴ چہارم : بادآورد [۶]

غزلیات کا گوشوارہ:

ردیف:	تعدادغزلیات:	تعداداشعار:
ا	۱۰	۴۳
ج	۱	۱
ر	۲	۷
م	۱	۶
ن	۶	۲۱
و	۱	۵
ہ	۳	۱۴
ی	۲۲	۶۶

کل غزلیات : ۴۶ غزلیات کے کل اشعار : ۱۶۳

رباعیات : ۲ تعداداشعار : ۴

بادآورد میں اصناف اوراشعار کی تعداد:

۴۶ غزلیات	۱۶۳ اشعار
۲ رباعیات	۴ "

کل میزان : ۱۶۷

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے چاروں حِصّوں کی مجموعی تعداد:

گنجینۂ معنی	:	۱۶۵۷ اشعار
نوائے سروش	:	۱۸۰۲ "
یادگارِنالہ	:	۵۹۱ " ۷ مصرعے
بادآورد	:	۱۶۷ "

کل میزان : ۴۲۱۷ اشعاراور ۷ مصرے

حذف و اضافات پر عمل کر لینے کے بعد مندرجہ بالا گوشوارے میں نسخۂ عرشی طبع ثانی کے چاروں حِصّوں ، گنجینۂ معنی، نوائے سروش ، یادگارِ نالہ اور بادآورد، میں آنے والے غالب کے اُردو اشعار کی مجموعی اور واقعی تعداد ۴۲۱۷ شعراور ۷ مصرعے بنتی ہے۔ جو مرتّب کی تحقیق اور منشا کے مطابق ہے۔

حذف و اضافہ کے مطابق نسخۂ عرشی طبع ثانی کے چاروں حِصّوں کے مجموعی اشعار کی واقعی تعداد کے تعین اور گوشوارے کے بعد مجملاً ، اس میں اصناف وار اشعار کی تعداد کا گوشوارہ بھی پیشِ خدمت ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ نسخۂ عرشی کے مطابق غالب نے اُردو میں کل کتنی اصناف میں طبع آزمائی کی اور نسخۂ عرشی کے چاروں حِصّوں میں کون کون سی کتنی اصناف آئیں نیز ہر صنف کے تحت متداول اور غیر متداول غالب کے کل کتنے اشعارے ہیں۔ اس گوشوارے میں اصناف کی ترتیب نسخۂ عرشی کے مطابق ہی رکھی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے اشعار کا اصناف وار گوشوارہ:

اصناف:	در گنجینۂ معنی:	درنوائے سروش:	در یادگارِ نالہ:	در بادآورد:	مجموعی تعداد:
۲۹ قطعات	-	۱۱۵	۷۵	-	۱۹۰
۵ مثنویات	-	۳۳	۱۸۰	-	۲۱۳
۱۱ قصائد	۱۴۳	۱۶۲	۱۱۰	-	۴۱۵
۱ مرثیہ	-	-	۹	-	۹
۱ سلام	-	-	۲۱	-	۲۱
۳ سہرے	-	-	۱۸	-	۱۸
۱ مخمس	-	-	۲۷ شعر ایک مصرع	-	۲۷ شعر ایک مصرع
۴۲۴ غزلیات	۱۵۰۲	۱۴۶۰	۱۳۵ شعر ۵ مصرعے	۱۶۳	۳۲۶۰ شعر ۵ مصرعے
۳۳ رباعیات	۱۲	۳۲	۱۶ شعر ایک مصرع	۴	۶۴ شعر ایک مصرع

کل میزان : ۱۶۵۷ + ۱۸۰۲ + ۵۹۱ شعر ۷ مصرعے + ۱۶۷ = ۴۲۱۷ شعر ۷ مصرعے

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی میں ہونے والی اہم اور صحت مند تبدیلیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ طبع ثانی میں نئے مآخذ کے مل جانے کی وجہ سے کچھ نظموں اور غزلوں کے سالِ فکر کا تعین بھی ممکن ہو سکا ہے۔ چونکہ نسخۂ عرشی کی ایک بڑی اہمیت اس کی تاریخی ترتیب بھی ہے اس لیے پہلے کی نسبت دوسرے ایڈیشن میں تاریخی ترتیب میں ہونے والی تبدیلیوں کی اہمیت ہے جو نسخۂ عرشی طبع ثانی کا امتیاز ہیں۔

طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی میں جن نظموں اور غزلوں کا تاریخی تعین ہوا اور اس وجہ سے ان کے اندراج اور ترتیب میں فرق آیا اُن کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں صفحہ نمبر اور نظموں غزلوں کے نمبر نسخۂ عرشی طبع ثانی کے درج کیے گئے ہیں۔ نشاندہی کے لیے مردّف مصرعے بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

۱۔ (۳۳ : غزل نمبر ۵۷) نہ بھولا اضطرابِ دم شماری ، انتظار اپنا طبع اوّل کے

گنجینۂ معنی میں یہ غزل نمبر ۱۳ کے طور پر درج ہے اور اس کا آخری مآخذ قا (نسخۂ شیرانی ۱۸۲۶ء) ہے لیکن بعد کی تحقیق سے یہ غزل حاشیہ ق (۱۸۳۲ء تک) کی قرار پائی اس وجہ سے اسے موجودہ مقام پر درج کر دیا گیا۔

۲۔ (۱۴۳: قطعہ نمبر ۱۱) سَہل تھا مُسہل ، و لے یہ سخت مشکل آ پڑیطبع اوّل میں ''نوائے سروش'' کے تحت یہ قطعہ نمبر ۱۳ پر درج ہے اور اس کا مآخذ قد (۱۸۵۵ء) بتایا گیا ہے۔ اس سے پہلا قطعہ بھی قد سے لیا ہے۔ طبع ثانی میں بھی اس کا مآخذ قد ہی ہے لیکن بعد کے تحقیق سے نادراتِ غالب (مرتبہ آفاق دہلوی طبع ۱۹۴۹ء) میں شامل غالب کے خط بنام منشی نبی بخش حقیر، مورخہ ۱۷ مارچ ۱۸۵۳ء کے حوالے سے، اس قطعے کے سال فکر کا تعین ہو جانے پر موجودہ نمبر کے تحت شامل کیا گیا ہے۔

۳۔ (۱۹۷: غزل نمبر ۵۲) رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
طبع اوّل میں اس غزل کا مآخذ ق (۱۸۲۱ء) ہے اور نمبر ۵۱ پر درج ہے۔ طبع ثانی میں اس کا مآخذ بھی حاشیہ ق (۱۸۳۲ء تک) قرار پایا تو موجودہ نمبر پر درج کیا گیا۔

۴۔ (۲۲۳: غزل نمبر ۹۵) دل لگا کر، لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا
پہلے یہ حاشیہ ق کے حوالے سے غزل نمبر ۸۹ کے طور پر درج تھی لیکن نسخۂ عرشی (۱۸۲۶ء) میں اس کے وجود سے، یہ یقینی ہو گیا کہ یہ غزل ۱۸۲۱ء کے فوراً بعد کی نہیں بلکہ ۱۸۲۶ء سے ذرا پہلے کی ہے۔ اس وجہ سے ۸۹ کی بجائے ۹۵ نمبر پر درج ہوئی۔

۵۔ (۲۶۹: غزل نمبر ۱۵۷) چشمِ خوباں، خامُشی میں بھی نوا پرداز ہے
یہ غزل بھی طبع اوّل میں آخری مآخذ قا (۱۸۲۶ء) کے حوالے سے نمبر ۱۹۰ پر درج ہے۔ بعد کی تحقیق سے اس کا تعین ہوا کہ یہ ق (۱۸۲۱ء) میں بھی موجود ہے۔ اس لیے اسے ۱۹۰ سے پہلے ۱۵۷ نمبر پر درج کیا گیا ہے۔

۶۔ (۳۰۱: غزل نمبر ۱۹۸) دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے
طبع اوّل میں اس کا قدیم مآخذ گل رعنا (۱۸۲۸ء) تھا اور یہ نمبر ۲۰۰ پر شامل

تھی۔ طبع ثانی کے وقت اس غزل کے قا (۱۸۲۶ء) میں موجود ہونے کا یقین ہو جانے پر اسے پہلے رکھا گیا ہے۔

۷۔ (۳۰۹ : غزل نمبر ۲۰۸) تا ہم کو شکایت کی ،بھی باقی نہ رہے، جا
نسخۂ عرشی طبع اوّل میں دو اشعار کی اس غزل کا مآخذ دیوان غالب کا پہلا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۴۱ء (م) ہے اور یہ غزل نمبر ۲۰۶ کے طور پر شامل ہے۔ بعد میں نسخۂ بدایوں مکتوبہ ۱۸۳۸ء کے مل جانے پر اور اس میں موجود ہونے پر ،طبع ثانی میں اسے غزل نمبر ۲۰۸ کے طور پر رکھا گیا ہے۔

۸۔ (۲۸۶ : غزل نمبر ۱۸۳) سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر
طبع اوّل میں یہ ایک شعر غزل نمبر ۲۱۰ کے طور پر درج ہے اور اس کا مآخذ دیوانِ غالب کا دوسرا مطبوعہ ایڈیشن (۱۸۴۷ء) ہے۔ بعد کی تحقیق سے یہ شعر قا (۱۸۲۶ء) میں نکل آیا تو اسے طبع ثانی میں طبع اوّل کی نسبت پہلے درج کر دیا گیا۔

۹۔ (۳۵۵ : قطعہ نمبر ۸) سلیم خاں کہ وہ ہے نورِ چشم واصل خاں
یہ قطعہ حکیم محمد سلیم خاں کی کتاب ''تکشیفِ حکمت'' کی کتابت کے اختتام کی تاریخ کا ہے جس کا مادۂ تاریخ کا ہے جس کا مادۂ تاریخ ۱۸۶۲ء ہے نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی دونوں میں یہ قطعہ ''تکشیفِ حکمت'' کے حوالے سے درج ہے۔ طبع اوّل میں یہ نمبر ۱۰ پر ہے اور اس سے پہلے کے دو قطعات ''ھندوستان کی بھی ......الخ'' اور ''گڑ گانویں کی ہے......الخ''، نمبر ۸ اور ۹ کے سالِ فکر کا تعین نہیں ہو سکا تھا۔ طبع ثانی میں رسالہ دہلی سو سائٹی کے حوالے سے ان کے سالِ فکر (۱۸۶۶ء سے پہلے) کا تعین ہو جانے پر، طبع ثانی میں یہ نمبر ۱۱ اور ۱۲ پر آ گئے اور مذکورہ قطعہ ۱۸۶۲ء کا ہونے کی بنا پر ان سے پہلے نمبر ۸ پر درج کر دیا گیا۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی میں تاریخی لحاظ سے تبدیل شدہ نظمیں اور غزلیں محض یہی تھیں لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ غزلوں یا اُن کے اشعار کی ترتیب میں پہلے کی

نسبت تبدیلی نظر آتی ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے تبدیل شدہ غزلوں میں سے کچھ ردیف کے سبب بھی تبدیل ہوئی ہیں۔

مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی میں کلام کو تاریخی ترتیب سے درج کرنے کے ساتھ ساتھ ردیف وار بھی رکھنے کی کوشش کی ہے لہٰذا ہر حصّے میں تمام غزلیں ردیف وار ہیں لیکن ہر ردیف کے تحت آنے والی غزلوں کے قافیوں کو نظر انداز کر کے، اُسے تاریخی ترتیب سے مرتّب کیا ہے۔اس طرح ہر ردیف کے تحت آنے والی غزلیں تاریخی ترتیب سے بھی درج ہو جاتی ہیں۔لیکن اس میں یہ بھی احتیاط رکھی ہے کہ ان ردیفوں یا قافیوں کو بغیر ضرورت کے نہیں توڑا گیا۔ اگر ایک ردیف قافیے کی ایک سے زیادہ غزلیں مسلسل ایک جگہ آ رہی ہیں اور اُن کے سال فکر میں بھی کوئی فرق نہیں اور ایک ہی مآخذ سے لی گئی ہیں تو ان کی ترتیب میں ردیف کے ساتھ ساتھ قافیے کے الفاظ کی بنا پر بھی الفبائی ترتیب سے رکھا ہے۔طبع اوّل میں ''نوائے سروش'' میں سے تین غزلیں اس اصول کے خلاف جا پڑی تھیں جنہیں طبع ثانی میں ان کی صحیح جگہ پر رکھا گیا ہے۔مثلاً:

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے حِصّۂ ''نوائے سروش'' میں غزل نمبر ۳۰ یہ ہے:

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا

اس کے بعد غزل نمبر ۳۱ ہے:

خونِ جگر، ودیعتِ مژگانِ یار تھا

ان میں سے پہلی کے قافیے کا آخری حرف ''س'' ہے اور دوسری کا ''ر'' ہے۔ اور ان دونوں کا مآخذ (سالِ فکر) ایک ہی ہے اس طرح مولانا عرشی کے اصول کے مطابق ''ر'' کو ''س'' سے پہلے جانا چاہیے تھا۔ اس وجہ سے طبع ثانی میں درست طور پر ''مژگانِ یار تھا'' کو پہلے رکھا گیا ہے۔

اسی طرح طبع اوّل میں نوائے سروش کی غزل ۱۳۲ ہے:

بساطِ عجز میں تھا ایک دل، یک قطرہ خوں وہ بھی

اور اس کے بعد ہے:

غمِ دنیا سے، گر پائی بھی، فرصت سر اُٹھانے کی

مولانا عرشی نے چونکہ بھ، تھ، جھ کو ''ہ'' ہی کے تحت رکھا ہے اس حساب سے ''بھی'' ردیف

کو ''کی'' کے بعد آنا چاہیے تھا جیسا کہ طبع ثانی میں کر لیا گیا ہے۔ طبع اوّل میں اس طرح کی ایک تیسری غزل نمبر ۱۴۷ (نوائے سروش) اور ۱۴۸ میں بھی اس اصول سے صرفِ نظر ہو گیا تھا جسے طبع ثانی میں درست کر لیا گیا۔ ''نوائے سروش'' میں سے یہ ایسی مثالیں اس لیے درج کی ہیں کہ دونوں ایڈیشنوں میں اس حصّے سے کوئی شعر یا غزل اضافہ یا حذف نہیں ہوئے اس وجہ سے بظاہر طبع اوّل کی نسبت ترتیب میں بھی کچھ فرق نہ آنا چاہیے تھا لیکن محض ان تین مثالوں کے علاوہ اس نوعیت کی کوئی اور مثال ''نوائے سروش'' کے تحت نہیں۔ البتہ غزلوں کی ترتیب تبدیل ہونے کا عمل ''گنجینۂ معنی'' اور ''یادگارِ نالہ'' کے تحت زیادہ ہے۔ اور وہاں بڑا سبب ان حصّوں میں سے کلام کا حذف و اضافہ ہے۔ اس لیے ردیف کی وجہ سے تبدیل ہونے والی مثالیں اُن حصّوں سے نہیں دی گئیں۔

''گنجینۂ معنی'' کے تحت کچھ غزلوں کی تعداد اور ترتیب میں اس وجہ سے بھی فرق آیا ہے کہ طبع اوّل میں موجود غزل نمبر ۴ اور غزل نمبر ۷، دونوں کو طبع ثانی میں دو دو غزلوں میں تقسیم کیا ہے گویا طبع اوّل میں یہ کسی وجہ سے ایک ایک غزل کے طور پر درج ہو گئی تھیں لیکن طبع ثانی کے وقت، نسخۂ شیرانی کے تفصیلی مطالعے کے بعد ان کو درست طور پر الگ الگ درج کر دیا گیا ہے کیونکہ نسخۂ شیرانی میں یہ اسی طرح ہیں۔

غزلوں کی ترتیب کے علاوہ ایک غزل میں اشعار کی ترتیب کے لحاظ سے بھی نسخۂ عرشی طبع ثانی، طبع اوّل کی نسبت مختلف ہے۔ ایسی تبدیلی زیادہ تر ''گنجینۂ معنی'' ہی کے تحت آئی ہے۔ کسی غزل میں ایک یا دو اشعار کی ترتیب میں تبدیلی تو کئی جگہ ہوئی ہے لیکن چند غزلوں کے تمام اشعار ترتیب کے لحاظ سے طبع ثانی میں، طبع اوّل کی نسبت مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل میں طبع ثانی کے گنجینۂ معنی کی غزل نمبر ۱۰۰ درج کی جاتی ہے اور اس کے مقابل نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ترتیب اشعار کو نمبروں سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی: گنجینۂ معنی، غزل نمبر ۱۰۰

ترتیبِ اشعار در نسخۂ عرشی طبع اوّل

نامہ بھی لکھتے ہو، تو بخطِّ غبار، حیف!!
رکھتے ہو مجھ سے اتنی کُدورت، ہزار حیف! (۱)
بیش از نَفَس، بتاں کے کرم نے وفا نہ کی

تھا محملِ نگاہ بدوشِ شرار ، حیف! (۵)
تھی میرے ہی جلانے کو، اے آہِ شعلہ ریز
گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار، حیف! (۳)
گل ، چہرہ ہے کسو خفقانی مزاج کا
گھبرا رہی ہے بیم خزاں سے بہار، حیف! (۲)
ہیں میری مشتِ خاک سے اُس کو کُدورتیں
پائی جگہ بھی دل میں، تو ہو کر غبار، حیف! (۴)
بنتا ، اسدؔ ، میں سرمۂ چشمِ رکابِ یار
آیا نہ میری خاک پہ وہ شہسوار، حیف! (۶)

طبع ثانی میں اس غزل کے اشعار کی ترتیب نسخۂ بھوپال کے مطابق ہے۔ (نسخۂ حمیدیہ اوّل، ۱۹۲۱ء اور نسخۂ حمیدیہ دوم، ۱۹۶۹ء سے اس کا اندازہ ہوا) لیکن طبع اوّل میں ترتیب اشعار نسخۂ شیرانی (عکسی اشاعت ۱۹۶۹ء سامنے ہے) کے مطابق تھی۔ گویا مولانا عرشی نے گنجینے کی غزلوں کی ترتیبِ اشعار کو طبع ثانی میں، نسخۂ بھوپال کے مطابق کرنا زیادہ مناسب سمجھا ہے (کہیں ایسا نہیں بھی ہوا جس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا)۔ اس غزل کے علاوہ طبع ثانی میں، گنجینے کی غزل نمبر ۱۰۱، ۱۷۷، ۲۴۸ اور ۲۴۹ میں بھی ترتیب اشعار کے لحاظ سے یہی فرق ہے کہ طبع اوّل میں یہ سب تقریباً نسخۂ شیرانی کے مطابق مگر طبع ثانی میں نسخۂ بھوپال کی پیروی کی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی کے مآخذ بڑھنے کی وجہ سے اشعار کا بھی اضافہ ہوا اور اس نسبت سے اختلاف نسخ بھی بڑھے اور پھیلے۔ نئے مآخذ ملنے سے اختلافِ نسخ کا بڑھنا تو فطری تھا۔ ان کے علاوہ طبع ثانی کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ مولانا عرشی نے طبع اوّل میں استعمال ہونے والے مآخذ پر نظرِ ثانی کرتے وقت طبع ثانی میں پہلے کی نسبت زیادہ اختلافِ نسخ دیے اور کچھ خارج بھی کیے۔ گویا پہلے ایڈیشن میں سہواً کچھ اختلافات درج ہونے سے رہ گئے تھے اور کچھ بے محل درج ہو گئے تھے۔ طبع ثانی میں جن کی تصحیح مولانا عرشی کی دیدہ ریزی کا بین ثبوت ہے۔

ذیل میں طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی میں اضافہ ہونے والے اور خارج ہونے والے،

صرف وہ اختلافِ نسخ دیئے جا رہے ہیں جن کے مآخذ طبع اوّل کی ترتیب کے وقت مولانا عرشی کے پیشِ نظر تھے لیکن سہواً یہ درج ہونے سے رہ گئے پھر طبع ثانی کی ترتیب کے وقت مولانا عرشی نے ان پر نظر ثانی کی اور اضافہ کیے یا خارج کیے (طبع ثانی میں نئے مآخذ کے ذریعے اضافہ ہونے والے اختلافات ان کے علاوہ ہیں جن کا ذکر نہیں کیا جا رہا)۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل کی ترتیب و تدوین اور طباعت کے دوران میں، نسخۂ شیرانی کے ملنے کی وجہ سے مولانا عرشی اس سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے طبع ثانی میں نسخۂ شیرانی کے حوالے، طبع اوّل کی نسبت زیادہ تر مختلف ہیں۔ لہٰذا نسخۂ شیرانی کو بھی طبع ثانی میں ایک طرح سے نیا مآخذ سمجھ کر الگ رکھا ہے۔ طبع ثانی میں اضافہ ہونے والے یا خارج ہونے والے یہ اختلافات صرف متد اول حصّے ''نوائے سروش'' کے ابتدائی چند اوراق سے دیے جائیں گے کیونکہ دوسرے حِصّوں میں اشعار کے حذف و اضافہ کی وجہ سے التباس پیدا ہوگا۔

یہاں صفحہ نمبر، شعر نمبر اور مصرع، نسخۂ عرشی طبع ثانی کا دیا جا رہا ہے اور اس کے بالمقابل اضافہ ہونے والے اہم اختلافِ نسخ درج ہیں جو طبع ثانی کے انھیں متعلقہ صفحات پر درج ہیں۔ لیکن طبع اوّل میں یہی مآخذ موجود ہونے کے باوجود مفقود ہیں۔

۱۳۱ : ۱ الف	ہے جو صاحَب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی	قب، ہے کف دست پہ صاحب کے جو
۱۳۱ : ۴ الف	مِسی آلودہ سر انگشتِ حسیناں لکھیے	قب، حسینا (سہو کاتب)
۱۳۳ : ۲ ب	وہ نازنیں بُتانِ خود آرا کہ ھائے! ھائے!	قب، ناز بتان (سہو کاتب)
۱۳۳ : ۳ الف	صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ حَف نظر!	قب، حیف (سہو کاتب)
۱۳۴ : ۱ (قطعہ نمبر ۴)	نہ پوچھ اس کی حقیقت، حضورِ والا نے	قج، مب، بے عنوان
۱۳۴ : ۳ (قطعہ نمبر ۵)	اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مِثل و نظیر	قد، مب، ھج اور مد میں عنوان ہے، قطعات
۱۳۵ : ۳ الف	تیری دانش، مری اصلاحِ مفاسد کی رَہین	آخرما، انجاح مفاسد (سہو کاتب)
۱۳۶ : ۲ ب	ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے	قج، مب، کسو۔ قد میں بھی کاتب نے ''کسو'' لکھا تھا۔ غالب نے واو چھیل کر اپنے قلم سے ''ی'' لکھی ہے۔

۱۳۷: ۳ب	ہوئی میری وہ گرمیِ بازار	قد ، مب ، گرمئ
۱۳۸: ۱۳ الف	رسم ہے، مردے کی چھماہی ایک	مج ، چھ ماہی (بہ فتح چھ)
۱۶۱: ۷ الف	ڈھانپا کفن نے داغِ عُیوبِ برہنگی	لط ، بہرھنگی (سہوِ کاتب)
۱۶۱: ۹ الف	کہتے ہو: "نہ دیں گے ہم، دل اگر پڑا پایا"	لط ، کہتے ہیں (سہوِ کاتب)
۱۶۳: ۴ الف	تھی نو آموز فنا، ہمتِ دشوار پسند	ما ، دشواری شوق
۱۶۵: ۷ الف	ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا	مج ،لط ،خوننابہ (سہوِ کاتب)
۱۶۵: ۸ ب	تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر، گو بیتاب تھا	مج ،غیر کو (سہوِ کاتب)
۱۶۵: ۱۱ الف	کچھ نہ کی اپنی جنونِ نارسانے، ورنہ یاں	ح ،لط ،اپنے (سہوِ کاتب)
۱۶۶: ۵ الف	زکوٰۃِ حسن دے، اے جلوۂ بنیش، کہ مہر آسا	قد، مب، مج ، مد ، زکات
۱۶۹: ۳ الف	دل اس کو، پہلے ہی ناز و ادا سے، دے بیٹھے	م ، "ہی" ندارد
۱۶۹: ۴ ب	مری نگاہ میں ہے جمع و خرج دریا کا	ما ، خرچ
۱۷۱: ۹ ب	عافیت کا دشمن، اور آوارگی کا آشنا	م ۔ عاقبت

نسخۂ عرشی طبع ثانی میں اضافہ ہونے والے مندرجہ بالا اختلافِ نسخ، نسخۂ عرشی طبع اوّل میں درج نہیں ہو سکے تھے۔ باوجود اس کے کہ یہ تمام مآخذ اس وقت مولانا عرشی کے پیشِ نظر تھے۔ ان میں سے، م (دیوان غالب پہلا ایڈیشن ۱۸۴۱ء، عکسی اشاعت از گپتا رضا) ما (دیوانِ غالب دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۷ء) مج (دیوانِ غالب چوتھا ایڈیشن ۱۸۶۲ء عکسی اشاعت از گپتا رضا) اور ح (نسخۂ حمیدیہ ۱۹۲۱ء) میرے پیشِ نظر ہیں جن سے تصدیق کر لی ہے کہ ان کے مذکورہ اختلافات پہلی بار طبع ثانی ہی میں آئے ہیں۔

اس نوعیت کے اضافہ ہونے والے اور خارج ہونے والے اختلاف نسخ کا سلسلہ وسیع ہے اور یہ بہت پھیلے ہوئے ہیں جو نسخۂ عرشی طبع ثانی کی ترتیب و تدوین پر مولانا عرشی کی توجہ، محنت، جانکاہی اور دیدہ ریزی کی مثال ہیں اور اس بات کی دلیل بھی کہ ایسی دیدہ ریزی اور باریک بینی کا وسیع کام مولانا عرشی ہی کی محنت کا ثمر ہے۔

نسخۂ عرشی میں دو طرح کی علامتوں سے کام لیا گیا ہے ایک تو بنیادی اور ثانوی مآخذ کے لیے مختلف کتب، مخطوطات اور رسائل وغیرہ کے ناموں کی مختصر علامات وضع کی گئی

ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری قسم کی علامتیں وہ ہیں جن کے ذریعے سے متن کے مندرجات کو سمجھانا مقصود ہے۔ مثلاً طبع اوّل میں اس دوسری نوعیت کی علامتوں میں سے ایک یہ تھی کہ ''گنجینۂ معنی'' کی بعض نظموں غزلوں کے درمیان نقطہ دار لکیر ہے جس کا مطلب ''شرح غالب'' (ص: ۳۱۶) کے تحت یہ بتایا تھا کہ یہاں سے اشعار نکال کر متداول میں شامل ہوئے ہیں۔ طبع اوّل ایک میں دوسری علامت ''گنجینۂ معنی'' اور ''نوائے سروش'' کے تحت آئی تھی کہ کچھ اشعار کے درمیان میں پھول کا نشان (۞) ہے۔ ''شرح غالب'' (ص: ۳۱۸) ہی کے تحت اس کی وضاحت بھی کر دی گئی کہ اس نشان کا مطلب ہے کہ یہ شعر بعد کا اضافہ ہے۔ طبع ثانی میں ان دونوں علامتوں کو بھی برقرار رکھا ہے اور ان کے علاوہ مزید تین علامتیں بھی استعمال ہوئی ہیں۔ جن کے بارے میں مقدمے میں لکھا ہے:

> ''بہت سے اشعار کے دائیں یا بائیں گ یا خ یا گخ لکھا ہوا ملے گا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اشعار گلِ رعنا (۱۸۲۸ء) یا انتخاب غالب (۱۸۶۶ء) یا ان دونوں میں پائے جاتے ہیں''۔
>
> (مقدمہ طبع ثانی ص: ۱۵۷)

گویا یہ تین علامتیں نسخۂ عرشی طبع ثانی میں اضافہ ہوئیں جن کے ذریعے سے اشعار کے اندراج کو سمجھنے اور اُن کے سالِ فکر کا اندازہ لگانے میں آسانی اور سہولت پیدا ہو گئی ہے۔

املا اور رسم الخط کے لحاظ سے بھی نسخۂ عرشی طبع ثانی کو طبع اوّل کی نسبت بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً طبع اوّل میں مولانا عرشی نے متن کے علاوہ دیباچے اور اپنی دیگر نثروں میں بھی یائے مجہول (ے) کی جگہ اکثر یائے معروف (ی) ہی کا استعمال کیا تھا اور قدیم رسم الخط کے مطابق متن کے علاوہ اپنی تمام نثروں میں بھی جگہ جگہ لفظوں کو ملا کر لکھا تھا۔ طبع ثانی میں بڑی حد تک اس روش کو ختم کیا گیا ہے اور اپنی نثروں کو مروجہ رسم الخط کے مطابق کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ متن کی املا میں بھی کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں مثلاً:

طبع اوّل کے دیباچے میں اور پھر ''شرح غالب'' یا ''اختلافِ نسخ'' کے تحت جگہ جگہ املا اور رسم الخط کا تعین کیا تھا کچھ الفاظ میں غالب کے املا کی پیروی کا ذکر اور کچھ میں مروجہ املا کے اختیار کرنے کا ذکر (جن کا تذکرہ پچھلے باب میں آ چکا ہے) طبع اوّل میں جن الفاظ کے املا یا رسم

الخط کا تعین کیا تھا وہ صرف یہ تھے: نشّہ، خرشید، غلتیدن، یاں، واں [۸]، ذ اور ز، ہ اور ی۔ ان کے علاوہ طبع ثانی میں مزید جن الفاظ وحروف کے املا، تلفظ یا رسم الخط کا، مقدمے کے علاوہ دیگر مقامات پر تعین کیا گیا ہے وہ ذیل میں ملاحظہ ہوں:

صاحَب: ''یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور ح کے زیر کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ اُردو میں اس کا تلفّظ حائے مکسور اور مفتوح دونوں سے ملتا ہے۔ مگر خود میرزا صاحب نے ایک غزل میں اسے لب اور رب کا ہم قافیہ لکھا تھا۔ اس لیے میں نے یہاں ح پر زبر لگا دیا ہے''۔ (نسخۂ عرشی طبع ثانی متن، ص: ۱۳۱)

پانو: ''غالب کا املا پانو ہے، اس لیے آیندہ بغیر اختلاف ظاہر کیے غالب کا املا اختیار کیا گیا ہے''۔ (طبع ثانی متن، ص: ۱۳۴)

ہ اور ھ: ''تجھ اور مجھ کے مرکبات آیندہ بھی (آخر 'ما' میں) جگہ جگہ بے ہ کے لکھے گئے ہیں اس لیے اس اختلاف کو نظر انداز کر کے ہر جگہ ھ کے ساتھ لکھا گیا ہے''۔ (طبع ثانی، متن، ص، ۱۳۴)

وَداع: اس لفظ کے تلفّظ کا تعین ''صحت نامہ'' صفحہ ۴۷۵ کے تحت کیا ہے کہ ''تمام جگہ'' وَداع کر لیں۔

گویا املا اور تلفظ وغیرہ کے سلسلے میں پہلے کی نسبت زیادہ الفاظ وحروف کا تعین نسخۂ عرشی طبع ثانی میں کیا گیا ہے۔ جو املا کے مسائل کے بارے میں مولانا عرشی کی سنجیدگی اور احتیاط کا ثبوت ہے۔

پچھلے باب میں نسخۂ عرشی طبع ثانی کے تعارف کے تحت اس کے ظاہری اور صوری حسن یا خوبیوں اور امتیازات کا ذکر کیا گیا تھا جو اسے طبع اوّل کی نسبت ممتاز کرتے ہیں۔ اس چوتھے باب میں طبع اوّل اور طبع ثانی کے موازنے سے نسخۂ عرشی کے باطنی اور معنوی خصائص کی نمایاں اور ضروری مثالیں درج کی گئی ہیں جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے جتنی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے وہ اُنہیں کو زیبا تھا کسی دوسرے کے بس کا روگ نہیں ہے۔

اپنی تحقیق کو زیادہ سے زیادہ معتبر اور مستند بنانے کے لیے مولانا عرشی نے بے شمار بنیادی

اور ثانوی مآخذ تک رسائی حاصل کی اور اُن کی چھان پھٹک کی ہے۔طبع اوّل اور طبع ثانی کے حواشی کا موازنہ کیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عرشی نے جہاں پہلے ایڈیشن میں کسی نظم یا غزل کو کسی ایک مآخذ کے ذریعے شامل کیا تھا اب طبع ثانی میں اس کے متعدد مآخذ مزید تلاش کیے اور اُن کے اختلافات کے پیشِ نظر متن کو معتبر بنانے کی کوشش کی۔

تحقیق و تلاش کے ذریعے سے مولانا عرشی نے طبع اوّل کے ضعیف اور غیر معتبر حوالوں کو خارج کیا اور مشتبہ کلام کو بھی تحقیق و تفتیش کے بعد الحاقی قرار دے کر حذف کیا۔ اس کے برعکس نئے اور معتبر مآخذ و حوالے تلاش کر کے غالب کے نئے اشعار اضافہ بھی کیے۔تاریخی ترتیب کے لحاظ سے بھی نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن پہلے کی نسبت زیادہ قدر و قیمت اور اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے۔ اختلاف نسخ اور حواشی بھی طبع اوّل کی نسبت زیادہ مفید مطلب بنائے گئے ہیں گویا نسخۂ عرشی طبع ثانی تدوینِ متن اور کلام کی تاریخی ترتیب ہر دو لحاظ سے طبع اوّل کی نسبت زیادہ مستند اور مثالی بن گیا ہے۔مولانا عرشی کا معیارِ تحقیق و تدوین بھی پہلے کی نسبت بلند تر نظر آتا ہے اور زبان و بیان کی تبدیلیوں کے ذریعے سے بھی طبع ثانی میں پہلے کی نسبت اُن کا اسلوبِ تحقیق پختہ واضح اور غیر مبہم ہو گیا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے ان خصائص اور امتیازات کی وجہ سے یہ اس لائق ہے کہ آئندہ تحقیقاتِ غالب کے سلسلے میں ہمیشہ اس دوسرے ایڈیشن کو پہلے پر ترجیح دی جائے۔ معیار کے لحاظ سے بھی اور اصول تحقیق و تدوین کے لحاظ سے بھی کہ یہ مولانا عرشی کی زندگی میں اور ان کی نگرانی میں مکمل ہونے والا آخری ایڈیشن ہے۔

حواشی اور حوالہ جات

۱۔۲۔ نسخۂ عرشی زادہ (بیاضِ غالب) اپریل ۱۹۶۹ء میں دریافت ہوا اور مئی ۱۹۶۹ء میں مولانا عرشی کے پاس پہنچا۔ نسخۂ حمیدیہ (دوّم) مرتبہ، حمید احمد خاں، مئی ۱۹۶۹ء میں لاہور سے طبع ہوا، چونکہ اس وقت تک نسخۂ عرشی طبع ثانی کا متن چھپ چکا تھا اس لیے یہ دونوں مآخذ اختلافِ نسخ میں شامل نہیں ہیں۔عرشی زادہ نے آخر میں ''استدراک'' کے تحت ان کے اختلاف درج کیے ہیں۔

۳۔ عرشی زادہ نے ''ضمیمۂ نسخۂ عرشی'' (نقوش، نومبر ۱۹۶۴ء) کے تحت دو طرح کا کلام شائع کروایا تھا۔ ایک تو وہ جو اُن کے نزدیک غالب کا کلام ہے اور نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہونا چاہیے۔ دوسرا، آسی کی ۶ غزلیں اور ایک شعر جو نسخۂ عرشی طبع اوّل میں سہواً درج ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس وقت تک یہ تعیّن ہو چکا تھا کہ آسی والی غزلیں الحاقی ہیں لیکن ان کے بیان کے مطابق نسخۂ عرشی طبع ثانی میں مولانا عرشی ایسے تمام الحاقی کلام کو بھی آخر میں جمع کر دینا چاہتے تھے تا کہ آئندہ کے لیے یہ طے ہو جائے کہ مولانا عرشی کے نزدیک الحاقی کلام کون سا ہے۔ اس لیے عرشی زادہ نے آسی کی غالب سے منسوب ان غزلوں کو بھی ضمیمے میں شامل کر لیا۔ عرشی زادہ کے نزدیک نسخۂ عرشی طبع ثانی میں شامل کرنے کے قابل، غالب کے ۳۲ شعر ۶ مصرعے اور دو تضمینیں ہیں، جو انھوں نے ضمیمے میں شامل کی ہیں۔ ان میں سے ۸ شعر تو وہی ہیں جو نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ''شرحِ غالب'' اور ''غلط نامہ'' کے تحت درج کروا دیے گئے تھے۔ باقی میں سے ۱۸ شعر اور ۵ مصرعے طبع ثانی میں اضافہ ہوئے اور ۶ شعر اور ایک مصرع مولانا عرشی کی نزدیک الحاقی ٹھہرا اور طبع ثانی میں اضافہ نہ کیا گیا۔ دونوں تضمینیں بھی ضمیمے کی اشاعت کے بعد الحاقی قرار پائیں (ایک تضمین ''دمِ چندرہا'' بیاض غالب کی دریافت پر غالب کی قرار پائی اور طبع ثانی میں شامل ہوئی) چونکہ اس باب میں مختلف اوقات میں نسخۂ عرشی طبع ثانی میں اضافہ شدہ کلام درج کیا جا رہا ہے۔ اس لیے ''ضمیمے'' کے تحت اضافہ شدہ کلام کی نشاندہی یہاں حاشیے میں کی جا رہی ہے کیونکہ اس کے تحت آنے والے تمام اشعار شامل نہیں ہو سکے تھے اس وجہ سے وہاں بے ترتیبی پیدا ہونی تھی۔ ''ضمیمے'' میں سے ۶ شعر، ایک مصرعہ اور ایک تضمین جو شامل نہ ہوئے، اُن کا پہلا مصرع ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

ضمیمہ، ص: ۱۹۰ اے اہلِ بزم، کوئی تو بولو خُدا لگی (ایک مصرع)
" ص: ۱۹۵ شاہا، تجھے بادولت و بختِ فیروز (قطعہ ۲ شعر)
" ایضاً عید آئی ہے دلِ اہلِ زمانہ شاد ہے (قطعہ ۲ شعر)
" ایضاً گلشنِ دہر میں بسنت آئی (قطعہ ۲ شعر)
" ص: ۱۹۷ واہ وا! شرطِ محبت ہے یہی (تضمین برغزلِ سعدی)

''ضمیمے'' کو نسخۂ عرشی کا جزو سمجھتے ہوئے اس میں سے، طبع ثانی میں شامل نہ ہونے والے کلام کو یہاں اس لیے بھی درج کر دیا گیا ہے کہ یہ کلام طبع اوّل میں اضافہ ہوا نہ طبع ثانی میں، ضمیمے میں آیا اور یہیں رہ گیا۔ اب اسے نسخۂ عرشی سے حذف ہونے والے کلام میں بھی شامل

نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ ''شرح غالب'' کے تحت کل ۱۵ شعر اضافہ کروائے تھے۔لیکن ان میں سے ایک شعر ''طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا......الخ''، جو ''شرح غالب'' کے صفحہ ۳۲۰ پر ''گنجینۂ معنی'' میں اضافہ کروایا تھا، ''غلط نامہ'' میں پھر اسے خارج کرنے کے لیے کہہ دیا کیونکہ یہ شعر ''یادگار نالہ'' کے تحت صفحہ ۳۰۵ پر آ رہا تھا۔ اس طرح یہ تعداد ۱۴ رہ جاتی ہے۔

۵۔ آسی کی غزلوں کو الحاقی قرار دینے کے سلسلے میں، مولانا عرشی کی پہلی مطبوعہ تحریر، نادم سیتا پوری کے نام ۵-جون ۱۹۶۴ء کو لکھا گیا خط ہے: ''آسی الدّنی کے حوالے سے شائع شدہ تمام غزلیں قطعاً جعلی ہیں۔ اب اس میں مطلق شبہ کی گنجائش نہیں............'' [غالب کے کلام میں الحاقی عناصر، نادم سیتا پوری، (کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س۔ن)، ص ۱۷۶]

۶۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی کے اس چوتھے حصّے ''بادآورد'' میں شامل کلام، اصل میں ''گنجینۂ معنی'' کے تحت آنا تھا لیکن بیاضِ غالب کے دریافت ہونے تک گنجینہ چھپ چکا تھا اس لیے یہ حِصّہ چہارم بنایا گیا۔ نسخۂ عرشی کی پیروی میں اس حصّے کے کلام کو الگ ہی رکھا گیا ہے تا کہ انتشار اور التباس نہ پیدا ہو۔ نیز بیاضِ غالب کی دریافت کے بعد اندازہ ہوا کہ ''یادگارِ نالہ'' کے تحت طبع ہو جانے والے دو شعر بھی اس میں موجود ہیں اصولاً انھیں بھی ''گنجینۂ معنی'' یا ''بادآورد'' کے تحت آنا چاہیے تھا۔ لیکن یہاں بھی نسخۂ عرشی کی پیروی میں اُنہیں ''یادگارِ نالہ'' ہی کے تحت رکھا ہے۔

۷۔ نسخۂ عرشی میں غالب کے کل اُردو اشعار کی اس مجموعی تعداد میں وہ اشعار یا مصرعے بھی شامل ہیں جنہیں غالب نے تضمین کر کے اپنا بنا لیا ہے۔

۸۔ مولانا عرشی کی تحقیق کے مطابق ان الفاظ کے بارے میں غالب کی آخری اصلاح یاں اور واں ہی ہے اس لیے مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی دونوں میں ان الفاظ کے املا میں غالب کی پیروی کی ہے۔ طبع اوّل میں ''گنجینۂ معنی'' کی پہلی غزل کے پہلے شعر ''آتشیں پا ہوں...... الخ'' کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''یاں'' آنے پر ''شرح غالب'' کے تحت اس کی وضاحت کی تھی۔ لیکن طبع ثانی میں شعرِ مذکور کے حذف کیے جانے پر یہ حاشیہ بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ اصولاً اس حاشیے کو کسی اور جگہ اس لفظ کے تحت درج کر لینا چاہیے تھا۔ کیونکہ اب اس لفظ کے املا کے بارے میں نسخۂ عرشی طبع ثانی کے متن کے کسی حاشیے میں یہ وضاحت نہیں البتہ متن درست طور پر اس کے مطابق ہی ہے۔

چوتھا باب

نسخۂ عرشی کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ (۱)

o نسخۂ عرشی کے مقدمے کی فروگزاشتیں

O کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب

O نسخۂ عرشی کا بنیادی متن

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن بہت سی مثبت تبدیلیوں کا حامل ہے ،جس وجہ سے، اسے پہلے ایڈیشن پر فوقیت حاصل ہونا چاہیے۔ اس کے پہلے ایڈیشن میں متعدد مقامات محلِ نظر تھے، جن میں سے بیشتر کو دوسرے ایڈیشن میں درست کر لیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس دوسرے ایڈیشن کا بہ نظرِ غائر اگر تفصیلی مطالعہ کیا جائے یا اس کے بعض مقامات کو، تنقیدی نقطۂ نظر سے دیکھا اور پرکھا جائے تو اب بھی متعدد محلِ نظر اور اصلاح طلب پہلو اس میں موجود ہیں۔ نسخۂ عرشی کے تحقیقی اور تنقیدی جائزے کے حِصّہ اوّل پر مشتمل اس باب میں، اس کے محلِ نظر مقامات کو تین ذیلی حِصّوں میں تقسیم کر کے زیرِ بحث لایا جائے گا۔ پہلے

حصّے میں، نسخۂ عرشی کے مقدمے کی کچھ فروگزاشتوں کی نشاندہی یا تصحیح کی جائے گی۔ دوسرے ذیلی حصّے میں نسخۂ عرشی کی تاریخی ترتیب کا جائزہ پیش کرنا مقصود ہے اور تیسرے حصّے میں نسخۂ عرشی کے، مختلف حِصّوں میں آنے والے کلام کے بنیادی متن کا تعین اور اس کی تائید و تردید پر مبنی مباحث کا احاطہ کیا جائے گا۔

۞

نسخۂ عرشی کا مقدمہ بے بہا معلومات کا خزینہ اور اصولِ تدوین کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کو بنیاد اور مثال بنا کر تدوین کے اصول وضع ہوتے ہیں کہ کسی تدوین شدہ متن کے مقدمے کو کیسا ہونا چاہیے۔ نسخۂ عرشی کے مقدمے کی بے بہا خوبیاں گنوانے کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کا اندازہ اس کے مطالعے سے کیا جا سکتا ہے یا پھر اصولِ تحقیق و تدوین پر لکھی گئی کتب کے مطالعے سے کیا جا سکتا ہے کہ ان میں نسخۂ عرشی یا اس کے مقدمے کے ذریعے سے کیسے کیسے اصول وضع کیے گئے اور اسے بطور نمونہ اور بطور سند پیش کیا گیا۔ یہاں اس حِصّہ میں اس کے کچھ محلِ نظر مقامات زیرِ بحث لائیں جائیں گے جن کے ذریعے سے یہ مقدمہ مزید مفید مطلب بن سکتا ہے۔ مولانا عرشی مقدمے میں ''مقدارِ انتخاب'' کے تحت لکھتے ہیں:

> ''میرزا صاحب نے قدیم دیوان کے تین قصیدوں میں سے دو انتخاب میں شامل کر لیے ہیں۔ اُن کے اشعار کی تعداد ۱۷۷ تھی۔۔ اس میں سے ۵۱ شعر آج بھی منتخب دیوان کے اندر موجود ہیں''۔
>
> (مقدمہ، ص: ۲۵)

یہاں ''قدیم دیوان'' سے نسخۂ بھوپال اور ''انتخاب'' سے نسخۂ رام پور قدیم (۱۸۳۳ء) مراد ہے۔ یہ انتخاب (۱۸۳۳ء) ، وہ اصل یا اس کی نقل ہے، جو غالب نے اشاعت کے لیے منتخب کیا اور شروع میں فارسی دیباچہ لکھا۔

نسخۂ بھوپال کے جن دو قصیدوں کے اشعار کی تعداد، مولانا عرشی نے ۱۷۷ بتائی ہے، نسخۂ حمیدیہ (اوّل ۱۹۲۱ء) کے متن میں، ان دو قصیدوں کے ۱۷۷ شعر ہی ہیں، لیکن ان میں سے انتخاب میں آنے والے اشعار کی تعداد ۵۱ کی بجائے ۶۰ ہے (جو مولانا عرشی کے، اس ''انتخاب'' (۱۸۳۳ء) کے اشعار کے گوشوارے (مقدمہ، ص: ۱۰۲) کے بھی مطابق ہے)۔ مولانا عرشی کا یہ سہو، مفتی انوار الحق کے سہو پر مبنی ہے۔ مفتی صاحب، نسخۂ حمیدیہ کی تمہید

میں لکھتے ہیں:

''پہلا قصیدہ ۱۱۰ شعروں کا ہے، دوسرا ۶۷ کا اور تیسرا ۲۹ کا، لیکن مروّجہ دیوان میں صرف پہلے اور دوسرے قصیدے کے ۲۸ اور ۲۳ شعر شائع ہوئے ہیں''۔ (نسخۂ حمیدیہ، ۱۹۲۱ء، ص: ۸)

مولانا عرشی نے، مفتی صاحب کی اس تمہید کو سامنے رکھا اور ۲۸ + ۲۳ کے مجموعے کو ۵۱ لکھ دیا۔ یہاں دوسرے قصیدے میں سے منتخب ''۲۳ شعر'' سہو کتابت ہے۔ مفتی صاحب نے ۳۳ لکھا ہوگا جو ۲۳ چھپ گیا، کیونکہ نسخۂ حمیدیہ میں اس دوسرے قصیدے کے، م کے نشان والے (متداول) اشعار ۳۳ ہی ہیں۔ اب، پہلے قصیدے سے منتخب ہونے والے ۲۸ اور دوسرے سے ۳۳ کی مجموعی تعداد ۶۱ بنتی ہے لیکن یہ بھی درست نہیں۔

زیر بحث دوسرے قصیدے کا شعر'' دہر جز جلوۂ، الخ''، مولانا عرشی کے مطابق ''انتخاب'' (۱۸۳۳ء) میں نہیں ہے اور پہلی بار نسخۂ بدایوں (۱۸۳۸ء) میں آیا ہے (طبع ثانی ص: ۱۵۰)۔ اس طرح نسخۂ بھوپال میں سے ان دو قصیدوں کے ۱۷۷ اشعار میں سے انتخاب میں آنے والے ۵۱ ہیں نہ ۶۱ بلکہ ۶۰ ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند، مولانا عرشی کا محولا بالا محل نظر اقتباس درج کرنے کے بعد، ایک مختصر گوشوارے میں، نسخۂ بھوپال کے تینوں قصیدوں کی مجموعی تعداد، ان میں سے قلم زد ہونے والے اور انتخاب میں آنے والے اشعار کی تعداد درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ تعداد (نسخۂ عرشی کی) صحیح نہیں۔ صحیح صورتحال یہ ہے:

قصیدہ	کل اشعار	قلم زد اشعار	منتخب دیوان میں لیے گئے اشعار
رائیہ	۱۱۰	۸۲	۲۸
نونیہ	۶۸	۳۵	۳۳
تحتانیہ	۲۹	۲۶	۳ (غزلیات میں)
میزان	۲۰۷	۱۴۳	۶۴

اس طرح ۱۷۷ کی بجائے ۲۰۷ اور ۵۱ کی بجائے ۶۴ ہونا چاہیے''۔

(رموزِ غالب، ص: ۲۳۵-۲۳۶)

ڈاکٹر گیان چند کی یہ اشعار شماری بھی محلِ نظر ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ، مولانا عرشی نے دو قصیدوں کے اشعار کی تعداد ۱۷۷ بتائی تھی نہ کہ تین کی۔ (تیسرے قصیدے سے تین شعر غزلیات میں شامل ہوئے اس لیے قصائد کے اشعار کی تعداد کے ذکر میں انھیں شامل ہی نہ رکھا گیا تھا) گیان چند نے مولانا عرشی کے شمار میں بہت بڑا فرق ظاہر کرنے کے لیے تیسرے کو بھی شامل کر لیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ، نسخۂ حمیدیہ اوّل، نسخۂ عرشی اور نسخۂ حمیدیہ دوّم (۱۹۶۹ء) تینوں میں، نسخۂ بھوپال کے قصائد کے اشعار کی کل تعداد ۲۰۶ بنتی ہے جو درست ہے اور گیان چند نے ۲۰۷ بتائی ہے جو درست نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے چونکہ مخطوطے کے اشعار کے ساتھ مطبوعہ اور متداول کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اس طرح ''ح'' (نسخۂ حمیدیہ اوّل) کے دوسرے قصیدے کے دوسرے (متداول دیوان کے پہلے) شعر ''دہر جز جلوۂ الخ'' (جو پہلی بار نسخۂ بدایوں (۱۸۳۸ء) میں شامل ہوا) کو بھی گیان چند نے نسخۂ بھوپال کا سمجھ لیا، حالانکہ اس شعر پر مفتی صاحب کا حاشیہ موجود ہے: ''یہ مشہور مطلع قلمی نسخے میں نہیں ہے غالباً بعد میں بڑھایا گیا ہے'' (ح، ص ۳۰۱) گیان چند کی نظر سے یہ حاشیہ رہ گیا ورنہ اُنہیں یہ التباس نہ ہوتا۔ لہٰذا نسخۂ بھوپال کے قصائد میں سے انتخاب میں آنے والے قصائد کے اشعار کی تعداد ۶۰ ہے اور تین غزلیات میں شامل ہوئے۔

مولانا عرشی مقدمے میں، لال قلعے کے مشاعروں کے منعقد ہونے اور اُن میں غالب کی شرکت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> ''دوسرا مشاعرہ شوال ۱۲۶۵ھ (اگست ۱۸۶۲ء) میں میرزا نورالدین بہادر متخلّص بہ شاہیؔ نے منعقد کیا تھا''۔ (مقدمہ، ص: ۵۱)

اس اقتباس میں سے سالِ عیسوی (۱۸۶۲ء) کو ''صحت نامہ'' میں ۱۸۵۲ء کر لینے کے لیے کہا ہے۔ یہاں عیسوی سال تو درست ہو گیا لیکن ہجری سال مشکوک ہے۔ شوال ۱۲۶۵ھ، اگست ۱۸۵۲ء کو نہیں، ستمبر ۱۸۴۹ء کو پڑتا ہے ۔ اس مشاعرے میں غالب نے بھی غزل ''سب کہاں کچھ لالہ و گل الخ'' پڑھی تھی، جس کی اشاعت کے بارے میں مولانا عرشی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> ''دہلی اُردو اخبار، جلد ۱۴، نمبر ۲۳، مورخہ ۲۱ شوال ۱۲۶۸ھ مطابق

۲۸-اگست ۱۸۵۲ء میں ....شائع ہوئی تھی‘‘

(حاشیہ، نسخۂ عرشی، ص:۲۳۸)

’’صحت نامے‘‘ میں سالِ عیسوی تو درست کروا دیا، لیکن سالِ ہجری، طبع اوّل اور طبع ثانی دونوں میں اسی طرح چھپا ہے۔ اسے شوال ۱۲۶۸ھ ہونا چاہیے۔

مقدمے کے صفحہ ۹۸ پر، نسخۂ شیرانی کے متن میں ۸ جدید غزلوں کے ۶۴ شعر، حاشیے کی غزلوں کے ۸۷ شعر اور نسخۂ بھوپال کی نسبت دیگر غزلوں میں اضافہ شدہ اشعار کی تعداد ۴۷ درج ہے، جن کی مجموعی تعداد ۱۹۸ ظاہر کی گئی ہے۔ اگلے صفحے پر نسخۂ شیرانی کے اشعار کا گوشوارہ درج ہے، جہاں الگ سے حاشیے کی غزلوں کے اشعار کی تعداد ۸۸ درج کی ہے، جو درست ہے گویا صفحہ ۹۸ پر نسخۂ شیرانی کے حاشیے کے اشعار ۸۷ غلط اور ان کی جگہ ۸۸ درست اور اسی حساب سے اضافوں کی مجموعی تعداد ۱۹۸ غلط اور ۱۹۹ درست ہے۔ مقدمے کے صفحہ ۹۹ پر، نقصانِ اوراق اور حاشیوں کے علاوہ، نسخۂ شیرانی کے متن کا ردیف وار گوشوارہ دیا ہے، جس کے آخر میں مجموعی تعداد ۱۹۸۰ لکھی ہوئی ہے، جو درست نہیں۔ نسخۂ شیرانی کے کلام کا شمار کیا گیا تو گوشوارے میں ہر ردیف کی تعداد اشعار کو اس کے مطابق اور درست پایا۔ پھر گوشوارے کی تمام ردیفوں (اور ایک نامکمل قصیدے) کے اشعار کی مجموعی تعداد نکالی تو ۲۱۳۰ بنی، جو نسخۂ شیرانی کے متن کی موجودہ صورت کے مطابق ہے۔ لہٰذا مقدمے میں نسخۂ شیرانی کے متن میں موجود اشعار کی مجموعی تعداد ۱۹۸۰ غلط درج ہوگئی ہے اس کی بجائے ۲۱۳۰ سمجھنا چاہیے، جو گوشوارے کے بھی مطابق ہے۔

دیوانِ غالب طبع اوّل (۱۸۴۱ء) کے بارے میں مولانا عرشی، مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ’’............ شعبان ۱۲۵۷ھ (اکتوبر ۱۸۴۱ء) میں میرزا صاحب کا دیوان، اس مطبع (سید الاخبار) میں چھپنا شروع ہوا اور ۲۷ رمضان (۱۲ نومبر) تک زیر طبع رہا۔ تاریخ آغاز سرورق پر مذکور، اور ۲۷ رمضان تک اختتام نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ رباعی بھی شامل ہے:
> ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم اور از روے حساب دوالی اور شبِ قدر کا اجتماع اسی تاریخ کو ہوا تھا۔ سرورق کا اصل نمبر کتاب کی ترتیبِ صفحات میں شامل ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دیوان

سرورق پر مذکور تاریخِ طباعت کے بعد تک چھپتا رہا تھا''۔   (مقدمہ، ص: ۱۲۷-۱۲۸)

مولانا عرشی نے دیوانِ غالب کے اس پہلے ایڈیشن کی طباعت کا آغاز، اکتوبر ۱۸۴۱ء اور اختتام ۱۲ نومبر ۱۸۴۱ء کے بعد، قرار دیتے ہوئے تین شہادتیں پیش کی ہیں:

(۱) سرورق پر تاریخ مذکور ہے۔

(۲) ''ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم'' یہ رباعی شامل ہے۔

(۳) کتاب کی ترتیب میں سرورق کے صفحہ نمبر کو شمار رکھا گیا ہے۔

مولانا عرشی کی، اپنے بیان کی حمایت میں ان تین شہادتوں میں سے پہلی دو کے بارے میں کالی داس گپتا رضا لکھتے ہیں:

> ''یہ دونوں دلیلیں ضعیف ہیں۔ دیوان کے سرورق پر یہ کہیں نہیں لکھا گیا کہ اکتوبر ۱۸۴۱ء طباعتِ دیوان کی تاریخ آغاز ہے۔ اگر تاریخ آغاز کی نشاندہی منظور ہوتی تو دن کا ذکر بھی ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح رباعی سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ شبِ قدر اور دیوالی کے اجتماع کی تاریخ گزر چکی ہے۔............ رباعی یقیناً ۲۷ رمضان (۱۲ نومبر) سے پہلے کہی گئی ہو گی۔ ایسا ہونا اگر ناممکن نہیں تو دور از قیاس ضرور ہے کہ طباعت سے مہینوں پہلے مسوّدے کی کتابت کرائی گئی ہو اور طباعت کے دوران میں یکا یک ایک رباعی کا اضافہ کر دیا گیا ہو۔ چھپے ہوئے دیوان میں یہ رباعی جس مقام پر ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ تمام مسودہ ایک ہی قلم سے سلسلہ وار لکھا گیا ہے''۔   (نسخۂ رضا، ص: ۷۸)

نسخۂ رضا، مولانا عرشی کی تیسری دلیل کے بارے میں خاموش ہے کہ '' سرورق کا اصل نمبر کتاب کی ترتیبِ صفحات میں شامل ہے''۔ مولانا عرشی کی اس دلیل کے بارے میں یہ قیاس کرنا غلط نہ ہوگا کہ دیوان کے تمام صفحات نمبر، اس کی کتابت کے بعد بھی لگائے جا سکتے ہیں (اور ایسا ہی ہوا بھی ہے) کیونکہ کتابت کے دوران میں کاتب، عموماً صفحات پر نمبر نہیں لگایا کرتے تھے بلکہ ہر ورق ب کے آخر میں رکاب (ترک) کا اہتمام کرتے تھے۔ بیاض غالب بخطِ غالب (عکسی اشاعت، ۱۹۶۹)، نسخۂ شیرانی (عکسی اشاعت،

۱۹۶۹ء) اور گلِ رعنا (عکسی اشاعت، ۱۹۷۵ء) میں سے کسی میں، کاتب نے صفحات نمبر نہیں لگائے بلکہ رکاب کا اہتمام کیا ہے۔ دیوانِ غالب کا پہلا ایڈیشن بھی کتابت شدہ ہے اور تقریباً ہر ورق ب پر رکاب کا اہتمام کیا گیا ہے اور چونکہ یہ اشاعت کے لیے کتابت ہو رہا تھا اس لیے کتابت مکمل ہونے کے بعد سرورق کی عبارت کا اضافہ کیا اور اس پر تاریخ لکھ کر صفحات نمبر لگانا شروع کر دیئے۔ اس طرح ترتیبِ صفحات میں سرورق کو بھی شامل کر لیا۔ ان شواہد کی بنا پر، مولانا عرشی کا یہ قیاس کہ دیوان کے پہلے ایڈیشن کی طباعت ۱۲ نومبر ۱۸۴۱ء تک ہوتی رہی، درست نہیں معلوم ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ اس کی طباعت اکتوبر ۱۸۴۱ء تک مکمل ہو چکی تھی۔

دیوانِ غالب کے اس پہلے ایڈیشن میں صفحات کے نمبر شمار میں صفحہ ۹۳ پر بھی ۹۲ ہی درج ہو گیا ہے۔ اس سہو کو درست کر لینے کے بعد، غزلیات صفحہ ۹۵ پر تمام ہو رہی ہیں اور ۹۶ سے قصائد سے شروع ہوتے ہیں لیکن مولانا عرشی سے مقدمے میں (ص: ۱۳۰) یہ سہو نظر انداز ہوا، اور انھوں نے غزلیات کے صفحہ ۹۴ پر تمام ہونے اور ۹۵ سے قصائد کے شروع ہونے کا ذکر کیا ہے۔

مولانا عرشی، دیوانِ غالب کے دوسرے ایڈیشن (۱۸۴۷ء) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں:

> ''ہر غزل کے آغاز میں عنوان پر لفظِ ''غزل'' یا ''ولہ'' لکھا گیا ہے۔
> صرف ۲ جگہ لفظ ''فرد'' ہے اور ۵ جگہیں خالی رہ گئی ہیں''۔
> (مقدمہ، ص: ۱۳۲)

اس دوسرے ایڈیشن میں، ''غزل'' یا ''ولہ'' کے عنوان سے خالی رہ جانے والی جگہوں کو شمار کیا گیا تو یہ ۱۱ بنتی ہیں۔ کاتب کے پیشِ نظر، ان عنوانات کی یہ صورت رہی ہے کہ، مکمل غزل کو ''غزل'' عنوان دیا ہے، دو سے چار اشعار کو ''ولہ'' اور ایک شعر کو ''فرد''، لیکن صرف ردیف الف کی ابتدائی غزلوں میں ایک شعر کے لیے دو جگہ ''فرد'' کا لفظ لکھا گیا ہے اور بعد میں ایک شعر کو بھی '' ولہ'' ہی عنوان دیا ہے؛ بلکہ صفحہ ۱۰ پر سات اشعار کی ایک غزل کو بھی ''ولہ'' ہی عنوان دیا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۴۳ پر چار اشعار کی ایک غزل کو ''غزل'' کے عنوان سے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ لیکن مجموعی طور پر ایک یا دو سے چار اشعار کی غزل کو ''ولہ'' اور اس سے زیادہ کے لیے ''غزل'' کا عنوان دیا ہے۔ ان عنوانات کا اندراج غزل کے ختم ہونے کے بعد، ایک سطر بھر جگہ خالی چھوڑ کر اور اُس

کے درمیان میں عنوان لکھ کر، دائیں بائیں عمودی خط کھینچ دیا ہے، لیکن کہیں کہیں یہ اہتمام نہیں بھی کیا گیا اور دو مصرعوں کے درمیانی حاشیے میں خالی جگہ پر ''غزل'' یا ''ولہ'' لکھ دیا گیا ہے۔ ۴ یا اس سے کم اشعار والی ۷۰ غزلیں ''ولہ'' کے عنوان سے ظاہر ہیں، دو کو ''فرد'' اور باقی تمام کو ''غزل'' عنوان دیا ہے۔ نسخۂ عرشی سے یہ معلومات غیر حاضر تھیں اس لیے انھیں درج کر دیا ہے۔

دیوانِ غالب کے پہلے ایڈیشن (۱۸۴۱ء) کی نسبت دوسرے ایڈیشن (۱۸۴۷ء) میں اضافہ شدہ اشعار کے بارے میں، مولانا عرشی، مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''چھے برس کے اندر میرزا صاحب نے اُردو کے کل سولہ شعر کہے تھے، جو اس نسخے میں بڑھا دیے گئے۔ دونوں ایڈیشنوں کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزلیات میں صرف نواب تجمل حسین خاں کی مدحیہ غزل کا اضافہ ہوا ہے، جس کے چودہ شعر ہیں۔ نیز قطعات میں بیسنی روٹی والا دو شعر کا قطعہ بڑھایا گیا ہے''۔ (مقدمہ، ص: ۱۳۲)

مولانا عرشی نے اس دوسرے ایڈیشن کے اشعار کی کل تعداد نہیں بتائی۔ پہلے ایڈیشن کے کل اشعار، انھوں نے ۱۰۹۳ بتائے تھے، ان میں مذکورہ ۱۶ شعروں کا اضافہ کریں تو دوسرے ایڈیشن میں (مولانا عرشی کے مطابق) کل ۱۱۰۹ شعر ہوئے، لیکن اس دوسرے ایڈیشن کے کل اشعار کی یہ واقعی تعداد نہیں ہے۔ ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، اس ایڈیشن کے اشعار کے تفصیلی گوشوارے کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

> ''میری اشعار شماری کے مطابق، دیوانِ غالب طبع دوّم میں اشعار کی کل تعداد ۱۱۵۸ ہے، یعنی طبع اوّل کے ۱۰۹۳ اشعار کی جگہ ۶۵ اشعار زیادہ''۔ (غالب کا علمی سرمایہ، ص: ۴۱)

نسخۂ رضا (ص: ۹۵) سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ دیوانِ غالب کے دوسرے ایڈیشن میں کل ۱۱۵۸ شعر ہیں۔

تیسرے ایڈیشن کی بنیاد بننے والے قلمی نسخے کے بارے میں، مولانا عرشی لکھتے ہیں کہ تیسرا ایڈیشن:

> ''میرزا صاحب نے محمد حسین خان تحسین کو چھاپنے کی اجازت دے دی۔ غالباً یہ مسئلہ نیرّ کی سفارش پر طے ہوا، اور اُنھوں نے اپنا نسخہ، جس

کی تکمیل، نسخۂ رام پور سے کی جا چکی تھی عطا کیا''۔

(مقدمہ، ص: ۱۳۶)

لیکن اس اقتباس کے آخری لفظوں ''عطا کیا'' کے بارے میں، مولانا عرشی، اسی صفحے کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

''اس قیاس کی چند وجہیں ہیں: پہلی یہ کہ نسخۂ رام پور کی ترتیب، انواع شعر اس کے برخلاف ہے۔ دوسری یہ کہ غزلوں کی ترتیب بھی بدلی ہوئی ہے۔ تیسری یہ کہ احمدی ایڈیشن میں لفظ کسی کی جگہ کسو لکھا گیا ہے............ اس کے برخلاف نسخۂ رام پور میں ہر جگہ کسی استعمال ہوا ہے، بجز مقامات قافیہ کے۔ چوتھی یہ کہ احمدی ایڈیشن میں یہ شعر پایا جاتا ہے: ''مقطع سلسلہ............حرم ہے ہم کو'' جب کہ نسخۂ رام پور میں یہ شعر نہیں ہے''۔ (حاشیہ، مقدمہ، ص: ۱۳۶)

پہلے جو قیاس کیا اور پھر حاشیے میں اس قیاس کی جو وجوہات بیان کیں، دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں، گویا حاشیے کی عبارت متن میں کیے جانے والے قیاس کی خود بخود تردید کرتی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر سید مُعین الرحمن لکھتے ہیں:

''امتیاز علی عرشی کا قیاس ہے کہ نیرّ ہی نے اپنا مُسوّدہ، جس کی تکمیل نسخۂ رام پور سے کی جا چکی تھی، مطبع احمدی والوں کو عطا کیا، لیکن اس قیاس کی جو وجوہ عرشی صاحب نے پیش کی ہیں، اُن سے بجائے خود عرشی صاحب کے قیاس کی تائید نہیں ہوتی۔ نیرّ کے پاس نسخۂ رام پور کی نقل تھی۔ اگر مطبع احمدی کے لیے نیرّ نے اپنا نسخہ یا اس کی نقل فراہم کی تھی تو مطبع احمدی والے مطبوعہ ایڈیشن کو، نسخۂ رام پور کے مطابق ہونا چاہیے، لیکن ایسا نہیں ہے''۔

(غالب کا علمی سرمایہ، ص: ۵۳)

مولانا عرشی کے بیان، کہ نیرّ نے اپنا نسخہ مطبع احمدی والوں کو دیا، کے بارے میں ایک اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ، نیرّ کے پاس کون سا نسخہ تھا کہ وہ مطبع احمدی والوں کو دیتے؟ کیونکہ ان کے لیے، غالب نے سفرِ رام پور کے وقت، نسخۂ رام پور سے جو نقل تیار کروا کر بھیجی

تھی، واپس آ کر وہ اُن سے لے کر میرٹھ بھیج دی۔ پھر میرٹھ سے واپس منگوا کر آ رام کو آ گرے بھیج دی۔ گویا نیرّ کے لیے نسخۂ رام پور سے بنوائی گئی نقل کبھی اُن کے پاس رہی نہ انھوں نے میرٹھ بھیجنے کے لیے، غالب کو واپس کرتے ہوئے اس کی کوئی دوسری نقل تیار کروائی۔ پھر انھوں نے کون سا اپنا نسخہ مطبع احمدی والوں کو دینا تھا۔

مولانا عرشی، دیوانِ غالب کے چوتھے ایڈیشن کی ایک خوبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ایک بات اس میں یہ ضرور مفید نظر آتی ہے کہ غزلوں پر مسلسل شمار کے ہندسے ڈالے ہیں۔ لیکن اس شمار میں ''کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز، پر نمبر شمار چھوٹ گیا ہے''۔ (مقدمہ،ص:۱۴۲)

مولانا عرشی نے صرف ایک غزل پر نمبر شمار چھوٹ جانے کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر سیّد مُعین الرّحمن، ان کے مذکورہ بیان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ بیان مُغالطہ انگیز ہے اور پوری صداقت کو ظاہر نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مُتعدد اور غزلوں پر بھی نمبر شمار چھوٹ گیا ہے''۔

(غالب کا علمی سرمایہ، ص:۶۴)

ڈاکٹر سیّد مُعین الرّحمن نے ۴ مستقل غزلوں اور ۱۵ مفردات کی نشاندہی کی ہے جن پر نمبر شمار نہیں لگائے جا سکے۔

ڈاکٹر سیّد عبداللطیف کے مرتّبہ (نامکمل) دیوان کا، جو تعارف نسخۂ عرشی کے مقدمے میں کروایا گیا ہے۔ اس میں کچھ اشکال اور ابہام ہے۔ مولانا عرشی نے،لطیف ایڈیشن کے، اپنے پیشِ نظر جزو، کے سرورق کے یہ کوائف درج کیے ہیں:

''کتابِ دوّم: حِصّہ اوّل

سنہ ۱۲۲۵ھ تا سنہ ۱۲۳۷ھ

جس میں، اس دور کی وہ تمام غزلیں اور اشعار شامل ہیں، جن کو غالب نے موجودہ دیوان کے لیے منتخب کیا۔ فٹ نوٹ میں وہ اشعار دیے گئے ہیں جو انتخاب کے وقت خارج کر دیے گئے تھے''۔

(بحوالہ: مقدمہ، ص:۱۵۱)

لطیف ایڈیشن کے بارے میں، مولانا عرشی کے درج کردہ، ان کوائف سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ۱۲۲۵ھ بمطابق ۱۸۱۰ء سے لے کر ۱۲۳۷ھ بمطابق ۱۸۲۱ء تک کے کلام (یعنی نسخۂ بھوپال کے متن) میں سے متداول دیوان میں منتخب ہونے والے کلام کو متن میں درج کیا ہے اور قلم زد ہونے والے کو فٹ نوٹ میں رکھا ہے۔

لطیف ایڈیشن کے اس جزو ''کتابِ دوّم: حِصّہٴ اوّل'' کے، مولانا عرشی کے پاس، صفحہ ۷۱ سے ۱۲۶ تک صرف ۵۵ صفحات ہیں، جن میں ردیف الف سے ردیف ھا تک کی ۶۹ غزلیں موجود ہیں۔

اب مولانا عرشی کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں کہ لطیف ایڈیشن کے:

> ''صفحہ ۷۲ سے ردیفِ الف کے عنوان کے تحت دیوان کی مشہور غزل:
> ''نقش فریادی ہے'' شروع ہوئی ہے۔ اس کا نمبر ۱۴۷ ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ کتابِ اوّل میں جو ۷۰ صفحات پر مشتمل تھی، ۱۴۶ غزلیں مندرج تھیں۔ بظاہر یہ غزلیں وہ ہوں گی جو متداول دیوان سے یکسر خارج کر دی گئی تھیں''۔ (مقدمہ، ص: ۱۵۱)

اس اقتباس میں مولانا عرشی نے لطیف ایڈیشن کے پیشِ نظر جزو کی بنیاد پر، اس سے پہلے کے جزو ''کتاب اوّل'' کے بارے میں دو باتیں قیاس کی ہیں؛ ایک یہ کہ اس میں ۱۴۶ غزلیں ہیں۔ دوسرا یہ کہ یہ سب غزلیں وہ ہیں، جو متداول دیوان سے یکسر خارج کر دی گئی تھیں۔ مولانا عرشی کا یہ دوسرا بیان ذرا مبہم ہے اور بظاہر، ان کے درج کردہ لطیف ایڈیشن کے سرورق کی عبارت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس سرورق کے مطابق مولانا عرشی کے پیشِ نظر جزو میں ۱۸۱۰ سے ۱۸۲۱ء تک کے کلام میں سے متداول میں آنے والی غزلیں اور اشعار متن میں درج ہیں اور خارج ہونے والے فٹ نوٹ میں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ۱۸۱۰ء سے پہلے کی (یا بعد کی) وہ کون سی ۱۴۶ غزلیں ہیں جو لطیف ایڈیشن کی ''کتاب اوّل'' میں ہوں گی۔

نسخۂ عرشی کا مقدمہ یہ رہنمائی نہیں کرتا کہ نسخۂ بھوپال میں سے کتنی مکمل غزلیں یا ان میں سے کچھ اشعار خارج ہوئے اور وہ کون کون سے ہی۔ مولانا عرشی نے سرورق کی عبارت اور اپنے بیان یا قیاس کی عدم مطابقت پر اظہارِ رائے نہیں فرمایا۔ لطیف ایڈیشن کے اس جزو کے متن اور حاشیے میں آنے والے کلام کی تخصیص اور نشاندہی کر دی جاتی تو بات صاف ہو جاتی۔

مولانا عرشی نے مقدمے میں اپنے پیشِ نظر، دیوان غالب کے مخطوطات، مطبوعہ یا مرتبہ ایڈیشنوں کی کیفیت اور تعارف بڑی حد تک، تفصیل سے درج کر دیا ہے، اور ان قلمی یا مطبوعہ نسخوں پر لکھنے والوں میں، مولانا عرشی کا مرتّبہ، نسخۂ عرشی ہی وہ واحد مآخذ ہے، جس میں ایسے تمام معلوم مآخذ کی تفصیلات یکجا صورت میں موجود ہیں، لیکن ان کے تعارف کے ذیل میں ایک نہایت اہم بات کی تفصیل موجود نہ ہونا کھٹکتا ہے اور بڑی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ ان تمام کے تفصیلی کوائف اور تعارف کے ساتھ ساتھ، صرف چند ایک کے املا اور رسم الخط کے بارے میں کچھ تفصیلات بہم پہنچائی ہیں، لیکن بیشتر کے بارے میں ایسی معلومات، مقدمے کے مندرجات میں موجود نہیں۔

مقدمے میں مولانا عرشی نے ''زیر مطالعہ'' نسخوں کا دو حِصّوں میں تعارف کروایا ہے۔ پہلے حِصّے میں قلمی نسخے اور دوسرے میں مطبوعہ یا مرتبہ ایڈیشن ہیں۔ قلمی نسخوں میں پہلے نمبر پر بیاضِ غالب بحظِ غالب ہے جس کا تفصیلی تعارف تقریباً آٹھ صفحات میں پیش کیا گیا ہے لیکن مولانا عرشی نے اس کے املا یا رسم الخط کے بارے میں کچھ وضاحت نہیں فرمائی۔ البتہ عرشی زادہ نے ''استدراک'' کے تحت اس نسخے کی املائی خصوصیات درج کر دی ہیں۔ عرشی زادہ نے، بڑی تفصیل کے ساتھ املائی جزئیات کا مطالعہ پیش کر دیا ہے لیکن جو درجۂ استناد، مولانا عرشی کے مشاہدات کو حاصل ہے شاید عرشی زادہ کو نہ ہو۔

نسخۂ بھوپال کا تعارف بھی مقدمے میں تقریباً سات صفحات پر پھیلا ہوا ہے، لیکن یہاں بھی اس کے املا و رسم الخط کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ اس کے ایک صفحے کے عکس (مشمولہ نسخۂ حمیدیہ اوّل) کی بنیاد پر، عرشی زادہ نے بڑی دیدہ ریزی سے ''استدراک'' کے تحت کچھ مشاہدات بیان کیے ہیں جو کسی حد تک اس کمی کو پورا کر دیتے ہیں، لیکن ایک صفحے کے مشاہدات، پورے مخطوطے کی روش کتابت اور املا کی معلومات کا نعم البدل نہیں ہو سکتے۔

نسخۂ شیرانی، نسخۂ لاہور اور نسخۂ رام پور جدید کی املائی خصوصیات کا بڑی حد تک احاطہ کر لیا گیا ہے۔ ان میں سے بھی زیادہ تفصیل صرف نسخۂ رام پور جدید کے بارے میں آئی ہے۔ ان کے علاوہ نسخۂ بدایوں کے بارے میں صرف یہ لکھا ہے کہ: ''اس میں پرانے رسمِ خط کے مطابق اعراب بالحروف کا طریقہ برتا گیا ہے''۔ (مقدمہ، ص: ۱۱۰)۔ نسخۂ دیسنہ کے بارے میں یہ ہے کہ: ''املا اس عہد کی روش کے مطابق ہے''۔

(مقدمہ،ص : ۱۱۲)۔ نسخۂ کریم الدین کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اس نسخے کا املا اپنے عہد کی مروّجہ روش کے مطابق ہے البتہ رسمِ خط کے لحاظ سے یہ بات نئی ہے کہ اس میں ''خورشید'' کو بحذفِ واو ''خرشید'' لکھا گیا ہے''۔ (مقدمہ،ص : ۱۱۴)۔ ان قلمی نسخوں کے املا اور رسم الخط کے بارے میں یہ معلومات ناکافی ہیں۔

ان کے علاوہ، جن قلمی نسخوں کے املا اور رسم الخط کے بارے میں، کسی نوعیت کی کوئی وضاحت، ان کے تعارف کے تحت نہیں آسکی وہ یہ ہیں: ''گلِ رعنا (۱۸۲۸ء)، نسخۂ رام پور قدیم (۱۸۳۳ء)، انتخاب غالب (۱۸۳۶ء) اور انتخاب غالب (۱۸۶۶ء)۔

دیوانِ غالب کے معاصر پانچ ایڈیشنوں میں سے صرف پانچویں کی، املائی نوعیت کی، ایک خصوصیت یہ بتائی ہے: '' اس نسخے کی یہ خصوصیّت قابلِ بیان ہے کہ پوری کتاب میں کچھ مقامات کے سوا یاے معروف و مجہول اور ھاے سادہ ومخلوط میں فرق کیا گیا ہے''۔ (مقدمہ،ص : ۱۴۴)۔ اس سے پہلے کے چار ایڈیشنوں میں سے کسی ایک کے بھی، املا یا رسم الخط کا تعارف نہیں کروایا گیا۔

غالب کی زندگی کے مطبوعہ ایڈیشنوں کی حیثیت بھی، کم یاب ہونے کی وجہ سے اب تو مخطوطات کی سی ہوگئی ہے۔ یہ بھی مختلف مطابع کے مختلف کاتبوں کے لکھے ہوئے ہیں، جن میں املا اور رسم الخط کے اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے بارے میں بھی ایسی معلومات درج کردی جاتیں تو بہتر تھا، بلکہ یہ چاہیے تھا کہ مقدمے میں الگ سے ایک عنوان بنا کر ان قلمی نسخوں اور مطبوعہ ایڈیشنوں کے کاتبوں کے روشِ کتابت اور املا نیز املا ے غالب کی تفصیلات درج کر دی جاتیں، تا کہ ان کے املائی اختلافات اور غالب کے املائی عقائد سے مکمل آگاہی آسان ہو جاتی۔ ایسی معلومات کو الگ عنوان کے تحت درج کر دینا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ان کے ذریعے سے نسخۂ عرشی کے ''اختلافِ نسخ'' درج کرنے میں، ایک خاص قاعدہ یا طریقۂ کار مقرر کر لینا آسان ہوسکتا تھا۔ الگ عنوان کے تحت کاتبوں کے روشِ املا اور املاے غالب کے مباحث کو یکجا نہ کر سکنے کی وجہ سے، نسخۂ عرشی کے املا اور خاص طور پر اختلافِ نسخ میں بہت سے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ (جن کا ذکر اگلے صفحات میں آ رہا ہے)۔

قلمی ومطبوعہ نسخوں کے تعارف میں یکسانیت یا خاص طریقۂ کار وضع نہیں کیا گیا۔ مثلاً دیوانِ غالب کے دوسرے ایڈیشن کے آخری سادہ اوراق پر ۲۳ غزلیں درج تھیں، جنہیں

مولانا عرشی نے ''آ خر ما'' کی علامت سے ظاہر کیا۔ اس ایڈیشن کے تعارف کے تحت ، ان میں سے ہر ایک کا ایک ایک مصرع دے کر، نشان زد کر دیا ہے ،لیکن نسخۂ بھوپال کے آخری سادہ اوراق پر ے غزلیں ہیں جنھیں ''آ خر ق'' کی علامت سے ظاہر کیا ہے ، ان کی نشاندہی نہیں کی ۔ اس کے حاشیے کی غزلوں کی نشاندہی بھی نہیں کی گئی ۔ بیشتر نسخوں میں موجود اشعار کا ردیف وار گوشوارہ بھی درج کیا ہے لیکن نسخۂ دیسنہ، دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں ایڈیشن کا گوشوارہ نہیں دیا گیا۔

اس بات میں بھی باقاعدگی نہیں رہی کہ ہر نسخے کے تعارف کے تحت یہ واضح کر دیا جائے کہ، اپنے سے ماقبل کی نسبت اس میں کتنے اور کون کون سے اشعار اضافہ ہوئے یا،مابعد کی نسبت اس میں سے کون سے شعر قلم زد ہوئے۔ اس نوعیت کی معلومات کا اندراج تو نہایت ضروری تھا اور اس کے ذریعے سے بہت سے اشکال دُور ہو سکتے تھے۔ اب اگر کوئی دیکھنا چاہے کہ کسی نسخے میں سے کتنے اور کون کون سے اشعار حذف یا اضافہ ہوئے تو نسخۂ عرشی کفالت نہیں کرے گا۔ اس کے متن، اختلافِ نسخ، حواشی اور استدراک وغیرہ میں ایسی بیشتر معلومات موجود ہیں مگر منتشر صورت میں، اور جگہ جگہ بکھری پڑی ہیں،کسی ایک نسخے کے حوالے سے انھیں یکجا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس نوعیت اور سطح کی تحقیق و تدوین کو ، خاص طرح کے سائنٹیفک طریقے سے پیش کیا جانا چاہیے کہ اس سے فوری استفادے میں آسانی رہے۔

مولانا عرشی نے ، نسخۂ عرشی میں استعمال ہونے والی حوالے کی تمام کتابوں کو ''کتابیات'' کے انداز میں درج نہیں کیا۔ کچھ کے مکمل حوالے ملتے ہیں اور بیشتر کے نہیں ملتے۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی کے مقدمے میں استعمال ہونے والی بعض کتابوں کے بارے میں جاننا اور مقدمے میں مندرج ان کے اقتباسات کی جانچ پرکھ،صحت یا تصدیق کرنے میں اور بھی مشکل پیش آتی ہے جب ان کا تقابل نسخۂ عرشی طبع اوّل کے دیباچے میں استعمال ہونے والے حوالہ جات سے کیا جاتا ہے ، کیونکہ بعض ایک ہی نام کی کتابوں کا ، حوالے میں محولا اقتباس کا متعلقہ صفحہ نمبر، نسخۂ عرشی کے دونوں ایڈیشنوں میں یکساں نہیں ہے۔ممکن ہے نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ان کتابوں کے جو ایڈیشن استعمال میں آئے،طبع ثانی میں وہ نہ ہوں اور ان کی جگہ اُنہیں کتابوں کے کوئی دوسرے ایڈیشن پیشِ نظر ہوں،لیکن بظاہر ایسا لگتا نہیں۔ اگر ایسا

بھی ہوتو ، اس کی یہ صورت ہوسکتی تھی کہ حوالے میں صفحات کے نمبروں کا فرق تقریباً یکساں ہونا تھا۔ ذیل میں اس طرح کی چند مثالیں درج کرتے ہوئے ، پہلے نسخۂ عرشی طبع اوّل کے دیباچے کا صفحہ نمبر دیا ہے پھر موازنے کے طور پر اُس کے نیچے نسخۂ عرشی طبع ثانی کے مقدمے کا صفحہ نمبر دیا ہے۔ لفظ ''دیباچہ'' اور ''مقدمہ'' کی تکرار نہیں کی گئی۔

نسخۂ عرشی ، طبع اوّل ، ص : ۲	کلیاتِ نثر ، پنج آہنگ	:	۱۵۴
نسخۂ عرشی ، طبع ثانی ، ص : ۲	ایضاً	:	۷۲
نسخۂ عرشی ، طبع اوّل ، ص : ۶	اردوئے معلّٰی	:	۱۷
نسخۂ عرشی ، طبع ثانی ، ص : ۶	ایضاً	:	۲۱۷
نسخۂ عرشی ، طبع اوّل ، ص : ۱۱	کلیات نثر ، پنج آہنگ	: ۲۳۲ ، اردوئے معلّٰی لاہور ایڈیشن : ۳۷۳	
نسخۂ عرشی ، طبع ثانی : ص : ۱۱	ایضاً	:	۱۱۱
	ایضاً	:	۳۷۶
نسخۂ عرشی ، طبع اوّل ، ص : ۱۴	کلیاتِ نثر ، پنج آہنگ	:	۳۷۸
نسخۂ عرشی ، طبع ثانی ، ص : ۱۵	ایضاً	:	۹۱
نسخۂ عرشی ، طبع اوّل ، ص : ۱۷	ایضاً	:	۶۸
نسخۂ عرشی ، طبع ثانی ، ص : ۱۷	ایضاً	:	۳۳
نسخۂ عرشی ، طبع اوّل ، ص : ۱۸	یادگارِ غالب	:	۹۷
نسخۂ عرشی ، طبع ثانی ، ص : ۱۸	ایضاً	:	۱۰۷
نسخۂ عرشی ، طبع اوّل ، ص : ۲۱	آبِ حیات	:	۵۱۷
نسخۂ عرشی ، طبع ثانی ، ص : ۲۳	ایضاً	:	۴۸۴
نسخۂ عرشی ، طبع اوّل ، ص : ۳۶	اردوئے معلّٰی	:	۳۰۹ ،
	ایضاً	:	۳۸۱
نسخۂ عرشی ، ثانی ، ص : ۴۰	ایضاً	:	۳۶۸
	ایضاً	:	۳۸۰
نسخۂ عرشی ، اوّل ، ص : ۵۶	کلیاتِ غالب	:	۴۳۹

	ایضاً	:	۳۴۴،
	سبدچین	:	۲۷
نسخۂ عرشی، ثانی، ص:۵۹	کلیاتِ فارسی	:	۳۳۹
	ایضاً	:	۳۴۵
	سبدچین	:	۱۷

مندرجہ بالا ہر کتاب کا، حوالے کے لیے آنے والا متعلقہ اقتباس، نسخۂ عرشی کے دونوں ایڈیشنوں میں ایک ہی ہے مگر حوالے کی کتاب کے صفحات نمبر دونوں میں مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ نسخۂ عرشی طبع ثانی میں پیشِ نظر ایڈیشن، نسخۂ عرشی طبع اوّل سے مختلف ہے، لیکن بعض کے بارے میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نسخۂ عرشی کے دونوں ایڈیشنوں میں حوالے کے طور پر آنے والی ایک ہی کتاب کے، ایک ہی اقتباس کے صفحے نمبر کے اندراج میں کتابت یا ٹائپ کا سہو رہ گیا ہے، کیونکہ ایک کتاب کے دو مختلف ایڈیشن ہوں تو اُن میں چند صفحات کا فرق تو ہوسکتا ہے، سینکڑوں کا نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ، حوالے کی کتاب کے ایک اقتباس کا صفحہ نمبر، نسخۂ عرشی کے دونوں ایڈیشنوں میں ایک جگہ تو چند صفحات کے فرق سے آیا ہے اور کسی دوسری جگہ سینکڑوں کا فرق آ گیا ہے۔ نسخۂ عرشی کے مقدمے میں اس نوعیت کی مثالیں صرف یہ نہیں ہیں۔

جب تک ایسی تمام کتابیں اور پھر اُن کے متعدد ایڈیشن سامنے نہ ہوں، یہ تعیّن کرنا مشکل ہے کہ نسخۂ عرشی طبع ثانی میں، ان کتب کے کون سے ایڈیشن استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں سے یادگارِ غالب طبع اوّل (عکسی اشاعت، کراچی ۱۹۹۹ء) کی مدد سے، یہ اندازہ ہوا کہ نسخۂ عرشی کے دونوں ایڈیشنوں میں، یادگارِ غالب کا پہلا ایڈیشن (۱۸۹۷ء) ہی استعمال ہوا ہے اس کے باوجود، حوالہ دیتے وقت صفحات نمبر غلط درج ہو گئے ہیں۔ غرض یہ کہ بڑی حد تک یہ سب سہو کاتب یا ٹائپ کی غلطیاں ہیں۔ نسخۂ عرشی میں اگر فنِ حوالہ نگاری پر عمل کرتے ہوئے تمام کتب و رسائل کے مکمل حوالے اور کوائف ''کتابیات'' کی صورت میں مرتب کر دیے جاتے تو ایسے اشکال نہ پیدا ہوتے۔

۞

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی، دونوں کے سرورق پر یہ عبارت ملتی ہے کہ یہ غالب کے ''تمام اُردو کلام کا مجموعہ (ہے) جسے تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے''۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نسخۂ عرشی میں غالب کے کلام کو سالِ فکر کے لحاظ سے اس طرح تاریخی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے لکھی جانے والی غزل یا نظم کو سب سے پہلے درج کیا ہے اور اس کے بعد لکھی جانے والی کو اُس کے بعد رکھا ہے وعلیٰ ھذا القیاس اور سب سے آخر میں وہ تخلیق ہوگی جو سب سے آخر میں فکر ہوئی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔
نسخۂ عرشی کا متن تین حِصّوں (طبع ثانی کے چوتھے حصّے کو پہلے میں شامل سمجھنا چاہیے) میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے ''گنجینۂ معنی'' میں ۱۸۳۲ء تک کا وہ کلام ہے جو متداول دیوان میں شامل نہیں کیا گیا۔ دوسرے حصّے ''نوائے سروش'' میں کل کلام وہ ہے جو متدوال اور مروّج ہے اور تیسرے حصّے ''یادگارِ نالہ'' میں، باقی ماندہ منتشر کلام ہے۔ ان تینوں حِصّوں میں شامل مختلف اصناف کو بھی ہر حصّے میں الگ الگ نمائندگی دی گئی ہے اور غزلیات کو بھی ردیف وار رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترتیب ''تاریخی ترتیب'' کے اصل مفہوم اور معیار پر پوری نہیں اُترتی۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر گیان چند نے نسخۂ عرشی طبع اوّل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

> ''تاریخی ترتیب کے تقاضوں کو کما حقہ، پورا نہ کرنا ہی نسخۂ عرشی کی سب سے بڑی کمی ہے۔ عرشی صاحب نے بڑی دیدہ ریزی کی ہے۔ وہ کلام کی ہر منزل سے واقف ہیں لیکن بہ صورت موجودہ نسخۂ عرشی ان کی محنت کا پورا ثمر قارئین تک پہنچانے میں ناکام ہے''۔
>
> (رموزِ غالب، ص: ۲۴۳)

ڈاکٹر گیان چند کا یہ قول نسخۂ عرشی طبع ثانی پر بھی صادق آتا ہے اور اگر نسخۂ عرشی کے سرورق کی محولا بالا عبارت میں کیے جانے والے دعوے کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ اعتراض درست بھی ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مولانا عرشی، کلام کی ''تاریخی ترتیب'' کے مفہوم سے آگاہ نہیں تھے؟ اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ مولانا عرشی ''تاریخی ترتیب'' کے مفہوم اور اس کے اصول سے کاملاً آگاہ تھے لیکن نسخۂ عرشی کی ترتیب کے سلسلے میں اُن کا

مطمحِ نظر یہ تھا کہ دیوان کی ردیف وار حیثیت کو قائم رکھتے ہوئے، ہر حصّے اور پھر ہر حصّے کی ہر ردیف کے کلام کو تاریخی ترتیب سے پیش کیا جائے۔ گویا اُن کے نزدیک کلامِ غالب کو صرف تاریخی ترتیب سے پیش کرنا نہیں تھا۔ خود ڈاکٹر گیان چند، نسخۂ عرشی کی امتیازی خصوصیات گنواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُردو کے جتنے بھی شعری مجموعے مرتب کر کے شائع کیے گئے ہیں، معیارِ ترتیب کے لحاظ سے ان سب میں ''نسخۂ عرشی'' کو سب سے اوپر رکھا جائے گا۔ کم سے کم الفاظ میں ''نسخۂ عرشی کی امتیازی خصوصیات یوں بیان کی جا سکتی ہیں:

(۱) غالب کا پورا کلام یک جا کرنا۔

(۲) اس کی تاریخی ترتیب۔

(۳) مختلف نسخوں اور ایڈیشنوں کی مدد سے صحیح ترین متن پیش کرنا۔

(۴) بیش بہا معلومات پر مشتمل مقدمہ، حواشی اور اختلافِ نسخ''۔

(رموزِ غالب، ص: ۲۲۳)

نسخۂ عرشی کی ان چار امتیازی خصوصیات کے علاوہ ایک پانچویں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں لفظ ''دیوان'' کی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے ہر حصّے کو ردیف وار مرتّب کیا گیا ہے۔ کلام غالب کی ترتیب و تدوین کرتے وقت، جب اتنے مقاصد پیشِ نظر ہوں تو پھر کسی حد تک، تاریخی ترتیب کو تو قربان کرنا پڑے گا۔

نسخۂ عرشی کی تاریخی ترتیب کے سلسلے میں گیان چند کے دو مزید بیانات ملاحظہ ہوں:

''کلام کو تین حِصّوں میں تقسیم کرنے کا نتیجہ یہی ہوا کہ نہ صرف غزلوں، بلکہ نظموں کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے''۔ (رموزِ غالب، ص: ۲۴۴)

گویا گیان چند کے نزدیک یہ نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن تاریخی ترتیب کے معنی وہ یہ بتاتے ہیں:

''تاریخی ترتیب کے معنی ہیں سب سے پہلے اس تخلیق کو درج کرنا جو

سب سے پہلے وجود میں آئی، اس کے بعد اس کی مابعد تخلیق کو،علیٰ ہذا
القیاس۔ اگر ہرنظم یا غزل کی تاریخ معلوم نہ ہو سکے تو عہد کے لحاظ سے
ترتیب دیا جائے۔ اس کے علاوہ کسی اور اُصول کو ترتیب میں داخل کرنا
تاریخی ترتیب کو مسخ کرنا ہے۔''(رموز غالب،ص: ۲۴۳)

گیان چند کا یہ اصول اُن کے پہلے بیان کی نفی کر رہا ہے کیونکہ اس اصول پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک غزل کی بنیاد ۱۸۱۶ء میں رکھی، پھر کئی سال بعد اُس میں کچھ شعر بڑھائے گئے تو ان کو الگ الگ رکھا جائے لیکن اس طرح بھی ٹکڑے نوالے تو ہوں گے۔

گیان چند کا یہ مضمون، نسخۂ عرشی کے پہلے ایڈیشن کے بارے میں ہے اور فروری ۱۹۶۹ء کے نقوش میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اب بغیر کسی ترمیم و اضافے کے اُن کی کتاب رموزِ غالب میں بھی شامل ہے۔ اسی کتاب میں ، ڈاکٹر گیان چند، کالی داس گپتا رضا کے مرتبہ، دیوانِ غالب کامل کے پہلے ایڈیشن (۱۹۸۸ء) کی تاریخی ترتیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کے اس اصول سے مجھے اتفاق ہے کہ کسی غزل کا ایک شعر بھی
سب سے پہلے جس دور میں کہا گیا، پوری غزل کو اسی میں رکھنا چاہیے''۔
(رموزِ غالب،ص:۴۱۰)

نسخۂ عرشی میں بھی، متداول اور غیر متداول کے فرق کو سامنے رکھ کر یہی کیا گیا تھا۔ گویا گیان چند نے نسخۂ عرشی کی تاریخی ترتیب کے بارے میں اپنی رائے سے رجوع کر لی ہے۔ یا پھر اس اصول کے سلسلے میں وہ تضاد بیانی کا شکار ہیں۔

نسخۂ عرشی میں نسخۂ بھوپال کے آخری سادہ اوراق پر مندرج ۷ غزلوں کو مولانا عرشی نے ''آخرق'' کی علامت سے ظاہر کیا ہے اور دونوں ایڈیشنوں میں انھیں ''قا'' اور ''گل'' پر سبقت دی ہے یعنی، مولانا عرشی ان ۷ غزلوں کو ۱۸۲۱ء کے بعد اور ۱۸۲۶ء سے پہلے کی تخلیق مانتے ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند کو ان غزلوں کی تاریخی حیثیت پر شبہ ہے۔ وہ ، ڈاکٹر عبداللطیف کے حوالے سے''آخرق'' کی غزلوں کو ۱۸۴۵ء کے بعد کا مانتے ہیں جو درست نہیں ہے۔ ان کے قدرے ایک طویل اقتباس کی پھر زحمت گوارا کیجیے وہ لکھتے ہیں:

''۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) میں اس مخطوطے (نسخۂ بھوپال) کی دوبارہ

جلد بندی کی گئی۔ اوّل و آخر میں کچھ سادہ اوراق لگائے گئے............
ان اوراق پر ۱۲۶۱ھ کی مہر ثبت کر دی گئی۔ اب ان آخری اوراق پر اگر کسی نے کچھ غزلوں کا اضافہ کیا تو وہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے .... اس لیے ''آخرق' کی غزلوں کو ''قا'' اور ''گل'' پر سبقت دینا تو غیر مناسب ہے ہی، انھیں تاریخی ترتیب میں نظر انداز بھی کر دینا چاہیے۔ ....''نوائے سروش'' میں عرشی صاحب نے ان غزلوں میں صرف ''آخرق'' کا حوالہ دیا ہے اس لیے معلوم نہیں ہو پاتا کہ یہ پہلی بار کس قلمی یا مطبوعہ ترتیب میں سامنے آئیں''۔(رموزِ غالب، ص: ۲۴۰)

ڈاکٹر گیان چند کا یہ مضمون فروری ۱۹۶۹ء میں چھپا تھا۔ نسخۂ شیرانی کا عکسی ایڈیشن اگست ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس لیے، نسخۂ شیرانی سامنے نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ ''معلوم نہیں یہ غزلیں پہلی بار کس قلمی یا مطبوعہ ترتیب میں سامنے آئیں''۔ لیکن اگر وہ نسخۂ عرشی کا بغائر جائزہ لیتے تو نسخۂ شیرانی، سامنے نہ ہونے کے باوجود وہ یہ رائے قائم نہ کرتے۔ ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ''نوائے سروش'' میں عرشی صاحب نے ان غزلوں میں صرف ''آخرق'' کا حوالہ دیا ہے''۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل کے حِصّہ ''نوائے سروش'' کے صفحہ ۲۲۲ پر ان غزلوں میں صرف ''آخرق'' نہیں بلکہ ساتھ ''قا'' بھی لکھا ہے۔

نسخۂ عرشی میں ''نوائے سروش'' کے تحت، ردیف ی میں آنے والی ''آخرِق'' کی یہ سات غزلیں، نسخۂ شیرانی کے متن میں موجود ہیں، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ غزلیں ۱۸۲۶ء سے پہلے لکھی جا چکی تھیں، تبھی نسخۂ شیرانی (قا) کے متن میں شامل ہیں۔ گویا، ڈاکٹر گیان چند کا یہ کہنا کہ نسخۂ بھوپال کے آخری اوراق کی یہ غزلیں ۱۲۶۱ھ بمطابق ۱۸۴۵ء کے بعد کا اضافہ ہیں درست نہیں ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نے ''آخرِق'' کے کلام پر بحث کرتے ہوئے ایک بار اور نسخۂ عرشی کے، واضح مندرجات کو نظر انداز کیا اور غلط رائے قائم کی ہے۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ''شرح غالب'' کے تحت ''آخرق'' کے حوالے سے، مولانا عرشی نے، ۴ شعر ''گنجینۂ

معنیٰ'' میں اضافہ کروائے ہیں۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

''مجھے کم از کم چار شعر ایسے ملے جو ''آخرِ ق'' کے علاوہ کسی اور مخطوطے یا ایڈیشن میں نہیں'' (رموزِ غالب، ص: ۲۴۰)

ردیف ی کی دو مختلف غزلوں کے یہ چار شعر وہی ہیں، جن کے باقی متداول شعر ''نوائے سروش'' میں آئے ہیں۔ ان میں سے تین شعروں کو اضافہ کرواتے ہوئے، مولانا عرشی، لکھتے ہیں:

''اس شعر کے بعد نئے نمبر پر یہ ۳ شعر لکھے جائیں گے، جوق کے آخر کی اُس غزل کے ہیں، جس کے باقی شعر نوائے سروش (غزل) نمبر ۱۸۳، میں آ رہے ہیں''۔

(نسخۂ عرشی، طبع اوّل، شرح غالب، ص: ۳۲۰)

مذکورہ نشان زد ''نوائے سروش'' کی غزل نمبر ۱۸۳ کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ صفحہ ۲۲۲ پر آ رہی ہے جس کے مآخذ میں ''آخرِ ق'' کے ساتھ ''قا'' (نسخۂ شیرانی) بھی درج ہے۔ چوتھے شعر کے بارے میں بھی ''شرح غالب'' کے اسی صفحے پر اسی طرح کا نوٹ ہے اور اس کی متداول غزل کی طرف اشارہ بھی ہے۔ گیان چند کے سامنے نسخۂ شیرانی نہ سہی لیکن اگر وہ مولانا عرشی کے نوٹ کے مطابق ''نوائے سروش'' کی متعلقہ دو غزلوں کی طرف رجوع کر لیتے تو ان چار اشعار کے بارے میں یہ لکھنے کی گنجائش نہ رہتی کہ ''یہ کسی اور مخطوطے یا ایڈیشن میں نہیں ہیں''۔

غرض یہ کہ مولانا عرشی نے ''آخرِ ق'' کی ان غزلوں یا ان میں سے متروک اشعار کو، اس علامت سے ظاہر کر کے ''قا'' اور ''گل'' پر ترجیح دے کر ان سے پہلے درج کیا ہے تو درست ہے، اور ان کے مآخذ میں ''قا'' کے ساتھ ''آخرِ ق'' کا حوالہ دینے کا ان کا مقصد یہی ہے کہ ان کے عہد کا تعین کیا جا سکے کہ یہ ۱۸۲۱ء کے بعد اور ۱۸۲۶ء سے پہلے کی تخلیق ہیں۔

مولانا عرشی کو، دیوانِ غالب کے دوسرے ایڈیشن (۱۸۴۷ء) کا ایسا نسخہ ملا تھا جس کے آخر میں سادہ اوراق پر ۲۳ نئی غزلیں بخطِ غیر لکھی ہوئی تھیں، نسخۂ عرشی کی ترتیب میں انھیں ''آخرما'' کی علامت سے ظاہر کیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کو ''آخرما'' کی زمانی حیثیت پر بھی شبہ ہے۔ اُن کا ارشاد ہے کہ مولانا عرشی نے:

''آخرما''کو' نسخۂ لاہور ۱۸۵۲ء (قج) سے پہلے جگہ دی ہے، لیکن یہ
ظاہرنہیں کیا کہ ایسا کرنے کی کیا وجہ ہے۔ جب یہ معلوم نہیں کہ یہ اشعار
کب نقل کیے گئے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تعینِ زمانہ پر کس طرح
اثر انداز ہوتے ہیں''۔ (رموزِ غالب، ص: ۲۴۳)

ڈاکٹر گیان چند کا یہ بیان بھی محل نظر ہے اور اس بات کا غمّاز بھی کہ انھیں نسخۂ عرشی کے تفصیلی مطالعے کا موقع نہیں ملا (''میں نے اس کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے''، رموز، ص : ۲۸۸)۔ نسخۂ عرشی کے دونوں ایڈیشنوں میں ''آخرما'' کی غزلوں کو قج (نسخۂ لاہور، ۱۸۵۲ء) پر ترجیح دی اور اس سے پہلے رکھا ہے۔ مولانا عرشی نے ایسا کرنے کی وجہ بھی ظاہر کی ہے اور انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہ غزلیں کب تخلیق ہوئیں اور پہلی بار کہاں شائع اور شامل ہوئیں۔ یہ ۲۳ غزلیں ''نوائے سروش'' کی مختلف ردیفوں میں، جہاں پہلے مآخذ ''آخرما'' کے طور پر آئیں ہیں، مولانا عرشی نے ان میں سے بیشتر کے زمانۂ فکر کا تعین کیا ہے، جو ما (۱۸۴۷ء) کے بعد اور قج (۱۸۵۲ء) سے پہلے بنتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کا اعتراض، کہ مولانا عرشی نے ''یہ ظاہر نہیں کیا کہ ایسا کرنے کی کیا وجہ ہے''، چونکہ نسخۂ عرشی طبع اوّل پر ہے اس لیے یہاں ذیل میں ''آخرما'' کے مآخذ والی چند مثالیں بھی طبع اوّل سے دی جائیں گی:

''نوائے سروش'' کی غزل نمبر ۱۱۱ کے بارے میں ''شرح غالب'' کے تحت لکھا ہے کہ اس کے:

''مقطع میں نواب علی بہادر، والی باندہ، کی طرف اشارہ ہے، جو نیمۂ
رمضان ۱۲٦۵ھ (اگست ۱۸۴۹ء) میں نواب ذوالفقار الدولہ بہادر کے
انتقال پر حاکم باندہ ہوئے تھے''۔
(نسخۂ عرشی، طبع اوّل، شرح غالب، ص: ۳۴۷)

اس سے اگلی غزل نمبر ۱۱۲ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرزا صاحب نے نواب کلب علی خاں بہادر والی رام پور کو ۹ جون
۱۸٦٦ء کو لکھا ہے کہ ''جب بادشاہ دھلی نے مجھے نوکر رکھا اور خطاب دیا
اور خدمت تاریخ نگاری سلاطینِ تیموریہ مجھ کو تفویض کی، تو میں نے ایک

غزل طرزِ تازہ پر لکھی‘‘۔ میرزا صاحب کی نوکری اور خطاب کا واقعہ ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کا ہے۔ لہٰذا اس غزل کو تاریخ مذکور کے بعد کا ہونا چاہیے‘‘۔(نسخۂ عرشی، طبع اوّل، شرح غالب، ص، ۳۴۷)

’’نوائے سروش‘‘ ہی کی غزل نمبر ۲۱۲ کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’قرآن السّعدین، جلد ۳، نمبر ۱۳، ص ۴۹، مورخہ ۲۷ مارچ ۱۸۴۸ء میں آزردہ کا ایک دوغزلہ اس زمین کا شائع ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل بھی اُسی زمانے کی ہے‘‘

(نسخۂ عرشی، طبع اوّل، شرح غالب، ص: ۳۶۱)

غزل نمبر ۲۱۶ کے بارے میں نوٹ ہے:

’’یہ غزل دھلی اردو اخبار، جلد ۱۳، نمبر ۱۹، صفحہ ۴، مورخہ ۸ رجب ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۸۵۱ء میں ....چھپی ہے‘‘۔

(نسخۂ عرشی، طبع اوّل، شرح غالب، ص: ۳۶۳)

یہ تمام غزلیں نسخۂ عرشی میں ’’آخرما‘‘ (ابتدائی مآخذ) کے تحت چھپی ہیں۔ مولانا عرشی نے ’’شرح غالب‘‘ کے تحت ’’آخرما‘‘ کی ایسی مزید کچھ غزلوں کے سال فکر کا تعیّن بھی کیا ہے اور طبع ثانی میں چند ایک کے سوا تمام کا تعینِ زمانہ کر دیا گیا ہے جس وجہ سے انھیں ’’قج‘‘ پر ترجیح دی گئی ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نے ’’آخرما‘‘ کی زمانی ترتیب سے اختلاف کرتے ہوئے ’’شرح غالب‘‘ کے تحت، ان غزلوں کے بارے میں محولا بالا حواشی میں سے کسی ایک کی طرف بھی رجوع نہیں کیا جس وجہ سے انھوں نے یہ رائے قائم کر لی کہ مولانا عرشی نے انھیں ’’قج‘‘ سے پہلے درج کرنے کی وجہ ظاہر نہیں کی۔ اگر حواشی دیکھ لیے جاتے تو اختلاف کی گنجائش نہ رہتی۔

جس طرح ’’آخرق‘‘ کی تمام غزلیں ’’قا‘‘ میں موجود ہونے کے باوجود، مولانا عرشی نے ان کا پہلا مآخذ ’’آخرق‘‘ ہی درج کیا، اسی طرح ’’آخرما‘‘ کی غزلوں کو ’’قج‘‘ میں ہونے کے باوجود (یہ تعین اختلافِ نسخ سے کیا ہے کہ یہ تمام قج میں ہیں) پہلا مآخذ ’’آخرما‘‘ درج کیا ہے۔ مراد ہر دو طرح کی غزلوں کے عہد کا تعین کرنا تھا۔

مولانا عرشی نے تاریخی ترتیب کا جو طریقۂ کار پیشِ نظر رکھا ہے، نسخۂ عرشی کی ترتیب اُس کے مطابق ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اس میں غالب کی ہر نظم و غزل کے سالِ فکر کا تعین نہیں ہو سکا لیکن مولانا عرشی نے ان کے عہد کا جو تعین کیا ہے وہ معلوم اور میسر مواد کے پیشِ نظر درست ہے۔ ہر حصّے اور ہر ردیف کے تحت زمانی ترتیب سے جو کلام درج ہے اُن میں سے جن کا فرداً فرداً سالِ فکر متعین کرنا ممکن ہو سکا، حواشی میں اس کی وضاحت کر دی ہے جن کے بارے میں کوئی ایسے شواہد نہیں ملے کہ اُن کی واقعی تاریخِ تخلیق متعین ہو اُن کو عہد کے لحاظ سے درست طور پر درج کر دیا ہے۔ نسخۂ عرشی میں سے صرف چند غزلوں نظموں کے بارے میں تین طرح کے معروضات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ جن کا کلام کی تاریخی ترتیب سے تعلق ہے۔ پہلی صورت میں دو غزلیں ایسی ہیں کہ نسخۂ عرشی میں جن کا سالِ فکر تصحیح طلب ہے۔ دوسری قسم ان معروضات کی یہ ہے کہ ایک قصیدے اور ایک غزل کی نسخۂ عرشی میں درست تاریخِ تخلیق بیان کی ہے لیکن ڈاکٹر گیان چند اور گپتا رضا کو اس پر اعتراض ہے۔ معروضات کی تیسری قسم یہ ہے کہ نسخۂ عرشی کی طباعت و اشاعت کے بعد کے دو مآخذ کے ذریعے سے دو غزلوں کے سالِ فکر کا تعین کرنا ممکن ہو سکا ہے۔ اب ان کو اسی ترتیب سے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۳:۲۹۰ وہ آ کے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے

مولانا عرشی نے اس غزل کے ابتدائی مآخذ ''آخرِ ق'' اور ''قا'' درج کیے ہیں اور حاشیے میں غالب کے ایک خط کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''اس غزل کی شانِ نظم کے بارے میں میرزا صاحب نے ۲۷ جولائی ۱۸۶۲ء کو علّائی کو لکھا ہے: ''پچاس برس کی بات ہے کہ الٰہی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی نکالی۔ میں نے حسب الحکم غزل لکھی۔ بیت الغزل یہ (ہے): پلا دے اوک سے ساقی الخ............''
>
> (نسخۂ عرشی، ص:۲۹۰)

غالب کا ۲۷ جولائی ۱۸۶۲ء کو لکھنا کہ ''پچاس برس (پہلے) کی بات ہے'' پر مولانا عرشی نے اظہارِ رائے نہیں فرمایا کہ اس حساب سے تو یہ غزل ۱۸۱۲ء کی فکر کردہ معلوم ہوتی ہے اور اس طرح، اسے ردیف ی کی سب سے پہلی غزل کے طور پر درج کرنا چاہیے۔ ''نوائے سروش'' میں،

اس سے پہلے ردیف ی کی ستاون غزلیں ''ق'' اور ''قا'' کے حوالے سے درج ہیں۔ غالب کے اسی خط کی بنیاد پر ڈاکٹر سیّد معین الرحمن لکھتے ہیں:

''معلومہ مآخذ کی حد تک، اِس غزل کو غالب کی قدیم ترین نگارشات میں شمار اور خیال کرنا چاہیے۔ یہ غزل غالب نے ایک فرمائش پر ۱۸۱۲ء میں کہی ....'' ۔(نسخۂ خواجہ،ص:۲۰۲)

مولانا عرشی کی پیروی میں گپتا رضا بھی، اپنے مرتبہ نسخہ رضا (ص:۲۶) میں غالب کے واضح بیان کو نظر انداز کر کے اور کوئی اظہارِ رائے نہ فرما کر اس غزل کو ۱۸۲۱ء اور ۱۸۲۶ء کے درمیان کا تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر سید معین الرحمن لکھتے ہیں:

''۱۸۲۱ء کے مخطوطے کے حاشیے پر غزل کے ہونے سے صرف یہ ظاہر ہے کہ غزل اس برس کے بعد کی تخلیق نہیں۔ یہ اس برس یا اس سے پہلے کی ہوسکتی ہے، اگر دوسرے قابلِ اعتبار ذرائع سے اس کا تعین ہوتا ہو۔ غالب کے ایک بہت واضح اور بے مصلحت بیان کی موجودگی میں اس غزل کا زمانۂ تخلیق ۱۸۱۲ء ہی ماننا چاہیے''۔
(نسخہ خواجہ،ص:۲۰۳)

جب تک غالب کے خط میں اُن کے بیان کی تردید مستند شواہد سے نہ کی جائے، اس غزل کو ۱۸۱۲ء کی تخلیق ماننے میں تامّل نہیں ہونا چاہیے۔

۷:۳۲۷ نکتہ چیں ہے، غمِ دل اُس کو سُنائے نہ بنے

مولانا عرشی حاشیے میں اس غزل کی تاریخِ تخلیق کا تعین، منشی نبی بخش حقیر کے نام غالب کے ایک خط کے حوالے سے کرتے ہیں:

''(یہ) غزل پہلی بار قد میں شامل کی گئی--- ۸ جون ۱۸۵۳ء کے خط میں میرزا صاحب نے انھیں (حقیرؔ کو) اس شعر کا مطلب سمجھایا ہے ....لہٰذا اسے ۸ جون ۱۸۵۳ء سے کچھ قبل کا ہونا چاہیے۔''
(نسخۂ عرشی،ص:۳۲۷-۳۲۸)

گپتا رضا کو، حقیرؔ کے نام اس خط کی تاریخِ تحریر سے اختلاف ہے وہ لکھتے ہیں:

''خط بنام حقیرؔ ۸ جنوری ۱۸۵۳ء میں اس غزل کا ذکر ہے دیوان غالب نسخۂ عرشی ، اشاعت دوم میں ۸ جون سہواً لکھا گیا ہے- اس لیے غزل ۸ جنوری ۱۸۵۳ء سے کچھ پہلے یعنی اواخر ۱۸۵۲ء میں کہی گئی ہوگی۔''(حاشیہ نسخۂ رضا،ص:۴۲۹)

نسخۂ عرشی میں ۸ جنوری کے بجائے ۸ جون چھپ جانا، ٹائپ یا پروف کا سہو ہے کیونکہ اس کے بعد والی غزل ۲۴- اپریل ۱۸۵۳ء کے حوالے سے درج ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ مولانا عرشی جون کی غزل کو پہلے رکھتے اور اپریل کی ، کو بعد میں۔

ڈاکٹر گیان چند نے نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''یادگار نالہ'' میں شامل ایک قصیدے کی تاریخ تخلیق سے اختلاف کیا ہے۔ وہ قصیدہ یہ ہے:

۱۳:۳۸۰ مرحبا! سالِ فرخّی آئیں عیدِ شوّال و ماہِ فروردیں

نواب یوسف علی خاں کے غسل صحت پر لکھے گئے اس قصیدۂ تہنیت کی تاریخِ تخلیق کا تعین کرتے ہوئے مولانا عرشی لکھتے ہیں:

''یہ قصیدہ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء اور ۸ جنوری ۱۸۶۵ء کے درمیان لکھا گیا تھا۔''(نسخۂ عرشی ،ص۳۸۱)

نسخۂ عرشی طبع اوّل میں بھی اس قصیدے کو انھی تاریخوں کے درمیان کا بتایا گیا تھا جس پر ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

''معلوم نہیں عرشی صاحب نے کس بنا پر اس قطعے کو دسمبر جنوری سے منسوب کیا ہے، کیونکہ داخلی شہادت کے مطابق یہ صاف صاف مارچ ۱۸۶۵ء کا ہے''۔ (رموزِ غالب،ص:۲۸۴)

اس قصیدے میں داخلی شہادت یہ ہے کہ اس میں، عیدِ شوّال، نو روز اور ہولی، تینوں تہواروں کا ذکر ہے کہ یہ ایک ہی مہینے میں آ رہے ہیں۔ان تہواروں کی وضاحت کرتے ہوئے گیان چند لکھتے ہیں:

''فرورِدیں ایرانی شمسی سال کا پہلا مہینا ہے جو مارچ میں شروع ہوتا ہے۔ نو روز ۲۱ مارچ کو ہوتا ہے۔ اس سال عیدِ شوال نو روز سے تین

ہفتے پہلے ہوئی۔ جنتری کے مطابق صرف ۱۸۶۵ء میں عید ۲۱ مارچ سے
تقریباً تین ہفتے پہلے ہوئی، آس پاس کے کسی سال میں نہیں ہوئی۔ ہولی
عموماً مارچ میں ہوتی ہے۔ اسی مہینے میں نواب کے غسلِ صحت کی تقریب
ہوئی''۔ (رموزِ غالب، ص: ۲۸۵)

ڈاکٹر گیان چند کا یہ فرمانا درست ہے کہ نواب یوسف علی خاں کے غسلِ صحت کی تقریب مارچ میں ہوئی ہے۔ [۵] لیکن غرض اس سے نہیں کہ نواب کے غسلِ صحت کی تقریب کب ہوئی، حل طلب بات یہ ہے کہ غالب نے اس تقریب کے لیے قصیدۂ تہنیت کب لکھا۔ میرزا غالب منشی سیل چند (جو اس وقت ریاست رام پور میں ''خبر رسانی وفراہمی رسد وغیرہ کا کام انجام دیتے تھے) کے نام، ۱۹-جنوری ۱۸۶۵ء کو لکھتے ہیں:

''یہ جو میں نے قصیدۂ تہنیت لکھ کر بھیجا ہے، منشا اس کا یہ ہے کہ شاہ کبیر
الدین صاحب رامپور سے آئے، اور انھوں نے کہا کہ نواب صاحب
جمعے کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو نہائیں گے۔ اب تمہاری تحریر سے
معلوم ہوا کہ ماہِ آیندہ یعنی رجب ۶ ؁ میں نہائیں گے، خیر، وہ کاغذ تو
حضور کی نظر سے گزرے گا۔ اگر موقع پاؤ، تو حضور میں یہ ماجرا عرض کر
دنیا کہ میں نے بموجب روایت شاہ کبیر الدین کے اس کے ارسال میں
جلدی کی ہے''۔ ۷؎

یعنی غسلِ صحت کی تقریب چاہے مارچ میں ہوئی یا ہونی تھی لیکن غالب، قصیدۂ زیرِ بحث ۱۹-جنوری سے پہلے ارسال کر چکے تھے اور وقت سے پہلے لکھ بھیجنے کا جواز بھی اس خط میں لکھ دیا ہے۔۔ نسخۂ عرشی میں مولانا عرشی، منشی سیل چند کے نام کے اس خط کا یہ اقتباس دے دیتے تو بات صاف ہو جاتی۔ گپتا رضا نے نسخۂ رضا (ص: ۴۸۳) میں، اس قصیدے کو مولانا عرشی کی تعین کردہ تاریخوں کے درمیان رکھا ہے اور شیخ محمد اکرام نے ارمغانِ غالب (ص: ۳۱۸) میں واضح طور پر جنوری ۱۸۶۵ء کے تحت درج کیا ہے۔

نسخۂ عرشی میں غزل نمبر ۷۴ ہے:

۱:۱۹۲ درد مِنّت کشِ دوا نہ ہوا

حاشیے میں مولانا عرشی، اس کے سالِ فکر کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ غزل ق میں نہیں ہے، جو اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا مرتّبہ ہے اور گلستانِ سخن: ۳۸۳، میں اس کا ایک شعر انتخاب کیا گیا ہے، جو اپریل ۱۸۵۴ء سے قبل کی تالیف ہے............ ان وجوہ سے میں اس غزل کو وسط ۱۸۵۲ءاور آغاز ۱۸۵۴ء کے درمیان کی قرار دیتا ہوں''۔

(نسخۂ عرشی، ص: ۱۹۲)

گپتا رضا، اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرشی صاحب نے اس غزل کو وسطِ ۱۸۵۲ء اور آغازِ ۱۸۵۴ء کے درمیان قرار دیا ہے مگر میری رائے میں، جب ''یہ غزل ق میں نہیں ہے جو اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا مرتّبہ ہے'' تو اسے زیادہ سے زیادہ آخرِ ۱۸۵۲ءاور ۱۸۵۴ء کے درمیان تسلیم کرنا چاہیے''۔

(نسخۂ رضا، ص: ۷۴۴)

اختلاف معمولی ہے اور اس سے ترتیب میں کچھ فرق نہیں آتا لیکن دونوں جگہ اشکال ایک اور حوالے سے ہے۔

محولا بالا دونوں اقتباسات میں تین باتیں تقریباً مشترک ہیں:

(۱) یہ غزل ق (نسخۂ لاہور) میں نہیں ہے۔

(۲) ق اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا مرتّبہ ہے۔

(۳) اس وجہ سے غزل کو وسط / اواخر ۱۸۵۲ء اور آغاز ۱۸۵۴ء کے درمیان کا ہونا چاہیے۔

دونوں اقتباسات کے داخلی شواہد اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ: ''ق اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا مرتبہ ہے'' کیونکہ زیرِ بحث غزل، اگر وسط یا اواخر ۱۸۵۲ء کے بعد کی ہے اور ق بھی اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا ہے تو ق میں اس غزل کے نہ ہونے کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔ اصل میں نسخۂ عرشی کے محولا اقتباس میں ق (نسخۂ لاہور اگست ۱۸۵۲ء) کے بارے میں یہ لکھا جانا کہ یہ ''اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا مرتبہ ہے'' سہو کاتب یا کتابت ہے جس کی پیروی میں گپتا رضا نے بھی یہی بات نقل کر دی حالانکہ نسخۂ عرشی کے مقدمے (ص: ۱۱۶) میں ق کے سالِ تحریر کا تعین

کیا ہے کہ اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کی اس میں کوئی غزل نہیں لہٰذا یہ نسخۂ ۱۸۵۲ء کے نصف آخر میں مرتب ہو چکا تھا۔ اگر نسخۂ عرشی کے محولا بالا اقتباس کے اس جملے کہ ''قج اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کا مرتبہ ہے'' کو سہو کاتب یا کتابت مان لیا جائے (اور مان لینا چاہیے) تو عرشی صاحب نے اس غزل کی تاریخ فکر کا درست تعین کیا ہے۔

۳:۱۸۶ ذکر اُس پَری وَش کا، اور پھر بیاں اپنا

مولانا عرشی نے اس غزل کا پہلا مآخذ ''آخرما'' درج کیا ہے یعنی دیوانِ غالب کے دوسرے ایڈیشن کے آخر میں بخطِ غیر یہ غزل ملتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ۱۸۴۷ء کے بعد لکھی گئی۔ ۱۸۴۷ء کے بعد کب لکھی گئی اس کا تعین نثار احمد فاروقی نے کیا ہے۔ وہ غالب کے ایک فارسی خط مکتوبہ ۲۲ فروری ۱۸۴۸ء کے حوالے سے، اس غزل کا زمانۂ فکر، غالب کے دوسری بار حادثۂ اسیری (رہائی: اوائل ۱۸۴۸ء) کے فوراً بعد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مجھے ایک قدیم قلمی بیاض میں غالب کا یہی خط ملا ہے۔ اس......
> سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ریختہ کی جس غزل کا اس خط میں حوالہ آیا
> ہے، یہ وہ مشہور غزل ہے جس کا مطلع ہے: ''ذکر اس پری وَش کا الخ''۔
> اس کی داخلی فضا بھی یہ غمازی کر رہی ہے کہ حادثۂ اسیری سے غالب کو جو
> ذہنی تکلیف پہنچی تھی اس کا اُن کی شاعری پر کتنا گہرا اثر پڑا''۔ ۸؎

نسخۂ رضا (ص: ۴۰۶) میں بھی تلاشِ غالب (طبع اوّل ۱۹۶۹ء) کے حوالے سے اس غزل کو ۲۲ فروری ۱۸۴۸ء کے تحت درج کیا گیا ہے۔

۱:۳۳۷ پھر اس انداز سے بہار آئی

نسخۂ عرشی میں یہ غزل (نمبر ۲۳۲)، ''قد'' (۱۸۵۵ء) کے حوالے سے درج ہے۔ اس کے سالِ فکر کی طرف نسخۂ عرشی میں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ حال ہی میں، پروفیسر حمید احمد خاں کی یادداشتوں پر مبنی کتاب ''مرقّعِ غالب'' شائع ہوئی ہے جس کے ذریعے سے اس غزل کا تعیّنِ زمانہ ممکن ہو سکا ہے، اس کتاب میں ضمیمہ ج کے تحت ایک یادداشت ''غالب کی مختلف غزلیات کی تاریخ تحریر'' کے عنوان سے ہے، پھر زیر بحث غزل کا مطلع اور اس کے بعد لکھا ہے:
''اگست ۱۸۵۳ء، ثبوت کے لیے:

See chapt. xviii of PB.Govt. Records Vol.1

headed "Illness of H.M. The King of Delhi and arrangements in the event of his demise 1853". A letter from Sir Theophilus Metcalfe to the secy. to Govt. N-W. Provinces dated 18th July, 1853, says that "The King of Dehlee has for some days past been suffering from a severe attach of dysentry caused by his own imprudence in the matter of diet".[9]

مذکورہ غزل کا مقطع ہے:

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ　　شاہِ دیندار نے شِفا پائی

''شاہِ دیندار'' سے مراد بہادر شاہ ظفر ہیں۔ نسخۂ عرشی میں اس غزل سے پہلے والی غزل (نمبر ۲۳۱) میں بھی، بہادر شاہ ظفر کی صحت یابی کا ذکر ہے۔ وہاں مولانا عرشی لکھتے ہیں:

''بادشاہ عیدِ شوال ۱۲۶۹ھ (جولائی ۱۸۵۳ء) سے بیمار ہو کر ۲۳ ماہِ مذکور (۲۱ جولائی ۱۸۵۳ء) تک علیل رہے''۔

(نسخۂ عرشی، ص ۳۳۶)

گویا زیر بحث غزل کو، اگست ۱۸۵۳ء ہی کا ہونا چاہیے۔

❁

جدید اصولِ تدوین کے مطابق، کسی کلام کو مدّون کرنے کے لیے، اس کلام کے تمام معلوم اور میّسر، قلمی و مطبوعہ نسخوں کو پیشِ نظر رکھ کر، ان میں سے معتبر ترین کو (جس کا متن، املا، ترتیب وغیرہ منشاے مصنف کے مطابق ہو) بنیاد بنانا ہوتا ہے اور دوسرے نسخوں کے اختلافات کو حاشیے میں درج کرنا ہوتا ہے۔ الّا یہ کہ اس معتبر نسخے میں بھی کہیں ناقص متن رہ گیا ہو۔ اس دوسری صورت میں، مدّون کو دوسرے نسخوں کی مدد سے (مصنف کے فکر و اسلوب کو سامنے رکھ کر) قیاسی تصحیح سے کام لینا پڑتا ہے۔ غالب کے اُردو کلام کے بھی متعدد قلمی و مطبوعہ نسخے موجود ہیں جن کو

استعمال میں لاکر، اصولِ تدوین کے مطابق، نسخۂ عرشی کو مرتب کیا گیا ہے۔
نسخۂ عرشی کے بنیادی متن کا جائزہ ذرا تفصیل چاہتا ہے کیونکہ یہ صرف متداول دیوان کی ترتیب و تدوین نہیں بلکہ اس میں متروک اور منتشر کلام بھی شامل ہے۔ اس وجہ سے ہر حصّے کا بنیادی متن اُس میں شامل، کلام کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہے۔

نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''گنجینۂ معنیٰ'' (اور ''باد آورد'' بھی) کے چار مآخذ ہیں: نسخۂ عرشی زادہ، نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور گلِ رعنا، اور اس حصّے میں آنے والا، ۱۸۲۸ء تک کا وہ کلام ہے، جو غالب نے قلم زد کر دیا اور متداول دیوان میں شامل نہ کیا۔ ''گنجینۂ معنیٰ'' میں آنے والے اس متروک اور غیر متداول کلام کو مرتب کرتے وقت، مولانا عرشی نے یہ اصول اپنایا ہے کہ مذکورہ چار نسخوں میں سے جو کلام صرف ایک نسخے میں پایا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی متن صرف وہی نسخہ بنا ہے اور جو کلام دو یا دو سے زیادہ نسخوں میں موجود ہے، وہاں، ان میں سے آخری نسخے کے متن کو، بنیادی متن قرار دے کر، اس سے پہلے کے نسخوں کے اختلاف درج کر دیے ہیں۔ اس حصّے کو مرتب کرنے کا یہ طریقۂ کار، اس نوعیت کے کلام کو مرتب کرنے کے، جدید اصولِ تدوین کے بھی مطابق ہے۔ لیکن نسخۂ عرشی کا یہ حِصّہ، چند مقامات پر اس اصول کے خلاف بھی نظر آیا ہے۔ مثلاً

۱۲:۴ نشّہ وجلوۂ گل، بر سرِ ہم فتنۂ غبار

اس میں لفظ ''غبار'' کا، ح کے حوالے سے اختلاف ''عیار'' درج کر کے اسے سہوِ کاتب بتایا ہے لیکن، ح اور حم دونوں میں ''عیار'' ہے اور نسخۂ عرشی طبع اوّل میں بھی ''عیار'' چھپا تھا۔ اس کا مآخذ صرف ''ق'' ہے لہٰذا اس انحراف یا تصحیح کی نسخۂ عرشی میں اور کہیں، کوئی وضاحت نہیں ہے۔
نسخۂ عرشی طبع اوّل کے ''گنجینۂ معنیٰ'' میں ''ق'' اور ''قا'' کے مشترک متن میں سے ''ق'' کو بنیادی متن کے طور پر پیش کیا تھا اور ''قا'' کے اختلاف درج کیے تھے۔ (کیونکہ ''قا'' دیر سے میسّر آیا تھا)۔ اس کے برعکس نسخۂ عرشی طبع ثانی میں ''ق'' اور ''قا'' کے مشترک کلام میں سے بنیادی متن کے طور پر ''قا'' کے متن کو قبول کیا ہے اور علاوہ نسخوں کے اختلاف درج کیے ہیں۔ ''اختلافِ نسخ'' میں متعدد جگہ ''قا'' کے بھی اختلاف درج ہیں، جن میں سے سہوِ کاتب کی مثالیں زیادہ ہیں نیز کچھ کاتب کے، املاے غالب کے خلاف چلنے کے اختلاف بھی ہیں۔ ایسے اختلافات کو چھوڑ کر ''گنجینے'' میں ایسا بھی ہوا ہے کہ، مرتب نے ''قا'' کے متن پر

''ق'' کے متن کو ترجیح دی ہے اور ''قا'' کا اختلاف دیتے ہوئے ''ق'' کے متن کو ترجیح دینے کا جواز پیش نہیں کیا، حالانکہ ''ق'' اور ''قا'' کے مشترک کلام میں سے ''قا'' آخری صورت ہے جسے ترجیح ملنا چاہیے تھی، الّا یہ کہ جہاں سہو کاتب و کتابت ہو۔ ''قا'' کے متن سے انحراف کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۴:۱۱، الف	وحشتِ خوابِ عدم، شورِ تماشا ہے، اسدؔ	قا، تماشاے اسدؔ
۱۰:۲۵، الف	لڑاوے گروہ بزمِ میکشی میں قہر وشفقت کو	قا، مہر
۵:۶۹، ب	پرِ عنقا پہ رنگِ رفتہ سے کھینچی ہیں تصویریں	قا، کھینچے ہے
۳:۹۹، الف	اسدؔ قربانِ لطفِ جورِ بیدل	قا، لطف و جور

''قا'' کے متن سے انحراف کی یہ مثالیں، ''قا'' کے کاتب کا سہو ہی معلوم ہوتی ہیں، جنہیں نسخۂ عرشی میں اختلاف دیتے ہوئے سہو کاتب ظاہر نہیں کیا گیا۔ مثلاً ان میں سے دوسری مثال ''قہر وشفقت'' جو ''قا'' میں ''مہر'' ہے۔ چونکہ ''قا'' کے کاتب نے اکثر جگہ الفاظ پر نقطے چھوڑ دیئے ہیں اور قلم سے لکھے ہو''قہر'' اور ''مہر'' میں ''م'' کا سرا تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے۔ اس لیے نقطے نہ لگنے کی وجہ سے ''قہر''، ''مہر'' پڑھا جا رہا ہے۔ نسخۂ عرشی میں ایسی کچھ مزید مثالیں بھی ہیں جو واضح طور پر ''قا'' کے کاتب کا سہو ہیں لیکن نسخۂ عرشی میں اختلاف تو دیا ہے، کاتب کا سہو ظاہر نہیں کیا۔ جس سے غلط طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ متن کا اختلاف ہے۔ البتہ ''گنجینے'' میں متن کے اختلاف کی ایک مثال توجہ طلب اور محلِ نظر ضرور ہے:

۱۲:۲۶، الف   شب کہ باندھا خواب میں آنے کا، قاتل نے جناح

اس مصرعے کے دو الفاظ کا مولانا عرشی نے اختلاف دیا ہے۔ ق اور ح کے حوالے سے ''غافل'' بجائے ''قاتل'' اور قا کے حوالے سے ''جناع'' اور آخر الذکر کو کاتب کا سہو قرار دیتے ہوئے نسخۂ عرشی کے دونوں ایڈیشنوں میں ''جناح'' کو برقرار رکھا ہے۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی کو اس سے اختلاف ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''عرشی صاحب نے ''جناح'' کو سہو کاتب لکھا ہے لیکن عرشی صاحب کی تصحیح قابلِ ترجیح نہیں۔ یہ لفظ جناغ یا جناق ہے جس کے معنی ہیں: شرط و گرو کہ دو کس بند ند (بفتح و در آخر لفظ عین معجمہ: غیاث اللغات) نسخۂ

شیرانی (متن) میں غ کا نقطہ اڑ گیا ہے اور یہ لفظ ع کے ساتھ باقی رہا۔
جناح کے معنی ہیں: بال مرغ و بازوی دست ومقدمۂ لشکر (غیاث) اور
شعر ان معانی کا تقاضا نہیں کرتا۔''
(مجلہ اقبال، لاہور: اپریل ۱۹۶۹ء ص:۷۵)

ان کے برعکس ڈاکٹر گیان چند نے مولانا عرشی کی پیروی میں ''جناح'' کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے معانی کا محل بھی نکال لیا ہے:

''جناح: پرندے کے پنکھ۔ آنے کا جناح: آنے کا ارادہ جیسے جناحِ سفر
تہیہ سفر رہتے ہیں۔''(تفسیرِ غالب، ص:۱۳۶)

نسخۂ گپتا رضا میں بھی نسخۂ عرشی کی پیروی میں ''جناح'' ہی رکھا گیا ہے گو ہر نوشاہی اور گیان چند کے بیان کردہ مفاہیم شعر کے معانی سے ہم آہنگ ہیں لیکن نسخۂ شیرانی کے متن میں چونکہ ''جناع'' ہے اور کاتب کے معمول کے سہو کے مطابق دوسرے کچھ الفاظ کی طرح یہاں بھی ''غ'' کو نقطے سے محروم رکھا گیا ہے اس لیے متن میں ''جناغ'' ہی کو ترجیح دینا چاہیے، چاہے ''جناح'' شعر میں بامعنی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ ''گنجینے'' کو مرتب کرتے ہوئے مولانا عرشی نے ہر جگہ، اصولِ تدوین کے مطابق آخری متن کو پیش کیا ہے۔

مولانا عرشی نے ''گنجینۂ معنی'' کی ترتیب میں ''ق اور قا'' (اور اس کے علاوہ بھی) میں سے تو، درست طور پر آخری متن کو پیش کیا ہے لیکن غزلوں میں موجود اشعار کی ترتیب میں برعکس صورتِ حال نظر آتی ہے۔ مثلاً نسخۂ عرشی طبع اوّل کے ''گنجینے'' میں متن ''ق'' کے مطابق تھا اور ''قا'' کے اختلاف دیے تھے اور غزلوں میں اشعار کی ترتیب ''قا'' کے مطابق رکھی تھی۔ لیکن طبع ثانی میں متن تو، درست طور پر اصولِ تدوین کی پابندی کرتے ہوئے ''قا'' کے مطابق کر دیا لیکن غزلوں میں اشعار کی ترتیب میں ''ق'' کی پیروی کی ہے اور ''قا'' کی ترتیبِ اشعار کا جگہ جگہ اختلاف دیا ہے۔ اصولاً یہ چاہیے تھا کہ جس طرح، اس حصّے میں آخری متن کو پیش کیا ہے، غزلوں میں اشعار کی ترتیب میں بھی اسی طرح آخری نسخے کی پیروی کی جاتی۔ ایسی مثالوں کے لیے نسخۂ عرشی کے ''اختلافِ نسخ'' سے آسانی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح مرتب نے اُس آخری نسخے کی ترتیبِ اشعار کو مسخ کیا ہے جس کے متن کو وہ ترجیح دے چکے

ہیں۔

تدوین کا مسلّمہ اصول ہے کہ مصنف کی زندگی کے آخری قلمی یا مطبوعہ نسخے کو بنیاد بنایا جائے، جسے خود مصنف نے لکھا، یا اگر کسی سے لکھوایا (یا چھپا ہوا ہے) تو اُس کو دیکھا اور اصلاح طلب مقامات کو درست کیا ہو۔ غالب کے ہاں چونکہ آخر وقت تک ترمیم و اضافہ اور حک و اصلاح کا عمل دکھائی دیتا ہے اور ایسے قلمی نسخے بھی ایک سے زیادہ ملتے ہیں۔ اس وجہ سے غالب کے متداول دیوان کی تدوین کے لیے بنیادی نسخے کا تعین، محققین میں ایک اختلافی مسئلہ رہا ہے۔

نسخۂ عرشی کا حِصّہ نوائے سروش جو متداول کلام پر مشتمل ہے اس کے متن کی بنیاد مولانا عرشی نے اس نسخے کو بنایا ہے جو غالب نے اپنے پسندیدہ کاتب ،نواب فخر الدین محمد خان بہادر سے ۱۸۵۵ء میں نواب یوسف علی خاں والی رام پور کے لیے لکھوایا اور بھیجا تھا۔ چونکہ مولانا عرشی کے نزدیک یہ نسخہ غالب کی زندگی کا آخری اصلاح یافتہ میسر نسخہ ہے اس لیے انھوں نے نوائے سروش کے متن کی بنیاد اس پر رکھی ہے۔

اس کے برعکس مالک رام نے ۱۹۵۷ء میں دیوان غالب مرتب کیا تو انھوں نے اپنے مرتّبہ دیوان کی بنیاد غالب کی زندگی کے اس مطبوعہ ایڈیشن کو بنانے کا دعویٰ کیا جو ۱۸۶۱ء میں مطبع احمدی سے چھپا اور اغلاط سے پر ہونے پر غالب نے ''دورات دن'' کی محنت سے اس کی تصحیح کی، پھر، اس کی بنیاد پر ۱۸۶۲ء میں چوتھا ایڈیشن مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا۔ چونکہ مالک رام ،دیوان غالب کے تیسرے ایڈیشن کی اصلاح شدہ کاپی یا اس پر مبنی چوتھے ایڈیشن کو بنیادی متن کا درجہ دیتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے مولانا عرشی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا:

> ''اگر کتاب مطبوعہ ہے تو مصنف کی زندگی کے آخری ایڈیشن کو بطور متن استعمال کیا جائے گا بشرطیکہ اس بات کا یقین ہو کہ مصنف نے اس کا مُسودّہ دیکھا تھا، اور باقی تمام نسخے اختلافات کے لیے کام آئیں گے......
> جناب عرشی صاحب نے اس سے انحراف کیا ہے'' ۱۰؎

مالک رام کی پیروی میں ڈاکٹر گیان چند بھی اسی نسخے کو بنیاد بنانے کے لیے کہتے ہیں:

> ''جو اشعار ''انتخاب غالب'' (۱۸۶۶ء) میں شامل ہیں ان کے متن کے لیے ''انتخاب'' یقینا حرف آخر ہے۔ بقیہ اشعار کے لیے ظاہرا'' کانپور ایڈیشن'' غالب کا تصحیح کردہ آخری متن ہے مالک رام صاحب نے اپنے

مرتبہ دیوان کی بنا اسی پر رکھی ہے۔''کان پور ایڈیشن'' میں قباحت یہ ہے کہ اس میں اغلاط طباعت ہیں۔ (جن کی درستی کتب خانہء آصفیہ کی کاپی سے کی جاسکتی ہے)''۔ (رموزِ غالب،ص ۲۵۵)

مالک رام نے غالب کی اس اصلاحی کاپی کو کتب خانہ آصفیہ،حیدرآباد (دکن) کا مخرونہ بتایا تھا جس بنا پر گیان چند نے بھی اس کاپی کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہا ہے۔ مالک رام نے اس اصلاحی کاپی کا کچھ حال بیان نہیں کیا ہے۔ رشید حسن خاں نے مالک رام کی نشاندہی پر اس اصلاحی کاپی سے رجوع کرنا چاہا تو کتب خانہ آصفیہ یا کہیں اور بھی انہیں یہ کاپی نہ ملی۔ انھوں نے کتب خانہ آصفیہ میں اس کی عدم موجودگی اور نصیرالدین ہاشمی کے نام مالک رام کے ایک خط (مطبوعہ نقوش،جلد ۳) کے ذریعے سے یہ ثابت کیا کہ مالک رام، نے اس اصلاحی کاپی کو بہ چشمِ خود نہیں دیکھا، بلکہ نصیر الدین ہاشمی کے بیان پر بھروسا کرکے اس اصلاحی کاپی کی بنیاد پر چھپنے والے کا پنوری ایڈیشن کو بنیاد بنالیا اور دعویٰ اصلاحی کاپی کو بنیاد بنانے کا کیا۔ رشید حسن خاں نے ،مالک رام کے مرتبہ دیوان غالب پر اپنے مضمون ''دیوانِ غالب صدی ایڈیشن'' [۱۱] میں یہ تمام حقائق بیان کیے ہیں۔

کانپوری ایڈیشن (۱۸۶۲ء) چاہے، احمدی ایڈیشن (۱۸۶۱ء) کی ،غالب کی تصحیح شدہ کاپی پر ہی مبنی کیوں نہ ہو، اسے بنیاد نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ اس اصلاحی کاپی سے ،مطبع نظامی کا پنور کے کاتب نے نقل کیا،تو اس کا کیا یقین کہ اس کاتب نے تمام وکمال غالب کی اصلاحوں کو درج کردیا ہوگا یا مزید کچھ غلطیاں نہ کردی ہوں گی۔ (جیسا کہ خود گیان چند نے اعتراف کیا ہے کہ یہ ایڈیشن اغلاط سے پُر ہے)اس ضمن میں رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

''مطبع نظامی کانپور کے مطبوعہ نسخے کے متعلق یہ طے کرلینا کہ یہ لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف اسی طرح چھپا ہے،جس طرح غالب نے تصحیح کی تھی؛ محض فرض کرنے کے برابر ہے اور تدوین یا تحقیق کی بنیاد ، مفروضات یا اس کی مرادف تعبیرات پر نہیں رکھی جاسکتی۔'' ۱۲؎

رشید حسن خاں نے اپنے اس مضمون میں کانپوری ایڈیشن کا مفصل جائزہ لیتے ہوئے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ ایڈیشن غالب کے تصحیح کردہ نسخے کے مطابق نہیں ہے۔اس میں اغلاط کے زیادہ ہونے کا اعتراف تو خود مالک رام اور گیان چند نے بھی کیا ہے۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی ، غالب شناس محققین میں سے واحد ہیں جنھوں نے دوسروں کی نسبت ،دیوانِ غالب کے زیادہ سے زیادہ، معلوم اور میسر، قلمی و مطبوعہ نسخوں کو دیکھا اور نسخۂ عرشی میں انہیں استعمال کیا۔ وہ ان نسخوں کی کیفیّت و کمیّت اور اہمیّت سے اچھی طرح آ گاہ اور آ شنا ہیں۔ مالک رام یا گیان چند جس ایڈیشن کو بنیادی متن کا درجہ دیتے ہیں ، اس کی انفرادیت یا خصوصیات کے ضمن میں کچھ تفصیل نہیں بتاتے سوائے اس کے کہ وہ غالب کی زندگی کی آخری اصلاح شدہ کاپی پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس مولانا عرشی نے جس نسخے کو بنیاد بنایا ہے تفصیل کے ساتھ اس کی خصوصیات بھی بتائی ہے اور کانپوری ایڈیشن سے موازنہ کرنے کے بعد یہ ثابت بھی کیا ہے کہ ان کے مجوزہ نسخۂ (نسخۂ رام پور جدید) ہی کو بنیادی متن بنایا جا سکتا ہے۔ مولانا عرشی ،غالب کے اصلاحی نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) کے بارے میں اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میرزا صاحب نے اسے لفظی ،معنوی اور ترتیبی لحاظ سے خوب تر بنانے کی سعی کی تھی اور اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ۱۲۴۸ھ والے ایڈیشن (نسخے) کے بعد ان کے دیوان کا وہ ایڈیشن (مخطوطہ) ہے، جو انھوں نے ازسرِ نو خود مرتب کیا تھا۔ ان دونوں نسخوں کے درمیان کے جتنے نسخے ہیں وہ حقیقی معنوں میں ایڈیشن نہیں کہلا سکتے ، بلکہ وہ پچھلے ایڈیشن کی گویا نقل ہیں جن میں نئے کلام کا اضافہ کردیا گیا ہے۔'' (مقدمہ، ص ۱۱۹)

نسخۂ رام پور جدید کی یہ انفرادیت بتانے کے بعد، مولانا عرشی ،اس نسخے کی املائی خصوصیات بتا کر مثالوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس نسخے کا املا ،دوسرے تمام نسخوں سے بہتر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''میں نے میرزا صاحب کے دیوانِ اُردو کے جتنے نسخے دیکھے ہیں، خواہ وہ قلمی تھے یا مطبوعہ، ان سب میں نسخۂ رام پور جدید املائی اعتبار سے برتر ہے۔ اس میں میرزا صاحب کے ایما سے کاتب نے الفاظ کی کتابت چند خصوصیتّوں کو نظر میں رکھ کر کی ہے...... اور وہ خصوصیّات ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے نسخۂ زیرِ بحث کو دوسرے نسخوں کے مقابلے میں ترقی

یافتہ یا خوب تر کہنا چاہیے'' (مقدمہ، ص:۱۲۱)

رشید حسن خاں، دیوانِ غالب اردو کی تدوین کے لیے بنیادی نسخے کے تعیّن میں مولانا عرشی کے بعد کی تحقیقات کے جائزے کے بعد بھی اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کانپوری ایڈیشن کو بنیاد نہیں بنانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ان کا قدرے طویل اقتباس ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

''غالب نے مطبع احمدی کے چھپے ہوئے جس نسخے کی تصحیح کی تھی وہ کہاں ہے۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا اب تک تو یہی فرض کیا جاتا رہا کہ وہ نسخہ حیدرآباد میں ہے اور نسخہ نظامی پریس کانپور کا بھرم بھی اسی لیے تھا کہ جس نسخے پر یہ مبنی ہے، وہ اصل نسخہ موجود ہے۔......

چونکہ وہ نسخہ ہمارے سامنے نہیں جس کی غلطیوں کو غالب نے ''دورات دن کی محنت'' میں درست کیا تھا۔ اس لیے نسخہ مطبع نظامی کے متعلق یہ فرض کر لینا تقاضائے احتیاط کے بالکل خلاف ہوگا کہ اس کا متن حتماً غالب کا آخری پسندیدہ متن ہے، یا یہ کہ مطبع احمدی کے چھپے ہوئے نسخے کی ساری غلطیاں درست ہو گئی ہیں......موجودہ صورت میں نسخہ نظامی کے مقابلے میں کلام غالب کے ان خطی نسخوں کو اصل اہمیت حاصل رہے گی جو بخطِ غالب ہوں یا غالب کی نظر سے گزرے ہوں اور جن پر ان کے قلم کی تصحیحات موجود ہوں مثلاً نسخہ شیرانی، اور نسخہ ہائے رام پور......''[۱۳]

غالب کے اصلاحی ، ان نسخوں میں سے سب سے آخری نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) ہے جو مکمل ہے۔ اس کے بعد انتخابِ غالب (۱۸۶۶ء)۔ لہٰذا ان دونوں پر اس وقت تک کسی نسخے کو فوقیت نہیں دی جاسکتی جب تک کوئی اور نسخہ ان کے بعد کا بخطِ غالب یا غالب کا اصلاح شدہ نہ مل جائے۔

دیوانِ غالب اُردو کی تدوین کے لیے بنیادی متن (نسخے) کے تعیّن کے، اس سلسلۂ مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) غالب کی زندگی کا آخری اصلاح شدہ نسخہ، وہ انتخاب ہے جو ۱۸۶۶ء میں لکھا گیا اور اب رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ جتنے اشعار اس میں آئے ہیں تدوین

میں ان کے متن کو قبول کرنا چاہیے۔

(۲) جو اشعار انتخاب غالب (۱۸۶۶ء) میں نہیں آئے، ان کے سلسلے میں، اس سے پہلے کے احمدی ایڈیشن (۱۸۶۱ء) کی وہ کاپی جس کی خود غالب نے تصحیح کی، بنیاد بنے گی (اگر یہ مل جائے تو)

(۳) چونکہ احمدی ایڈیشن کی اس تصحیح شدہ کاپی کا تا حال [۱۴] کہیں سراغ نہیں مل سکا، اس لیے اس سے پہلے کے، غالب کے اصلاحی نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) مخزونہ رضا لائبریری رام پور، کے متن کو بنیادی متن کے طور پر تسلیم کرنا ہوگا۔

نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) کے بعد، انتخاب غالب (۱۸۶۶ء) کے علاوہ، کوئی ایسا قلمی یا مطبوعہ نسخہ موجود اور میسّر نہیں جو غالب کا دیکھا ہوا اور اصلاح شدہ ہو، لہٰذا دیوانِ غالب کی تدوین کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ ''انتخاب'' میں آنے والے اشعار میں سے صرف اُن کو بنیادی متن قرار دے، جن پر غالب کی اصلاحیں موجود ہیں (کیونکہ اس میں بھی ''غالب کی اصلاحوں سے زیادہ غلطیاں باقی رہ گئی ہیں'') ان کے علاوہ اشعار کے سلسلے میں نسخۂ رام پور جدید ہی کو بہترین اور بنیادی متن قرار دیا جائے۔

مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی میں متداول کلام کو مرتّب و مدوّن کرتے وقت اُصولِ تدوین کے مطابق، درست طور پر انتخاب غالب اور نسخۂ رام پور جدید کے متون کو ہی بنیادی متن کے طور پر پیش کیا ہے۔

نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''نوائے سروش'' کے اختلافات کا جائزہ لیں تو ۷۰ سے زیادہ مقامات ایسے ملیں گے جہاں، مولانا عرشی نے قد (نسخۂ رام پور جدید : ۱۸۵۵ء) کے اختلاف درج کیے ہیں اور متن اس کے برعکس ہے۔ چونکہ نسخۂ عرشی کے اس حصّے کا اساسی متن ''قد'' ہی ہے اس لیے نظرِ بظاہر یہ احساس ہوتا ہے کہ مولانا عرشی نے اپنے منتخب کردہ بنیادی نسخے سے انحراف کیا ہے اور اُس کی پیروی نہ کرتے ہوئے اصولِ تدوین کے خلاف عمل کیا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، نسخۂ عرشی میں ''نوائے سروش'' کا متن (تقریباً) تمام و کمال ''قد'' کے مطابق ہی ہے۔ ''قد'' کے حوالے سے اس حصّے میں جو اختلافِ نسخ آئے ہیں وہ تین

طرح کے ہیں۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق املا اور رسم الخط سے ہے۔ نسخۂ عرشی میں، مولانا عرشی نے بعض الفاظ کے املا میں، غالب کے املا کی پابندی کی ہے اور بعض کو مروّج صورت میں رکھا ہے۔ مولانا عرشی کے مطابق چونکہ ''قد'' کا کاتب غالب کا پسندیدہ ہے اور ان کے روش املا کو جانتا ہے، لیکن اس کے باوجود، جہاں کہیں وہ غالب کے املا کے خلاف چلا ہے وہاں مولانا عرشی نے، مروّج یا غالب کے املا کو متن میں رکھا ہے اور قد کا اختلاف درج کر دیا ہے۔ مثلاً قد میں غالب کی تصحیحات کے باوجود، بعض جگہ ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ اپنی محرّف صورت میں بھی ہ (ہائے مختفی) کے ساتھ لکھے گئے ہیں، مولانا عرشی نے انھیں یائے دراز (ے) کے ساتھ کر دیا ہے۔ جیسے رتبہ کو رتبے، وعدہ کو وعدے، زمانہ کو زمانے، کوچہ کو کوچے، وغیرہ، چند دیگر الفاظ کے املا کا فرق بھی دور کر دیا گیا ہے مثلاً ھات کو ہاتھ، اشارا کو اشارہ، شیوا کو شیوہ، ہمسایا کو ہمسایہ، دھنواں کو دھواں، مونہہ کو مُنہ اور ٹہرا کو ٹھہرا بنا کر متن میں رکھا اور پہلی صورت کو اختلافِ نسخ میں درج کیا ہے۔

''قد'' کے حوالے سے آنے والے اختلافات کی دوسری صورت سہو کاتب و کتابت ہے۔ مخطوطات کے نقل کرنے میں کتابت کی غلطیاں رہ ہی جاتی ہیں، جو ''قد'' میں بھی ہیں۔ مولانا عرشی نے درست قرأت متن میں رکھ کر ''قد'' کے سہو کاتب و کتابت کو اختلافِ نسخ میں درج کر دیا ہے۔ مثلاً کسافت بجائے کثافت، نجیر بجائے نخچیر، انکیز بجائے انگیز وغیرہ لیکن نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ کے مطابق ''قد'' کے کاتب کے ایسے سہو بہت ہی کم ہیں۔ شمار کرنے پر صرف بارہ الفاظ سہو کاتب کے حوالے سے ملے ہیں۔

''قد'' کے حوالے سے اختلافِ نسخ کی تیسری صورت غالب کی اصلاحوں کو درج کرنا ہے۔ مولانا عرشی کے مطابق، چونکہ یہ نسخہ غالب نے خود دیکھا اور اس میں ترامیم اور اصلاحیں کی ہیں لہٰذا جہاں جہاں غالب کا قلم لگا ہے، مولانا عرشی نے اختلاف میں اسے واضح کر دیا ہے۔ ''قد'' کے اختلاف درج کرنے کی یہ تینوں صورتیں وہ ہیں جہاں مرتّب (مولانا عرشی) نے، متن کو منشائے مصنف کے مطابق کر دیا ہے۔

''نوائے سروش'' میں تین مقامات ایسے آئے ہیں (اور صرف یہی ہیں) جہاں ''قد'' کے متن سے انحراف ملتا ہے ان کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

۲۲۱:۴ب	شبِ مہ ہو، جو رکھدوں پنبہ دیواروں کے روزن میں	''تمام نسخے، ''رکھدیں''، موجودہ اصلاح، انتخاب غالب میں کی گئی ہے''۔
۲۳۵:۶،الف	وہ سحر، مدّعا طلبی میں نہ کام آئے!	''قد میں کاتب نے'' آئے'' لکھا تھا۔ غالب نے اپنے ہاتھ سے ہمزہ اور اس کا شوشہ دونوں چھیل دیے ہیں''۔
۲۷۸:۱،ب	ازسرِنو زندگی ہو، گر رہا ہو جایئے	''قد کے کاتب نے ''گر'' لکھا تھا۔ غالب نے اپنے ہاتھ سے مرکز چھیل دیا''۔

''قد'' سے تین جگہ ان انحرافات میں سے پہلے کا سبب تو یہ نظر آتا ہے کہ مولانا عرشی نے غالب کے آخری املا اور اصلاح کے مطابق انتخاب غالب (۱۸۶۶ء) کی اصلاح کو ترجیح دی ہے۔ دوسرا انحراف ایسا ہے جو سراسر نسخۂ عرشی میں پروف کا سہو نظر آتا ہے۔ کیونکہ غالب کی ایسی اصلاحوں کا اور بھی متعدد جگہوں پر حوالہ آیا ہے اور وہاں مولانا عرشی نے غالب کی پیروی کی ہے۔ یہاں غالب کی اصلاح کے باوجود متن میں ''آئے'' (ے پر ہمزہ کے ساتھ) آیا ہے لیکن نسخۂ عرشی کے متن میں اس کے علاوہ کسی ایک جگہ بھی ''آے'' ہمزہ کے ساتھ نہیں آیا۔ البتہ تیسرا انحراف محلِ نظر ہے اس صورت حال میں کہ جب اس پر غالب کی اصلاح موجود ہے اور مولانا عرشی نے اُس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ باقی نسخوں میں بھی ''کر'' ہی ملتا ہے (ویسے اس سے مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ ''ہو'' کے بعد علامتِ سکتہ (،) اور پھر ''گر'' نے مصرعے کو زیادہ پُر اثر بنا دیا ہے) یہاں بھی اگر پروف یا ٹائپ کی غلطی نہیں تو صرف یہ ایک مقام ایسا ہے جہاں ''نوائے سروش'' میں اصول تدوین کے خلاف (اور منشاے مصنف کے بھی خلاف) اپنے اساسی متن سے انحراف کیا گیا ہے۔

نسخۂ عرشی کے حِصّۂ ''یادگارِ نالہ'' میں چونکہ منتشر اور متفرق کلام شامل ہے جو مختلف مآخذ سے لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے، اس حصّے کے تمام کلام کا بنیادی متن کوئی ایک یا دو مآخذ نہیں ہو سکتے۔ اُردو میں اصولِ تدوین کی کتابوں میں، ایسے منتشر اور متفرق کلام کی تدوین کا کوئی طریقۂ کار نہیں بتایا گیا۔ مختلف کتب اور رسائل وغیرہ میں بکھرے ہوئے ایسے کلام کی ترتیب و تدوین نہایت دقّت طلب کام ہے کیونکہ یہ تعین کرنا آسان نہیں ہوتا کہ ایک غزل یا نظم اگر مختلف معتبر

مآخذ (مرتبہ دیوان یا رسائل) میں چھپ چکی ہے تو اس میں سے معتبر ترین متن کسے قرار دیا جائے۔ یہ کام مدوّن کے اعلیٰ درجے کے ذوق شعری اور مصنف یا اس کے کلام کے ہر پہلو سے مکمل آ گاہی کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مدوّن کو خود معتبر ترین متن کا تعین اور انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ یہاں تدوین کے اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا کہ اس کلام کی پہلی اشاعت کو بنیاد بنایا جائے یا آخری کو، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک غزل یا نظم پہلی بار کہیں شائع ہوئی، تو وہ، شائع کرنے والے کی کسی غلطی یا بے احتیاطی کی وجہ سے بگڑ کر رہ گئی یا اس نے حافظے کی بنا پر یا پھر کسی مجہول مآخذ سے غلط سلط نقل کر کے شائع کر دی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی بار درست طور پر شائع ہوگئی ہو اور بعد میں اس کی صورت مسخ کر دی جائے۔ غرض یہ کہ ایسے متفرق اور منتشر کلام کی تدوین و تصحیح، مدّون کی اپروچ اور ذہنی اُپج کی مرہونِ منّت اور اس کی صلاحیتوں کا امتحان ہے کہ وہ کس حد تک متن کو منشاے مصنف کے مطابق پیش کر سکتا ہے۔

مولانا عرشی، کلام غالب کی ہر منزل سے آشنا اور غالب کے بدلتے معیارات اور ذہنی مدارج سے گہری آ گاہی رکھتے تھے۔ ''یادگارِ نالہ'' کے تحت آنے والے متفرق کلام کی ترتیب و تدوین اس بات کا ثبوت ہے کہ مدوّن نے تدوین کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس حصّے کی تدوین میں مولانا عرشی نے یہی اُصول (وضع کیا اور) اپنایا ہے کہ ایک نظم یا غزل اگر ایک سے زیادہ جگہ شائع ہوئی ہے تو اُن میں سے معتبر ترین متن کا تعین کیا ہے۔ خواہ اس کی پہلی اشاعت کو یہ درجہ حاصل ہو یا کسی آخری اشاعت کو اور جہاں کسی کلام کا صرف ایک ہی مآخذ ہے، وہاں مولانا عرشی نے، منشاے مصنف کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اُس کے اسلوب وفکر کو سامنے رکھ کر، اپنے معیارِ نقد سے کام لیا ہے، اُس کو ویسے ہی نقل نہیں کر دیا، الّا یہ کہ وہ اُن کے نزدیک درست اور معتبر متن ہو۔

''یادگارِ نالہ'' سے ایسی چند مثالیں ملاحظہ ہوں، جہاں مولانا عرشی نے، اپنے متن کے صرف ایک مآخذ سے اختلاف کیا ہے، یا پھر ایک سے زیادہ میں سے معتبر کا تعین کیا اور متن کو منشاے مصنف کے قریب ترین کر دیا۔

۱۰۴:۱ ہاتفِ غیب سن کے یہ چیخا

اس مصرعے کا پہلا مآخذ نکاتِ غالب (۱۹۲۰ء) ہے۔ اس کے علاوہ، غالب از مہر ادبی خطوطِ غالب (مرزا محمد عسکری) اور مکاتیب الغالب (احسن مارہروی) میں ''شب کو یوں چیخا'' ہے۔ مولانا عرشی نے پہلے مآخذ کے متن کو ترجیح دی جو زیادہ موزوں اور

مناسب ہے۔ کیونکہ ''ہاتف'' شب کو نہیں چیخا تھا بلکہ سن کے چیخا تھا۔ یعنی صاحب عالم ماہروری کے اپنی ولادت کا مادہ ''تاریخ'' بتانے پر غالب نے فی البدیہہ ''تاریخا'' کہا تھا۔

۲:۴۰۳ پیری میں بھی کمی نہ ہوئی تاک جھانک کی

اس کا ماٰخذ صرف مالک رام کا مرتبہ دیوانِ غالب ہے۔ اور اس میں ''تانک جھانک'' لکھا ہے جو ''کانٹ چھانٹ'' کی طرح درست نہیں ہے۔ کیونکہ ''تاکنا'' یا ''کاٹنا'' ہوتا ہے نہ کہ ''تانکنا'' اور ''کانٹنا''۔

۱:۴۱۵ جس دن سے کہ ہم غمزدہ زنجیر بہ پا ہیں

اس مصرعے کے تین ماٰخذ ہیں:آبِ حیات(۱۸۸۰ء) ،کلامِ گھنشیام لال عاصی(۱۹۳۹ء) اور رارمغانِ غالب(۱۹۴۴ء)۔آبِ حیات میں ہے:''ہم غمزدہ جس دن سے گرفتارِ بلا ہیں''۔ اور ارمغانِ غالب میں ہے''جس دن سے کہ ہم خستہ گرفتارِ بلا ہیں'' گویا مولانا عرشی نے، اس کے پہلے اور آخری ماٰخذ کی نسبت، درمیان والی اشاعت کو ترجیح دی۔ ان تینوں ماٰخذ میں مصرعے کی تینوں صورتوں میں سے موجودہ متن کی قرأت کو واقعی ترجیحی ہونا چاہیے تھا کہ غالب کا اسلوب یہی ہے۔

۵:۴۳۱ غیر، سے، دیکھیے، کیا خوب نباہی اُس نے

اس کا ماٰخذ، غالب از مہر (طبع اوّل) اور ارمغانِ غالب(۱۹۴۴ء) از شیخ محمد اکرام ہے۔ نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ کے مطابق ان دونوں ماٰخذ میں ''بنائی اس نے'' ہے جو قابلِ ترجیح نہیں ہے۔ غیر سے نباہنا میں جو معنوی اثر اور کاٹ ہے وہ بنا کر رکھنا میں نہیں ہیں۔ ''یادگارِ نالہ'' میں اس نوعیت کی اور بھی متعدد مثالیں موجود ہیں جہاں، مولانا عرشی نے، متن کے انتخاب اور تعین سے، بہترین متن کو پیش کر کے، مصنف کے لہجے اور اسلوب کے قریب تر کر دیا ہے۔

نسخۂ عرشی کے متن کا جائزہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک اس کے آخر میں عرشی زادہ کے مرتبہ ''استدراک'' کا جائزہ نہ لیا جائے کیونکہ عرشی زادہ نے، نسخۂ عرشی میں درج نہ ہو سکنے والے کچھ اختلافِ نسخ کا اضافہ بھی کیا ہے اور کچھ کو غلط بھی قرار دیا ہے۔ نسخۂ عرشی کے متن کے حوالے سے ''استدراک'' کا جائزہ اس لیے بھی اہم ہے کہ، یہاں، نسخۂ عرشی کے متن میں چھپے ہوئے بعض الفاظ کو کالعدم قرار دیا گیا ہے اور اُن کی جگہ درست

الفاظ بھی تجویز کیے ہیں۔ ایسی تجاویز، عز (نسخۂ عرشی زادہ) اور قا (نسخۂ شیرانی) کے حوالے سے زیادہ آئی ہیں جنھوں نے بعض جگہ نسخۂ عرشی کے متن کو تبدیل کیا ہے۔

''استدارک'' کا جائزہ دو حوالوں سے ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا عرشی زادہ نے ''عز'' اور ''قا'' کے حوالے سے نسخۂ عرشی کے متن میں جو ترمیم و اضافہ کروایا ہے اُس کی اہمیت کیا ہے آیا وہ درست ہے یا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ متن کی قرأت یا الفاظ میں اس ترمیم و اضافہ سے کیا تبدیلی آئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۱:۴،ب جو مژہ جوہر نہیں آئینۂ تعبیر کا

''قا'' میں اس مصرعے کا پہلا لفظ ''جز'' ہے، ''عز'' میں بھی یہی ہے۔ عرشی زادہ نے ''استدراک'' میں ''جز'' کو درست اور ''جو'' کو کالعدم قرار دیا ہے۔ گیان چند نے تفسیرِ غالب میں ''جو مژہ'' ہی کی تشریح کی ہے ''ح اور ''حم'' میں بھی ''جو'' ہے۔ لیکن اس غزل کا آخری مآخذ چونکہ ''قا'' ہے لہٰذا ''جز'' ہی کو ترجیح ہونا چاہیے جو مفہوم کے لحاظ سے بھی ''جو'' کی نسبت زیادہ بامعنی ہے، نسخۂ رضا میں بھی ''جز مژہ'' ہی ہے۔

۵:۲۴،ب شرارِ سنگ، اندازِ چراغ از جسم خستن ہا

نسخۂ عرشی میں اس کا مآخذ صرف ''ق'' ہے۔ ''عز'' میں ''چشمِ جستن ہا'' ہے، جسے عرشی زادہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ تفسیرِ غالب میں بھی ''چشمِ جستن ہا'' کو درست قرار دے کر تشریح کی گئی ہے۔ نیز نسخۂ رضا میں بھی یہی ہے، ''ح'' اور ''حم'' میں اس کے خلاف اور نسخۂ عرشی کے مطابق ہے۔

۶:۲۴،ب شرار آسا، زسنگِ سرمہ یکسر بارِ جستن ہا

اس کا مآخذ بھی صرف ''ق'' ہے۔ ''استدراک'' میں ''عز'' کے حوالے سے ''یکسر تارِ جستن ہا'' کو درست قرار دیا ہے۔ ''ح''، ''تفسیرِ غالب'' اور ''نسخۂ رضا'' میں، نسخۂ عرشی کا متن ہے، لیکن ''حم'' میں ان سب سے مختلف ''مارِ جستن ہا'' ہے۔

۲:۲۵،ب نہ نکلے خشت، مثلِ اُستخواں، بیرونِ قالب ہا

اس کا مآخذ بھی صرف ''ق'' ہے۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل، ''ح'' اور تفسیرِ غالب میں ''بیروں ز قالب ہا'' ہے۔ اب ''استدراک'' میں ''عز'' اور یادگارِ غالب (حالی) کے

حوالے سے بھی اسی کو درست اور نسخۂ عرشی طبع ثانی کے محولا متن کو کالعدم قرار دیا ہے۔
البتہ ''حم'' اور نسخۂ رضا میں، نسخۂ عرشی کا موجودہ متن ہی ہے۔
''استدراک'' کے تحت ایسی اور بھی متعدد مثالیں ہیں (جو صرف گنجینۂ معنی کے متن کے حوالے سے ہیں) جن میں سے، عرشی زادہ کی بعض تجاویز درست ہیں اور بعض مناسب نہیں معلوم ہوتیں۔ عرشی زادہ لکھتے ہیں:

''اگر حواشی اور استدراک میں کوئی فرق نظر آئے تو استدراک کو درست سمجھا جائے'' (نسخۂ عرشی، استدراک، ص: ۴۶۷)

لیکن ''استدراک'' کی ایسی تجاویز جہاں عرشی زادہ نے ''عز'' کے متن کو، اس کے بعد کے نسخوں پر ترجیح دی ہے، ان میں سے کچھ، ضرور مشکوک اور نادرست ہیں۔ لہٰذا ''استدراک'' کی ایسی تمام تجاویز کے تفصیلی تجزیے اور اصولِ تدوین کے مطابق متن کی آخری قرأت کے تعین کے بغیر، نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''گنجینۂ معنی'' کے متن پر مکمل بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔

حواشی اور حوالہ جات

۱۔ بحوالہ، جوہر تقویم، مرتبہ: ضیا الدین لاہوری، (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۴ء)، ص: ۲۰۷

۲۔ ڈاکٹر گیان چند بھی نسخۂ عرشی میں دیوان کے دوسرے ایڈیشن کی تعداد سے اختلاف کرتے ہیں لیکن مالک رام کی روایت پر بھروسا کر کے کل تعداد ۱۱۱۱ بتاتے ہیں]رموزِ غالب، ص: ۲۳۷[جو درست نہیں ہے۔

۳۔ نسخۂ عرشی کے مقدمے میں الگ عنوان کے تحت اس کے ''املا اور رسم خط'' کے ذیل میں کچھ باتیں درج کر دی گئی ہیں، جن کا تیسرے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن یہ نہایت محدود اور ناکافی ہیں۔

۴۔ چوتھے حِصّے ''یاد آورد'' کے بارے میں لکھا ہے ''اس حِصّے میں نسخۂ عرشی زادہ کے ذریعے سے دریافت شدہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ اس نسخے کا پتا ایسے وقت چلا کہ نسخۂ عرشی کا متن طبع ہو چکا تھا

.... اس لیے اسے آخر میں شامل کرنا ممکن ہو سکا۔ اگر اس کا بر وقت علم ہو گیا ہوتا تو یہ کلام ''گنجینۂ معنی'' کا حصّہ ہوتا'' [مقدمہ، نسخۂ عرشی، ص:]۷۶

۵۔ نواب یوسف علی خاں کے نام ۱۱ مارچ ۱۹۶۵ء کے خط سے ظاہر ہے کہ یہ تقریب ابھی نہیں ہوئی، غالب لکھتے ہیں: ''آلہی ، وہ دن جلد ہو کہ جو میں سنُوں کہ حضرت نے غسلِ صحت فرمایا''۔]مکاتیبِ غالب، مرتبہ؛ امتیاز علی خاں عرشی، (رام پور: ۱۹۴۹ء) صفحۂ متن:]۳۱

۶۔ ''رجب'' پر، مولانا عرشی حاشیہ لکھتے: ''میرزا صاحب نے سہواً۔ ماہِ آیندہ کو رجب لکھ دیا ہے ورنہ فی الواقع اگلا مہینا رمضان کا تھا .... شعبان کے بعد رمضان آتا ہے رجب نہیں آتا۔'' [مکاتیب غالب، حواشی، ص:]۱۹۴

۷۔ غالب، مکاتیبِ غالب، امتیاز علی خاں عرشی، ص: ۱۱۰

۸۔ فاروقی، نثار احمد، تلاشِ غالب، (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، مئی ۱۹۹۹ء)، ص: ۲۷۰

[اس غزل کے حوالے سے فاروقی صاحب کا ایک حاشیہ محلِ نظر ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دیوانِ غالب کا: ''دوسرا ایڈیشن .... مئی ۱۸۴۷ء میں چھپا تھا ....معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت کے لیے دیوان کا مسوّدہ غالب بہت پہلے تیار کروا چکے تھے ورنہ، ذکر اس پری وَش کا الخ'' اس میں ضرور شامل ہونی چاہیے تھی۔'' (تلاشِ غالب، ایضاً، حاشیہ، ص: ۲۷۳) غالب، دیوان کے دوسرے ایڈیشن کا مسوّدہ ''بہت پہلے'' نہ بھی تیار کروا چکے ہوتے تو بھی اس میں غزلِ مذکور کا شامل ہونا ممکن نہیں تھا کیونکہ یہ ایڈیشن تو مئی ۱۸۴۷ء میں چھپ بھی چکا تھا، اور غزل، خود اُن کے مطابق فروری ۱۸۴۸ء میں لکھی گئی]

۹۔ مرقّعِ غالب، پروفیسر حمید احمد خاں، (لاہور: مجلس ترقی ادب، فروری ۲۰۰۳ء)، ص: ۳۶۱

۱۰۔ نقوش، شمارہ نمبر: ۱۰۱، (لاہور، نومبر ۱۹۶۴ء)، ص: ۱۷۳

۱۱۔ مشمولہ: ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، رشید حسن خاں، (لاہور: الفیصل ناشران، اکتوبر ۱۹۸۹ء)، ص: ۱۵۱ تا ۲۱۶

۱۲۔ ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، رشید حسن خاں، ص: ۱۶۱

۱۳۔ ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، رشید حسن خاں، ص: ۱۶۰

۱۴۔ تا حال کی مثال یہ ہے کہ، رشید حسن خاں نے مالک رام کے مرتبہ دیوانِ غالب پر تبصرہ لکھتے وقت یہ کھوج لگائی تھی کہ یہ اصلاحی کاپی کتب خانہ آصفیہ میں نہیں ہے۔ ان کا یہ مضمون پہلی بار رسالہ تحریک دہلی ۱۹۶۹ء کے غالب نمبر میں شامل ہوا، بعد میں ان کی کتاب ادبی تحقیق :

مسائل اور تجزیہ (۱۹۸۹ء) میں شامل ہوا۔ اب اس کتاب کا نیا ایڈیشن، لاہور سے، الفیصل ناشران نے سالِ حال ۲۰۰۴ء میں شائع کیا ہے جس میں یہی درج ہے کہ اس اصلاحی کاپی کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔

پانچواں باب
نسخۂ عرشی کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ (۲)

- O نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ
- O نسخۂ عرشی کا املا اور رسم الخط
- O کچھ دیگر مباحث

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے تحقیقی اور تنقیدی جائزے کے دوسرے حصّے پر مشتمل اس باب میں بھی اس کے محلِ نظر مقامات کو تین ذیلی حِصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہاں پہلے حصّے میں نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ کے اشکال کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ دوسرا ذیلی حِصّہ، نسخۂ عرشی کے املا اور رسم الخط کے مباحث پر مشتمل ہوگا اور پھر تیسرے حصّے میں کچھ دیگر معمولی اور غیر معمولی مباحث کو اختصار کے ساتھ احاطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے گی۔

نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے اندراج میں کوئی خاص قاعدہ یا طریقۂ کار اختیار نہیں کیا گیا۔ اس میں چار طرح کے اختلاف آئے ہیں۔ پہلی قسم کاتبوں کے املا اور رسم الخط وغیرہ کے اختلاف کی ہے۔ دوسری کاتبوں کے سہو پر مبنی ہے۔ تیسری، متن کے اختلاف اور چوتھی، غزلوں کے اندر اشعار کی ترتیب کے فرق کی ہے۔ مختلف نسخوں پر غالب کی اصلاحوں کو بھی اختلافِ نسخ ہی کی ذیل میں رکھا گیا ہے۔

اختلافِ نسخ درج کرنے کی یہی چار پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں، لیکن یہ طے کرنا ضروری ہوتا ہے کہ کون سے اختلاف دینے ہیں اور کون سے نہیں دینے۔ مثلاً اس کی دو صورتیں ہیں یا تو صرف متن اور مصنف کی اصلاحوں کے اختلاف دے دیے جائیں جو زیادہ اہم اور ضروری ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ قدرے غیر اہم، رسم الخط کے اختلافات یا سہوِ کاتب کے ہوتے ہیں، انھیں چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں پھر مدوّن کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ مقدمے میں الگ عنوان کے تحت یا مآخذ کے تعارف کے ذیل میں مختلف کاتبوں کے املا، رسم الخط اور سہو کاتب و کتابت وغیرہ کو تفصیل سے بیان کر دے اور یہ بھی بتا دے کہ متن میں اب اس طرح کے اختلاف کو درج نہیں کیا جائے گا۔ مگر ایسے اختلافات کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ ایسے غیر اہم اختلاف کو اگر درج کرنا ہی ہو تو اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انھیں ضمیمے کے طور پر آخر میں درج کر دیا جائے تا کہ جو قاری زیادہ تفصیلی مطالعے کا خواہاں ہو، وہ انھیں وہاں دیکھ لے، اور اگر انھیں بھی اہم اختلافات کے ساتھ ملا کر ہی متن کے صفحہ بہ صفحہ حاشیے میں درج کرنا ہو تو پھر اس بات کی پابندی ضروری ہے کہ اہم اور غیر اہم، معمولی اور

غیر معمولی کے فرق کو ختم کر کے، تمام کو درج کیا جائے۔

نسخۂ عرشی میں ان میں سے کسی اصول کو نہیں اپنایا گیا۔ کہیں تو معمولی سے معمولی اور غیر اہم اختلافات کو بھی درج کر دیا ہے اور کہیں بعض غیر معمولی اختلاف بھی درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ کہیں یہ صورت بھی رہی ہے کہ ایک اختلاف، ایک یا دو نسخوں کے حوالے سے تو درج ہے لیکن ان کے علاوہ جن نسخوں میں وہی اختلاف موجود ہیں اُن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ معمولی نوعیت کے اختلافات جو نسخۂ عرشی میں درج ہیں، اُن کو پیشِ نظر رکھ کر، مختلف نسخوں کا جائزہ لیں تو اُسی نوعیت کے بیشتر اختلافات کو نظر انداز کر دیا گیا مثلاً ''قا'' کا کاتب اکثر گاف کا مرکز اور الفاظ کے نقطے لگانا چھوڑ جاتا ہے یا بعض الفاظ پر اضافی نقطے لگا دیتا ہے۔ تقریباً یہی ''خصوصیت'' ''م'' اور ''ما'' کے کاتبوں کی بھی ہے۔ ان کے علاوہ ''ما'' اور ''مج'' کے کاتب ہائے مختفی (ہ) پر ختم ہونے والے الفاظ کی محرف صورت کو بھی ہائے مختفی ہی سے لکھتے ہیں جیسے زمانے کو زمانہ وغیرہ۔ ''م''، ''مج'' اور ''مد'' کے کاتب اعراب بالحروف لکھتے ہیں مثلاً اوس، اودھر، اوٹھا، اوگا وغیرہ۔ ''م''، ''ما''، ''مج'' اور ''مد'' کے کاتب اکثر ''ز'' کی بجائے ''ذ'' کے ساتھ اُن الفاظ کو بھی لکھتے ہیں جنھیں غالب اور خود مولانا عرشی ''ز'' کے ساتھ لکھنے کے قائل ہیں مثلاً، گذر، گذرا، گذری، گذارا اور رہگذر وغیرہ۔ ''م'' کا کاتب اکثر اور ''مد'' کا متعدد جگہ ''یہ'' کو ''یہہ'' لکھتے ہیں۔ ''مد'' کا کاتب اکثر الف ممدودہ کو بھی مقصورہ، یعنی بغیر مد (ـــ) کے لکھتا ہے۔ مولانا عرشی نے اس نوعیت کے اختلافات بھی بیشتر دیے ہیں اور اکثر نہیں دیے۔ مطبوعہ ایڈیشنوں کے کاتبوں کے روشِ املا اور کتابت کا مقدمے میں کہیں مذکور نہیں۔ ان نوعیتوں کے مختلف نسخوں کے اختلاف جو نسخۂ عرشی میں آئے یا جو نہ آسکے، ان کی مثالوں کا یہاں محل نہیں۔ یہاں ان کا اندراج طوالت کا باعث ہوگا۔ البتہ اس مقالے کے آخر میں ضمیمہ نمبر 1 کے تحت، دیوانِ غالب کے کچھ قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے چند صفحات کے عکس شامل ہیں اور وہاں مختلف علامتوں سے واضح کیا گیا ہے کہ کون سے اختلاف درج ہوئے، کون سے درج ہونے سے رہ گئے اور کون سے غلط درج ہوئے۔

نسخۂ عرشی کے مقدمے میں ''اختلافِ نسخ'' کے عنوان سے جو وضاحت ہے، اُس میں اختلافات سے متعلق صرف درج ذیل اقتباس ہے:

''دوسری تمام کتابوں کی طرح دیوانِ غالب کے سب نسخوں کا متن بھی

یکساں نہیں۔ ان میں کتابت کی غلطیاں بھی ہیں اور خود میرزا صاحب کی ترمیمیں اور اصلاحیں بھی۔ اختلافات نسخ شاعر کی دماغی رفتار کے تمام نقوش و آثار پر مشتمل ہونے کے باعث خصوصی توجہ کے مستحق تھے۔ اس لیے نسخۂ بھوپال (۱۸۲۱ء) سے شروع کر کے ''انتخاب غالب'' (۱۸۶۶ء) اردو کے مسوّدے تک ہر اصلاح کو بصورتِ حواشی ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے''۔ (مقدمہ،ص: ۷۷)

اس اقتباس سے وضاحت نہیں ہوتی کہ کس نوعیت کے اختلاف دینے ہیں اور کون سے نہیں دینے کیونکہ ''ہر اصلاح'' یا ''ہر اختلاف'' تو نسخۂ عرشی میں درج نہیں ہو سکا۔

اس کے علاوہ ''اختلافِ نسخ'' درج کرتے ہوئے چند الفاظ کے بارے میں مولانا عرشی نے وضاحت کی ہے گویا ان چند الفاظ کے اختلاف درج کرنے کا کوئی قاعدہ مقرر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسی وضاحتیں دو تین جگہ، نسخۂ عرشی کے ''اختلافِ نسخ'' ہی میں آئی ہیں کہ ایک لفظ کا پہلی بار اختلاف دیتے ہوئے یہ لکھ دیا ہے کہ اب آئندہ اس نوعیت کے اختلاف درج نہ کیے جائیں گے۔ ایسی چند وضاحتیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ''دیوان کے نسخوں میں ''ہ'' پر ختم ہونے والے الفاظ بحالتِ تحریف کبھی ''ی'' سے اور کبھی ''ہ'' سے لکھے گئے ہیں۔ خود غالب کے اپنے قلم کی تحریریں بھی مختلف ہیں۔ میں نے آج کل کے قاعدے کے مطابق ہر جگہ ''ی'' سے لکھا ہے اور جہاں کوئی نسخہ اس رواج کے خلاف تھا، وہاں اختلافِ نسخ میں اُس کا حوالہ دینا ضروری نہیں گردانا''۔ (نسخۂ عرشی،ص: ۱۳۲)

(۲) ''غالب کا املا پا نو ہے۔ اس لیے آیندہ بغیر اختلاف ظاہر کیے غالب کا املا اختیار کیا گیا ہے''۔(نسخۂ عرشی،ص: ۱۳۴)

(۳) ''تجھ اور مجھ کے مرکبّات آیندہ بھی جگہ جگہ بے ہ کے لکھے گئے ہیں۔ اس لیے اس اختلاف کو نظر انداز کر کے ہر جگہ ھ کے ساتھ لکھا گیا ہے''۔ (نسخۂ عرشی،ص: ۱۳۴)

(۴) ''غالب کا یہ ادبی عقیدہ تھا کہ ذال، فارسی اور اُردو حرف نہیں ہے اس لیے وہ ذال والے فارسی اور اُردو لفظوں کو ''ز'' سے لکھتے تھے۔ میں نے بھی ہر فارسی و اُردو لفظ

میں اُن کا اتباع کیا ہے مگر آیندہ اختلافِ نسخ میں اس کا ذکر نہیں کیا‘‘۔
(نسخۂ عرشی، ص: ۱۶۴)

جب یہ بات خود طے کر دی ہے کہ اس نوعیت کے الفاظ کے اختلاف آئندہ درج نہیں کیے جائیں گے تو اصولاً یہ چاہیے تھا کہ آئندہ ’’اختلافِ نسخ‘‘ کو ایسے اختلافات سے گراں بار نہ بنایا جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ ان وضاحتوں کے باوجود بعد میں بھی ایسے اختلاف درج کیے جاتے رہے ہیں (اور بعض نہیں بھی کیے) ان میں سے نمبر ایک اور نمبر تین کے تحت آنے والے اختلاف تو ان وضاحتوں کے بعد بھی کثرت سے درج ہوئے ہیں۔

نسخۂ عرشی کے ’’اختلافِ نسخ‘‘ کا جائزہ لیں تو تین طرح کے اشکال اس میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض اہم اختلافات درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کچھ غلط اختلاف درج ہو گئے ہیں اور تیسرا ’’ح‘‘ کے حوالے سے درج ہونے یا نہ ہونے والے اختلاف خاصے محلِ نظر ہیں۔ ذیل میں ’’اختلافِ نسخ‘‘ کے ان تین طرح کے اشکال کو اسی ترتیب کے ساتھ مثالوں سے ثابت کیا جاتا ہے۔

(ا) نسخۂ عرشی کے محذوف اختلافِ نسخ:

ڈاکٹر گیان چند کا نسخۂ عرشی کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

’’اس کا اختلافِ نسخ کا باب اتنا جامع ہے کہ اس کی مدد سے غالب کے تمام اہم خطی اور مطبوعہ مجموعوں کے مشمولات کے ایک ایک لفظ کا پتا چل جاتا ہے‘‘۔ (رموزِ غالب، ص: ۴۰۸)

اس بات میں تو کچھ شبہ نہیں کہ نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ ’’اہلِ تحقیق کی جنّت ہیں‘‘ اور ان سے بہت روشنی ملتی ہے، لیکن ڈاکٹر گیان چند کے اس بیان سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی کے اختلافِ نسخ زیادہ جامع ہیں۔ طبع ثانی میں، مولانا عرشی نے جو نئے مآخذ استعمال کیے اُن کے اختلاف تو اضافہ ہونے ہی تھے لیکن ایسے مآخذ جو طبع اوّل میں، اُن کے پیشِ نظر تھے، مگر وہاں اُن کے مکمل اختلاف ظاہر نہ ہو سکے تھے لیکن طبع ثانی میں بڑی حد تک اُن کا بھی احاطہ کر لیا ہے (اس مقالے کے چوتھے باب میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے) اس کے باوجود نسخۂ عرشی طبع اوّل یا طبع ثانی میں سے کسی کے ’’اختلافِ نسخ‘‘ کے بارے میں یہ کہنا کہ: ’’اس کی مدد سے غالب کے تمام اہم خطی اور مطبوعہ مجموعوں کے

مشمولات کے ایک ایک لفظ کا پتا چل جاتا ہے''۔خلافِ واقعہ ہے۔

ذیل میں نسخۂ عرشی کے محذوف اختلافِ نسخ درج کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ نسخۂ عرشی سے دیوان کے مجموعوں کے ''ایک ایک لفظ کا پتا'' نہیں چل سکتا۔ ان کے اندراج سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس ذیل میں صرف وہ اختلاف لیے ہیں جو اہم ہیں، ان کے علاوہ، الفاظ پر نقطے یا گاف کا مرکز (کشش) لگنے سے رہ جانے والے الفاظ اور ہائے مختفی (ہ) پر ختم ہونے والے الفاظ (جو محرف صورت میں بھی اسی طرح ہیں اور ان میں سے بعض کو نسخۂ عرشی میں درج بھی کیا ہے) کو یہاں درج نہیں کیا جا رہا۔ محذوف اختلاف درج کرتے ہوئے مآخذ کی علامتیں وہی رکھی ہیں جو نسخۂ عرشی میں ہیں (اور جن کی وضاحت دیباچے میں بھی کی جا چکی ہے) نیز نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''یادگارِ نالہ'' میں ایک قصیدے کا مشترک مآخذ الـہلال اخبار بھی ہے اور مولانا عرشی نے اختلاف میں اسے بھی رکھا ہے۔ اس میں سے جو اختلاف محذوف رہ گئے انھیں بھی درج کیا ہے۔ الـہلال کا مکمل حوالہ یہ ہے: ہفت روزہ الـہلال کلکتہ، جلد: ۴، شمارہ: ۲۴، ۱۷ جون ۱۹۱۴ء (عکسی اشاعت، الہلال اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۱ء) ص: ۴۶۳۔ ذیل کے محذوف اختلاف دیتے ہوئے ''استدراک'' کو بھی دیکھ لیا گیا ہے۔ ان اختلاف میں سے جن پر یہ نشان (+) لگا ہے وہ نسخۂ عرشی میں ہیں لیکن کسی دوسرے نسخے کے ہیں یہاں اختلافات کے مآخذ کا حوالہ نسخۂ عرشی میں نہیں ہے۔ ملاحظہ ہوں نسخۂ عرشی طبع ثانی کے محذوف اختلافِ نسخ:۔

	نسخۂ عرشی	محذوف اختلافِ نسخ
۱۲:۱۳	کارخانے سے جنوں کے بھی میں عریاں نکلا	ح میں ا سے م سے ممتاز کر کے مطبوعہ ظاہر کیا ہے۔
۱۹:۴، الف	شاید کہ مر گیا ترے رخسار دیکھ کر	قا، تیرای (سہو کاتب)
۱۲:۲۶، ب	وہ فسونِ وعدہ میرے واسطے افسانہ تھا	عش، مجھ کو شوخیٔ
۵:۹۰	گردِ رہ، سرمہ کشِ دیدۂ اربابِ یقیں	قا میں اس شعر کے درمیان ''مطلع ثانی'' لکھا ہے۔
۵:۱۳۲، الف	کیوں اسے گوہرِ نایاب تصوّر کیجیے؟	م، تصویر (سہو کاتب)

+۱۴۸:۳، الف	سبز ہے، جامِ زُمَرّد کی طرح، داغِ پلنگ	م، ح، سبزہ ہے
۱۴۹:۱۲، ب	یک طرف نازشِ مژگان، ودگرسُوغمِ خار	ح، مژگاں بدگرسو
۱۴۹:۱۵، الف	دیدہ تادل، اسدؔ، آئینۂ یک پرتوِ شوق	ما، اثر، (بجائے اسدؔ)
۱۵۰:۸، ب	بیستوں، آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں	قا، بیستوں ساز گرا نباری خواب شیریں
۱۵۱:۲، الف	جلوہ پرداز ہو، نقشِ قدم اس کا، جس جا	قا، ح، جلوہ تحریر
۱۶۰:۵، الف	شمارِ سُبحہ، مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا	مد، تب
۱۶۱:۳	جز قیس، اور کوئی نہ آیا بروے کار	مرتّب ح نے اسے غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے۔
۱۶۱:۸	تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن، اسدؔ	مرتّب ح نے اسے بھی غیر مطبوعہ ظاہر کیا ہے۔
+۱۶۲:۵، ب	ہم نے بارہا ڈھونڈھا، تم نے بارہا پایا	ما، ڈہونڈا
۱۶۴:۳، الف	دل، گزرگاہِ خیالِ مے وساغر ہی سہی	ما، خیال و مے وساغر
۱۶۴:۳، ب	گر نَفَس، جادۂ سرمنزلِ تقوی نہ ہوا	مج، جادہ سرِّ منزلِ
+۱۶۵:۴، الف	یاں سرِ پُرشور، بیخوابی سے، تھا دیوار جُو	م، سر پرشور
۱۶۵:۱۱	کچھ نہ کی اپنی جنونِ نارسانے، ورنہ یاں	مد میں اس شعر کے درمیان میں ''قطعہ'' لکھا ہے۔
۱۶۷:۱، الف	دہانِ ہر بتِ پیغارہ جُو، زنجیرِ رسوائی	م، پیغازہ
۱۶۷:۳	شب، خمارِ شوقِ ساقی رستخیز انداز تھا	مد، صفحہ ۳۵ پر اس غزل کے اختتام پر، اگلے صفحے سے نئی غزل، دوست غم خواری الخ، کے لیے لفظ ''مطلع'' لکھا ہے۔
۱۶۷:۸، ب	رازِ مکتوب، بہ بیر بطیِ عنواں سمجھا	مج، بہ

+۱۷۲: ۹، الف	گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی	م، چاہی ہی
۱۷۳: ۱	عشرتِ قتلگہہ اہلِ تمنا مت پوچھ	ما میں اس کے بعد ترتیب اشعار یہ ہے: کی میرے قتل، لے گئے خاک، عشرتِ پارۂ دل
۱۷۳: ۷، الف	زَہرہ، گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب	م، زہر (سہو کاتب)
۱۷۳: ۷، ب	پرتوِ مہتاب، سیلِ خانماں ہو جائے گا	م۔ جانماں
۱۷۵: ۴، ب	کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا	ما، وخشت (سہو کاتب)
۱۷۶: ۳	زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی	مج میں یہ شعر نمبر ۵ کے بعد ہے
۱۷۷: ۳، ب	آتشکدہ، جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا	ما، آتشگدہ (سہو کاتب)
۱۷۹: ۷، الف	تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں	ما، نسخہای
۱۸۲: ۷، ب	وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا	قا، وہ ایک گلدستہ
+۱۸۲: ۱۱، الف	کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے	ما، نقشا
۱۸۳: ۱۱، الف	فروغِ شعلۂ خس، یک نَفَس ہے	م، شعلہ حسن
۱۸۴: ۲	دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے	مج میں اس کے بعد یہ شعر ہیں: دلِ ہر قطرہ، محابا کیا ہے۔
۱۹۵: ۹، الف	آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست	ما، مدِ خط (سہو کاتب)
۱۹۶: ۱، الف	اے دلِ ناعاقبت اندیش، ضبطِ شوق کر	ما، بدل (سہو کاتب) ح اور عش میں اس شعر کی ابتدائی شکل یہ ہے: اے عدوے مصلحت چندے بہ ضبط افسردہ رہ کردنی ہے جمع تابِ شوخئ دیدارِ دوست

۱۹۷:۵، الف	مند گئیں، کھولتے ہی کھولتے، آنکھیں، غالبؔ	م، مندگئی
۱۹۷:۸، الف	اے عافیت، کنارہ کر، اے انتظام چل	م، حال
۱۹۸:۷، ب	بروے سُفرہ، کبابِ دِل سمندر کھینچ	م، بروئے سفر
۲۱۱:۳، الف	زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ، خاموشی	م، زیاں
۲۱۲:۵، ب	گردِ ساحل، ہے بہ زخمِ موجۂ دریا نمک	مد، ساجل (سہو کاتب)
۲۱۲:۶، ب	یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جا نمک	م، خسخانما (سہو کاتب)
۲۱۵:۷، ب	بے اختیار دوڑے ہے گل در قفاے گل	مج، درققائے (سہو کاتب)
۲۷۱:۲، الف	پُرسشِ طرزِ دلبری کیجیے کیا؟ کہ بِن کہے	ما، پرشش
۲۱۸:۱، الف	جو یہ کہے کہ "ریختہ کیونکے ہو رشکِ فارسی"؟	ما، مج، کیوں کہ
۲۲۷:۹، ب	ذرّے، اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں	ما، دروازوں کے
۲۳۱:۱، الف	نفی سے کرتی ہے، اِثبات، تراوش، گویا	ما، کرتی ہیں
۲۳۸:۶، الف	قید میں یعقوب نے لی، گو، نہ یوسف کی خبر	مج، یعقوت (سہو کاتب)
۲۴۷:۱	شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں	ما میں یہ شعر اس غزل کے درمیان والے حاشیے پر مقطع سے شروع ہو کر، اوپر کی طرف عنوان "غزل" تک لکھا گیا ہے۔ جس کا خط اس ایڈیشن کے کاتب سے صاف اور مختلف ہے۔ شاید غالب نے تصحیح کے وقت لکھا ہو۔
		الف، کسو
۲۷۱:۵، ب	مرا سر رنجِ بالیں ہے، مرا تن بارِ بستر ہے	ما، سرا سر رنجِ

۵:۲۸۸،الف	نِسیہ ونقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم	ما ، ''معلوم'' سے پہلے بھی ''کی'' (سہو کاتب)
۲۹۶ : ۴،الف	غالبؔ، ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے	ما، اشک ہے
۳۰۱ : ۳،ب	جانتا ہے محوِ پرسشہاے پنہانی مجھے	ما، پرششہائے
۵:۳۰۵،الف	دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا	ما ، ''اس'' کے بعد ''نے'' حذف ہے
۸:۳۳۹،الف	ہم اور فسردن، اے تجلّی، افسوس!	م، فرون (سہو کاتب)
۳:۳۴۲،ب	خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں؟	مج، مد، برف آب
۱:۳۸۴،الف	حق گوے وحق پرست وحق اندیش وحق شناس	الہلال، حق گو وحق پرست
+۶:۳۸۵،ب	لمبر ملا نشیب میں، از روے اہتمام	الہلال، نشست میں
۱۲:۳۸۵،الف	جو واں نہ کہہ سکا، وہ لکھا ہے حضور کو	الہلال، نہ کر سکا وہ لکھا حضور کو

مولانا عرشی نے ، نسخۂ عرشی طبع ثانی میں ۲۱ مآخذ سے استفادہ کیا تھا۔ ان اکیس میں سے میرے سامنے صرف سات مآخذ ہیں جن کے تقابل سے، نسخۂ عرشی سے مندرجہ بالا محذوف اختلاف نسخ ظاہر ہوئے، بقیہ ۱۴ مآخذ کے حوالے سے محذوف اختلافِ نسخ کے بارے میں فی الوقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد فروری، ۱۹۸۸ء میں، کالی داس گپتا رضا کا مرتبہ دیوانِ غالب (کامل) پہلی بار شائع ہوا۔ گپتا رضا نے نسخۂ رضا کی ترتیب میں ''اختلافِ نسخ'' کے حوالے سے، نسخۂ عرشی پر بھروسا کر لیا اور اس میں کہیں بھی اختلاف نہ دیئے۔ مقدمے میں وہ اختلافِ نسخ کے حوالے سے نسخۂ عرشی کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''نسخۂ رضا'' میں:

> ''اختلافِ نسخ کو کہیں بھی واضح نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام نسخۂ عرشی میں احسن طریقے سے انجام دیا گیا ہے۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ کہیں شبہ ہو تو ''دیوانِ غالب'' نسخۂ عرشی سے رجوع کیا جائے''۔[۱]

گپتا رضا نے،نسخۂ رضا کے آخری ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن (۱۹۹۵ء) میں بھی اختلافِ نسخ کے حوالے سے نسخۂ عرشی کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہا ہے (ص : ۱۰)۔ بس بیاضِ غالب بحطِ غالب کے اختلاف (جو نسخۂ عرشی کے اختلاف کے ساتھ درج نہ ہو سکے تھے اور ''استدراک'' میں آئے) کو اضافہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی نسخے کا اختلاف نہیں دیا گویا نسخۂ عرشی پر بھروسا کیا۔ غرض یہ کہ ڈاکٹر گیان چند اور گپتا رضا نے بغیر تحقیق کے نسخۂ عرشی پر بھروسا کیا جو غلط نتیجے کا باعث بنا۔

(ب) نسخۂ عرشی میں مندرج غلط اختلافِ نسخ: ان کے مقابل میں اختلاف کی درست صورت بھی درج کر دی گئی ہے۔

نسخۂ عرشی	غلط اختلافِ نسخ	درست
۹:۳، الف جوشِ بیدادِ تپش سے ہوئی عریاں آخر	ق پہلے، بیدماغی تپش۔ غالب نے اس پر ''ن'' بنا کر حاشیے میں اصلاح کی ہے، مگر مرتب ح نے اسے ظاہر نہیں کیا۔	[''متن میں پہلے ''جوشِ بیدادِ تپش'' کی جگہ ''بید ماغی تپش'' تھا''۔ ح، ص:]۲۹۵
۲۴:۳، الف نَفَس، حیرت پرستِ طرزِ ناگیراِ مژگاں	قا، با گیرائی	[قا، طرز با کیرای]

۵۰:۴،الف دھویں سے آگ کے،اک ابر دریابار ہو پیدا	قا،''دمنوی'' (سہو کاتب) اور حاشیے میں لکھا ہے:''نسخہ حمیدیہ والوں نے ''دمثنوی'' (سہو کاتب) کو ''دھویں'' سے بدل دیا ہے	[قا میں ایسا کوئی حاشیہ نہیں آ سکتا یہ حاشیہ ''لط'' میں ہو گا]
۱۶۰:۳، بسکہ ہوں،غالب،اسیری میں بھی آتش زیرِ پا الف	قا میں یہ مصرع شعر نمبر ۲ کا ہے۔ غالب نے اسے یہاں قلم زد کیے بغیر دوسرے مصرعے کے لیے ایک باتخلّص مصرع بہم پہنچا کر پورے شعر کو غزل کے آخر میں حاشیے پر لکھ دیا ہے۔	[یہ باتخلّص مصرع قا میں اس غزل کے آخر میں حاشیے پر غالب کے قلم کا اضافہ نہیں ہے[۲]]
۱۶۱:۴،الف آشفتگی نے نقشِ سُوَیدا کیا درست	ق،قا،جز قیس اور کو نہ ملا عرصۂ طپش	[قا،تپش]

۱۶۶: ۳،ب	بخوں غلتیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا	مب کے علاوہ،غلطیدہ	[ما میں درست طور پر ''غلتیدہ'' ہی ہے]
۵:۱۶۹، الف	فلک کو دیکھ کے، کرتا ہوں اُس کو یاد، اسدؔ	ح،تجھکو یاد	[ح میں درست طور پر ''اس کو یاد'' ہے]
۶:۱۶۹، الف	ایک ایک قطرے کا، مجھے دینا پڑا حساب	مد کے علاوہ،قطرہ	[ما، درست طور پر، قطرے]
۱:۱۷۵، الف	دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا	ق،قا،اف نہ کی گوسوز دل سے	[قا،سوزغم سے]
۵:۱۷۶	پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال	یہ شعر ق کے حاشیے کا ہے، مگر مرتب ح نے اس کا ذکر نہیں کیا۔	[''یہ شعر قلمی دیوان کے حاشیے پر درج ہے''۔ح،ص: ۲۴]
۳:۱۸۰، ب	یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا	ما، پردا	[ما، درست طور پر، پردہ]
۶:۱۸۱، الف	ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت، اسدؔ	مد کے علاوہ معمورہ	[لیکن مج،معموزہ ،(سہوکاتب)]
۱۱:۱۸۲، الف	کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے	مد کے علاوہ،جلوہ	[مگر ما میں درست طور پر، جلوے۔]

۱۹۴: ۷،	پھر ہوا وقت کہ ہو بال کُشا موجِ شراب	یہ غزل ق کے حاشیے میں مندرج ہے، مگر مرتب ح نے اس کا ذکر نہیں کیا۔	[''پوری مروّجہ غزل'' پھر ہوا وقت کہ ہو بالِ کشا موجِ شراب''، قلمی نسخے کے حاشیے پر غالباً غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے''۔ ح، ص:]۵۲
۱۹۵: ۲،	نشّے کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ الف	مد کے علاوہ، پردہ	[م، مج میں درست طور پر ''پردے'' ہی ہے]
۲۱۱: ۷،	شگفتگی، ہے شہیدِ گلِ خزاۓ شمع ب	م، خرابی شمع	[م، خراچی شمع، (سہو کاتب)]
۲۱۵: ۷،	تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک الف	مد کے علاوہ، جلوہ	[ما، درست طور پر، جلوے]
۲۱۸: ۶،	ورنہ ہم چھیڑیں گے، رکھ کے عذرِ مستی ایک دن ب	ما، ہستی (سہو کاتب)	[حالانکہ ما میں درست طور پر ''مستی'' ہی ہے۔]
۲۲۳: ۴،	دل لگا کر، لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا الف	ح، ان کو (سہو کاتب)	[ح میں اور نسخۂ عرشی کے متن میں دونوں جگہ ''اُن کو'' ہی ہے۔]

۸:۲۳۰، الف	رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے؟	مج ،تمگین (سہوِ کاتب)	[حالانکہ مج میں یہ درست طور پر ''تمکین'' ہی ہے۔]
۴:۲۳۵، ب	لاکھوں بناؤ، ایک بگڑنا عتاب میں	ما، بیا (سہوِ کاتب)	[ما، درست طور پر ''بناؤ'']
۹:۲۳۶، الف	چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ	مج ، ہر ایک	[مج ،''ہر اک'' ہی ہے۔]
۵:۲۳۸، الف	تھیں بَناتُ النعشِ گردوں دن کو پردے میں نہاں	قج کے علاوہ ، پردہ	[لیکن مج میں درست طور پر، ''پردے'' ہی ہے۔]
۸:۲۷۳، الف	دل لگا کر آپ بھی ، غالبؔ ،مجھی سے ہو گئے	ما ، آپ ہی	[ما ، درست طور پر، ''آپ بھی''۔]
۱:۲۹۴، ب	کہ جتنا کھینچتا ہوں، اور کھنچتا جاے ہے مجھ سے	ما، کھیچتا - کھچتا	[مگر ما میں درست طور پر یہ دونوں ''ن'' کے ساتھ ''کھینچتا'' اور ''کھنچتا'' ہیں۔]

ج: نسخۂ عرشی طبع ثانی میں ''ح'' (نسخۂ حمیدیہ ۱۹۲۱ء) کے حوالے سے محذوف اختلافِ نسخ:

	نسخۂ عرشی	ح کے محذوف اختلاف
۱۶۱: ۲، الف	ہواے سیرِ گل ، آئینۂ بیمہریِ قاتل	ح ،حجابِ سیرِ گل
۱۶۱: ۲، ب	کہ اندازِ بخوں غلتیدنِ بسمل پسند آیا	ح ،غلطیدنِ
۱۶۱: ۴، الف	جُز قیس اور کوئی نہ آیا بروے کار	ح ، اور کو نہ ملا عرصۂ طپش
۱۶۱: ۴، الف	آشفتگی نے نقشِ سُوَیدا کیا درست	ح ، کیا ہے عرض
۱۶۱: ۵، ب	جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سُود تھا	ح ، مژگاں جو وا ہوئی

۶:۱۶۲، الف	شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا	ح، نمک باندہا
۴:۱۶۳، الف	تھی نو آموزِ فنا، ہمّتِ دشوار پسند	ح، دشواریِ شوق
۶:۱۶۴، الف	مرگیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالبؔ	ح، مرگیا صدمۂ آواز سے قُم کی غالبؔ
۱:۱۶۹، الف	غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو	ح، سیرِ گل مت دو
۷:۱۶۹، الف	اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو	ح، اورخونِ دو عالم معاملہ
۹:۱۶۹، الف	موجِ سرابِ دشتِ وفا نہ پوچھ حال	ح، کا بیاں نہ پوچھ
۶:۱۷۰، ب	اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا	ح، ہاں اس معاملے میں تو
۵:۱۷۱، الف	جاں درہوائے یک نگہ گرم ہے اسدؔ	ح، نفسِ گرم
۶:۱۷۲، الف	بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار	ح، چشمِ جنوں میں نگہ غبار
۷:۱۷۲، الف	باغِ شگفتہ، تیرا بساطِ نشاطِ دل	ح، ہوائے دل
۶:۱۷۳، الف	گرنہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا	ح، گرنہ احوالِ شبِ
۱:۱۷۴، الف	لے تو لوں سوتے میں اُس کے پانو کا بوسہ مگر	ح، بوسہ ہائے پا مگر
۸:۱۷۴، ب	خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا	ح، جامِ بادہ یکسر

یہ سب، نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''نوائے سروَش'' کی ردیف الف کی چند ابتدائی غزلوں سے لیے گئے ہیں ورنہ یہ بہت کثرت سے ہیں۔

''ح'' کے حوالے سے مندرجہ بالا تمام اختلاف، نسخۂ عرشی میں درج ہیں لیکن وہاں حوالہ صرف ''ق'' کا ہے۔ اس کے ساتھ ''ح'' کو بھی درج کرنا چاہیے تھا کیونکہ ایسے متعدد اختلاف کو ''ق'' اور ''ح'' دونوں کے حوالے سے درج بھی کیا ہوا ہے تو پھر ان کے ساتھ ''ح'' کا ذکر نہ کرنا، مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ جبکہ نسخۂ عرشی طبع اوّل میں، ان میں سے بعض کے اندراج میں ''ق'' کے ساتھ ''ح'' کا حوالہ بھی ہے۔ اس صورت میں طبع ثانی میں ان اختلاف کو درج کرتے ہوئے صرف ''ق'' حوالہ دینے اور ''ح'' کا نہ دینے سے خواہ مخواہ یہ گمان گزرتا ہے کہ ''ح'' سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن اس کا حوالہ نہ دے کر اور صرف ''ق'' کا

حوالہ دے ''ق'' کے مندرجات سے مکمل آ گاہی کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی کا ایک دوسرے پہلو سے جائزہ لیں تو ''ح'' کے حوالے سے مرتبِ نسخۂ عرشی کے بارے میں، یہ گمان، یقین میں بدلتا نظر آ تا ہے۔ مثلاً نسخۂ عرشی طبع اوّل کے ''گنجینۂ معنیٰ'' میں ''ق'' اور ''قا'' کے مشترک کلام میں سے، بنیادی متن کے طور پر ''ق'' کے متن کو قبول کیا ہے (جو بڑی حد تک ''ح'' کے بھی مطابق ہے) اور ''قا'' کے اختلاف درج کیے ہیں۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی کے ''گنجینے'' کا بنیادی متن ''قا'' کے متن کو رکھا ہے۔ ظاہر ہے ''قا'' کا متن جہاں ''ق'' کے مطابق نہیں ہے وہاں ''ق'' کا اختلاف درج کیا جائے گا۔ لیکن طبع ثانی کے ''گنجینے'' کے اختلافِ نسخ کو دیکھیں تو وہ الفاظ جو طبع اوّل میں ''ق'' کے حوالے سے متن میں رکھے تھے، اب وہ ''اختلاف نسخ'' میں ''ح'' کے حوالے سے سہو کاتب قرار دیے جا رہے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اب یہ تعین ہوا ہے کہ یہ سہو ہے تو ''ق'' کے کاتب کا ہونا چاہیے نہ کہ ''ح'' کے مرتب کا۔ طبع ثانی کا متن اگر ''قا'' کو قرار دیا ہے تو طبع اوّل میں جب یہ ''ق'' کا تھا تو اب اختلافِ نسخ میں ''ق'' ہی کے حوالے سے اسے درج کرنا چاہیے خواہ وہ متن کا اختلاف ہے یا سہو کاتب۔ صرف چند مثالیں ملاحظہ ہوں، بات خود بخود واضح ہو جائے گی:

نسخۂ عرشی طبع اوّل: ۳: ۱۲، ب	نشہ و جلوۂ گل، بر سرِ ہم فتنہ عیار	
نسخۂ عرشی طبع ثانی: ۳: ۱۲، ب	نشّہ و جلوۂ گل، بر سرِ ہم فتنہ غبار	ح، عیار (سہو کاتب)
نسخۂ عرشی طبع اوّل: ۸: ۱۰ ب	پرِ پرواز، مری بزم میں ہے خنجرِ کیں	
نسخۂ عرشی طبع ثانی: ۸: ۱۴ ب	پرِ پروانہ، مری بزم میں ہے خنجرِ کیں	ح، پرواز (سہو کاتب)
نسخۂ عرشی طبع اوّل: ۹: ۳ ب	اُس کے جولاں میں نظر آے ہے یوں، دامنِ دیں	
نسخۂ عرشی طبع ثانی: ۹: ۶ ب	اُس کے جولاں میں نظر آے ہے یوں، دامنِ زیں	ح، دیں (سہو کاتب)
نسخۂ عرشی طبع اوّل: ۹: ۴، الف	اُس کی شوخی سے، بہ حسرت کدۂ نقشِ خیال	
نسخۂ عرشی طبع ثانی: ۹: ۷، الف	اُس کی شوخی سے، بہ حیرت کدۂ نقشِ خیال	ح، بہ حسرت کدۂ (سہو کاتب)

ایسی مثالیں صرف یہ نہیں ہیں۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی کے گنجینے میں ''قا'' کے متن کو ''ق'' کی نسبت ترقی یافتہ ہونے کی صورت میں، متن میں درج کیا اور جہاں یہ متن ''ق'' کے مطابق نہیں اس میں سے تقریباً اسّی فی صد کو ''ح'' کا سہو قرار دے دیا گیا ہے، اور جو الفاظ سہوِ

کاتب نہیں بلکہ متن کا اختلاف تھا اُس صورت میں انھیں اختلاف میں لیتے ہوئے ''ق'' کا حوالہ دیا ہے (جس کی مثالیں اس سے پہلے ''ح'' کے محذوف اختلافِ نسخ کے تحت آ چکی ہیں) یعنی اگر متن کا اختلاف ہے تو اُسے ''ق'' کے حوالے سے درج کیا ہے اور اگر سہوِ کاتب ہے تو اُسے مرتب ''ح'' کے سر ڈال دیا ہے۔

۞

نسخۂ عرشی میں اختیار کیے جانے والے املا کے بارے میں، مولانا عرشی نے کسی ایک جگہ، املا کی جملہ تفصیلات درج نہیں کیں جس طرح کہ مکاتیبِ غالب کے مقدمے میں املاے غالب کا باب ہے۔ اس نوعیت کی کچھ معلومات، نسخۂ عرشی کے مقدمے اور کچھ ''حواشی و اختلافِ نسخ'' میں بکھری پڑی ہیں جنھیں تلاشِ بسیار کے بعد ہی دیکھا جا سکتا ہے پھر بھی وہ مکتفی نہیں ہوتیں۔ املاے غالب یا نسخۂ عرشی میں اپنائے جانے والے املا کے بارے میں مختلف مقامات پر بکھری ہوئی ان معلومات کو یک جا کر لیا جائے تب بھی اس سلسلے میں الجھنیں باقی رہ جاتی ہے۔ نسخۂ عرشی کے مقدمے میں ایک حِصّہ ایسا ہونا چاہیے تھا کہ جس میں غالب کے املا، مروّجہ املا اور پھر نسخۂ عرشی میں اپنائے جانے والے املا کے بارے میں تفصیلات آ جاتیں۔ (مقدمے میں ''املا اور رسم الخط'' کے عنوان سے کچھ وضاحت ہے جو ناکافی ہے) اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اگر مکاتیب غالب کے مقدمے کی طرف رجوع کیا جائے تو بھی بعض مسائل حل طلب رہ جاتے ہیں۔ مثلاً ''مکاتیبِ غالب'' میں غالب کے کسی لفظ کو جس طرح لکھنے کی تاکید ہے نسخۂ عرشی میں اس کے خلاف لکھا ہوا ملتا ہے، بلکہ بعض الفاظ کا تو ''مکاتیب'' میں بھی احاطہ نہیں ہو سکا۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی میں املا کی دورنگی کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

۲۱۲ : ۲، ب — کیا مزہ ہوتا، اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

۲۴۷ : ۲، الف — غالب، مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو؟

ان دو مختلف مصرعوں میں ایک جگہ لفظ ''مزہ'' اور دوسری جگہ ''مزا'' آیا ہے۔ نسخۂ عرشی کے مقدمے، حواشی، اختلافِ نسخ، استدراک، یا صحت نامہ میں کہیں یہ وضاحت نہیں کہ اس لفظ کی یہ دو صورتیں کیوں رکھی گئی ہیں۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی میں، املا کی دورنگی کی مثالیں کم ہیں، لیکن

ہیں ضرور۔ ذیل کے صفحات میں انھیں کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ رشید حسن خاں نے اپنی کتاب املاے غالب (کراچی ۲۰۰۰ء) میں بڑی تفصیل کے ساتھ، غالب کے پسندیدہ املا کا احاطہ اور تجزیہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے غالب کے املا کے تعین کے لیے غالب کی اپنی تحریروں یا اُن کے عکس کو ہی معتبر سمجھا اور اُن کی بنیاد پر، غالب کے کلامِ نظم و نثر کی تدوین میں جہاں اس کے خلاف چلا گیا ہے، اُن کا بھی احاطہ کیا ہے۔ اس ذیل میں انھوں نے نسخۂ عرشی طبع اوّل کو سامنے رکھ کر بھی املا کی دورنگی کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں اور جہاں نسخۂ عرشی غالب کے املا کے خلاف ہے اس کا بھی احاطہ کیا ہے۔ یہاں نسخۂ عرشی کے املا کا جائزہ لیتے ہوئے رشید حسن خاں کی کتاب املاے غالب سے بھی مدد لی گئی ہے لیکن جہاں ان کے مشاہدات میرے معروضات کے برعکس ہیں وہاں دلائل کے ساتھ اختلاف کا سبب بیان کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے املا سے رشید حسن خاں کو اختلاف کی زیادہ گنجائش دو سبب سے ہوئی ہے۔ ایک تو یہ کہ اُنہوں نے نسخۂ عرشی میں اپنائے جانے والے املا کے بارے میں، مولانا عرشی کی ایک وضاحت کو نظر انداز کرتے ہوئے اصولِ تدوین کی پابندی کرنے کو زیادہ ضروری سمجھا ہے۔ دوسرا یہ کہ اُنہوں نے طبع ثانی کی نسبت طبع اوّل کو سامنے رکھا ہے جس میں املا کے اشکال زیادہ ہیں۔ رشید حسن خاں چونکہ منشاے مصنف کے مطابق تدوین کرنے اور کروانے کے قائل ہیں اس لحاظ سے، وہ املا بھی مصنف کی منشا کے مطابق رکھنے کو کہتے ہیں، جو اصولِ تدوین کے بھی مطابق ہے۔ غالب چونکہ بعض الفاظ کے املا کے بارے میں اپنی منفرد رائے رکھتے تھے اور اپنی تحریروں میں بھی اس کی پابندی کرتے تھے۔ اس لیے، جس طرح اصولِ تدوین کے مطابق متن کو منشائے مصنف کے مطابق پیش کرنا ہوتا ہے اس طرح املا کو بھی مصنّف (خصوصاً غالب) کے منشا کے مطابق درج کرنا چاہیے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو نسخۂ عرشی طبع اوّل یا طبع ثانی دونوں میں غالب کے املا کی مکمل پیروی نہیں کی گئی جو اُصول تدوین کے خلاف ہے۔

نسخۂ عرشی میں تین طرح کے املا ملتے ہیں:

(۱) غالب کے املا کی پیروی:

نسخۂ عرشی میں جن الفاظ کے سلسلے میں املاے غالب کی پیروی کی گئی ہے وہ تقریباً یہ ہیں: نشّہ (طبع اوّل میں بغیر تشدید شین اور ہ پر ہمزہ کے اضافے سے تھا) پانو، (بجائے

پاؤں)، خرج (بجائے خرچ) خرشید (بجائے خورشید)، لمبر (بجائے نمبر)۔ ان کے علاوہ غالب فارسی واردو الفاظ میں ''ذ'' لکھنا غلط قرار دیتے تھے اور اس کی جگہ ''ز'' لکھتے تھے۔ مثلاً زرا، گزر، رہگزر، گزارش وغیرہ نسخۂ عرشی میں یہ اور ان جیسے دیگر الفاظ غالب کے منشا کے مطابق ہی درج ہیں۔ ''ذ'' کی طرح غالب فارسی الفاظ میں ''ط'' کو غلط قرار دیتے تھے۔ نسخۂ عرشی میں ان میں سے ''غلتیدن'' اور ''تپیدن'' کو ہر جگہ ''ت'' کے ساتھ لکھا ہے۔ ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ کو محرف صورت میں، غالب ''ے'' کے ساتھ لکھتے تھے مثلاً رتبہ کو رتبے، کوچہ کو کوچے، زمانہ کو زمانے وغیرہ۔ نسخۂ عرشی میں اس کی بطورِ خاص پابندی کی گئی ہے اور ان کو املاے غالب کے مطابق لکھا گیا ہے۔

غالب کے املا کی پیروی کی یہ مثالیں تو وہ تھیں جن پر غالب اصرار کرتے تھے اور اُس وقت یا آج بھی ان الفاظ کا یہ املا مروّج نہیں ہے۔ اب کچھ ایسے الفاظ ملاحظہ ہوں جو غالب اور مروّج املا دونوں کے مطابق ہیں۔ مثلاً آرایش، نمایش، فرمایش، آزمایش، ستایش وغیرہ.......... بادشاہ، پردہ، گلہ (پانچ مصرعوں: ۱۸۳: ۹ ب، ۱۸۴: ۱ب، ۱۹۲: ۲ ب، ۳۱۸: ۱۰ ب، اور ۳۲۳: ۴ ب، میں قافیے کی مجبوری سے ''گلا'' آیا ہے)........... تامّل، تاسف جُرات (بغیر الف پر ہمزہ)...... پتا، تقاضا، تماشا، معمّا........... مجھ، مجھے، تجھ، تجھے...... پَے، ئَے، مَے (طبع اوّل میں مولانا عرشی نے یاے دراز کی بجائے، یائے معروف (ی)) کے ساتھ لکھا تھا۔ لیکن طبع ثانی میں ان اور ان جیسے دیگر الفاظ کو درست طور پر یائے دزار سے لکھا ہے)۔

(ب)- غالب کے برعکس مروّج املا و رسم الخط:

غالب: افگندن، شیرافگن	....	نسخۂ عرشی: افگندن، شیرافگن۔
غالب: پچتانا، پچتایا، پچتاے۔	....	نسخۂ عرشی: پچھتانا، پچھتایا، پچھتاے۔
غالب: تڑپھنا، تڑپھتا، تڑپھا۔	....	نسخۂ عرشی: تڑپنا، تڑپتا، تڑپا۔
غالب: ٹہرنا، ٹہرو، ٹہرا۔	....	نسخۂ عرشی: ٹھہرنا، ٹھہرو، ٹھہرا۔
غالب: سونچ، سونچنا، سونچا	....	نسخۂ عرشی: سوچ، سوچنا، سوچا۔
غالب: مجکو، تجکو، مجسے تجسے	....	نسخۂ عرشی: مجھ کو، تجھ کو، مجھ سے، تجھ سے

ان الفاظ میں غالب کے املا اور رسم الخط کا تعین، ''مکاتیب غالب'' کے مقدمے میں

املا ے غالب سے اور رشید حسن خاں کی کتاب املا ے غالب سے کیا ہے کہ غالب مندرجہ بالا الفاظ کو اس طرح لکھتے تھے اور نسخۂ عرشی میں ان کو مروّج صورت میں لکھا گیا ہے۔

نسخۂ عرشی میں پائے جانے والے مندرجہ بالا دو طرح کے املا اصولِ تدوین کے خلاف ہیں۔ ان میں سے دوسری صورت کو بھی املاے غالب کے مطابق درج کرنا چاہیے تھا، لیکن نسخۂ عرشی کی ترتیب و تدوین میں مولانا عرشی نے جو بات پیشِ نظر رکھی ہے اُسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ مقدمے میں ''املا اور رسم الخط'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''اس نسخے (نسخۂ عرشی) کی کتابت میں موجودہ اصول اور میرزا صاحب کی پسندیدگی دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے''۔
>
> (مقدمہ، ص: ۱۵۸)

یعنی مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی کو املا اور رسم الخط کے لحاظ سے موجودہ دور کی مروّج صورتوں کے بھی مطابق رکھنے کی کوشش کی ہے اور غالب کی املائی ترجیحات اور مختارات کا تاثر بھی دینا چاہا ہے۔ اس دوہرے اُصول کا مقصد صرف یہ نظر آتا ہے کہ مولانا عرشی نے اسے طبقۂ خاص و عام میں یکساں مقبول کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔

(ج) - نسخۂ عرشی میں املا کی دورنگی کی مثالیں:

نسخۂ عرشی میں املا اور رسم الخط کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت، بعض الفاظ میں املا کی دورنگی ہے، جو زیادہ محلِ نظر ہے کیونکہ الفاظ کی یہ صورت، کہیں املاے غالب کے مطابق ہے اور کہیں موجودہ دور کے مطابق اور یہ دورنگی، خود مولانا عرشی کے اختیار کردہ اصول کے بھی خلاف ہے۔ یعنی ایک ہی لفظ مختلف مصرعوں میں، دو صورتوں میں لکھا ملتا ہے۔ اصولاً اسے یا تو غالب کے املا کے مطابق ہونا چاہیے یا پھر مروّج صورت میں۔ ذیل میں نسخۂ عرشی میں سے بعض الفاظ کے املا کی دورنگی کو زیرِ بحث لاتے ہوئے، رشید حسن خاں کے بھی کچھ مشاہدات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

آئینہ، آئنہ:

نسخۂ عرشی طبع اوّل میں آنے والے اس لفظ کے بارے میں رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

> ''مقدمّہ مکاتیبِ غالب میں عرشیؔ صاحب نے لکھا ہے: ''لفظِ آئینہ

جب فاعلن کے وزن پر باندھا ہے، تو اُسے ''آینہ'' لکھا ہے، ''آئنہ''
نہیں لکھا اور یہی املا ناظم کو بتایا ہے .... دوسری طرف خود عرشی
صاحب نے نسخۂ عرشی میں ہر جگہ ''آئنہ'' لکھا ہے۔ اس نسخے کے شروع
کے دس صفحات کا جو میں نے جائزہ لیا، تو اُن میں یہ لفظ گیارہ مصرعوں
میں آیا ہے اور ہر جگہ ''آئنہ'' لکھا ہوا ہے''۔

(املاے غالب، ص: ۳۳-۳۴)

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن کے ان پہلے دس صفحات کا جائزہ لیا گیا تو لفظ ''آئنہ'' نو بار اور ''آئنے'' دو بار آیا ہے۔ اسی طرح انھی پہلے دس صفحات میں ''آئینہ'' گیارہ مرتبہ اور ایک مرتبہ ''آئینے'' بھی آیا ہے۔ یعنی ایسا نہیں کہ ''ہر جگہ آئنہ'' ہی لکھا ہے بلکہ گیارہ مرتبہ ''آئنہ'' بغیر ''ی'' کے اور بارہ مرتبہ ''آئینہ''، ''ی'' سے پہلے ہمزہ کے ساتھ آیا ہے۔ اس لفظ کی یہ دونوں صورتیں، نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی، دونوں میں ایک خاص قاعدے کے ساتھ درج ہوئی ہیں ایسا نہیں کہ ''ہر جگہ آئنہ'' بغیر ''ی'' کے آیا ہو۔

مولانا عرشی نے اس لفظ کی یہ دونوں صورتیں شعر کے وزن کے لحاظ سے رکھی ہیں یعنی جہاں اس لفظ میں ''ی'' ساقط ہے، وہاں مولانا عرشی نے اسے بغیر ''ی'' کے ''آئنہ'' لکھا ہے اور دوسری صورت میں جب یہ فاعلن کے وزن پر آیا ہے تو ''ی'' کے ساتھ ''آئینہ'' لکھا ہے۔ ذیل میں اس لفظ کی دونوں صورتوں کی دو دو مثالیں ملاحظہ ہوں، جو نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی میں ایک جیسی ہیں۔ چونکہ رشید حسن خاں کا اعتراض نسخۂ عرشی طبع اوّل پر ہے۔ اس لیے ذیل میں یہ مثالیں طبع اوّل سے دی جا رہی ہیں۔

۲:۱۴۳، ہواے سیرِ گل، آئینۂ بیمہری قاتل مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن
الف

ہَوَا اُ اِیْ سَیْ رِگُلْ اَا اِیْ نَ اِیْ بِیْ مِ ہْ رِاِیْ قَاْ تِلْ

۸:۱۴۸، آئینہ دیکھ، اپنا سامُنہ لے کے رہ گئے مفعولُ فاعِ لاتُ مفاعیلُ فاعِ لُن
الف

اَا اِی نَ دِیْ کَ اَپ نَ سَ مُ نْ لِیْ کِ رَہْ گَ اِیْ

۱۴۵: ۴، ب جوہرِ آئنہ کو طوطیِ بسمل باندھا	**فعلاتن**	**فعلاتن**	**فعلاتن**	**فعلن**
	جُ ہَرِ ے اَا	ءِ نَ کُو طُو	طِی ءِ بِسمِل	باندھا
۱۵۴: ۴، ب توڑا جو تو نے آئنہ، تمثال دار تھا	**مفعولُ**	**فاعِ لاتُ**	**مفاعیلُ**	**فاعِ لُن**
	تُو ڑَا جُ	تُو نِ اَا ءِ	نَ تمثَا لُ	دَا رَ تھَا

ان مثالوں اور اس کے علاوہ ، اس طرح کی تمام مثالوں کے تعین اور جائزے کے لیے، صغیر النساء بیگم کی کتاب ''غزلیاتِ غالب کا عروضی تجزیہ'' [۳] سے بھی مدد لی گئی ہے جس میں انھوں نے اس لفظ کی ان دونوں صورتوں کے اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔

ان الفاظ کی یہ وہی صورتیں ہیں جس طرح لفظ ''میری'' میں میم کے بعد والی ''ی'' ساقط ہو تو اسے بغیر پہلی ''ی'' کے ''مری'' لکھا جاتا ہے۔ مولانا عرشی نے شعر کے بحر و وزن کے فرق کو ظاہر کرنے اور تقطیع کرنے والے کے لیے آسانی کی خاطر، جو قاعدہ ''آئینہ'' اور ''آئنہ'' کے املا میں برقرار رکھا ہے وہ ذیل کے الفاظ میں بھی اپنایا ہے، مثلاً میرا ، میری ، میرے، تیرا ، تیری، تیرے میں، جہاں پہلی ''ی'' ساقط ہے وہاں ان تمام کو بغیر ''ی'' کے مرا ، مری، مرے اور ترا ، تری، ترے لکھا ہے۔ ظاہر ہے مولانا عرشی اگر یہ اہتمام نہ کرتے تو پھر ماہرینِ عروض نے معترض ہونا تھا۔

تراز (طراز):

''تراز'' فارسی لفظ ''ترازیدن'' سے مشتق ہے۔ اس کی معرّب صورت ''طراز'' اُردو میں رائج ہے۔ رشید حسن خاں لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب نے پنج آہنگ میں وضاحتاً لکھا ہے کہ ''ترازیدن'' کے مشتقات میں ط نہیں لکھنا چاہیے''۔ (املاے غالب، ص: ٦٧)

نسخۂ عرشی میں، اس لفظ کے سلسلے میں ، غالب کی اس تاکید کے برعکس، اردو کی مروّج صورت ''طراز'' وغیرہ ملتی ہے مثلاً: ''طوفان طرازِ شوقِ خونریزی'' (۳۲: ۷، الف)، ''وقتِ حسن طرازی'' (۲۸: ۱۲، ب) ''طرازِ دوام'' (۱۵۵: ۸ ب) ''مدحت طرازی'' (۱۵۷: ۱۲، الف) ''سازِ چمن طرازیِ داماں'' (۲۹۵: ٦ ب) ''ثنا طرازی سے'' (۳۸۲: ۱۷، الف) ''سحر طرازی'' (۱۴۱: ۷ ب)۔ یہ تمام حوالے نسخۂ عرشی طبع ثانی کے ہیں جن میں مولانا عرشی

نے اس لفظ کے مروّج املا کو ملحوظ رکھا ہے لیکن ایک جگہ اس کے برعکس بھی نظر آیا ہے:

۱۷۱:۸، الف شوق، ہے ساماں ترازِ نازشِ اربابِ عجز

اس مصرعے میں ''ترازِ نازش'' کا اختلافِ نسخ دیتے ہوئے لکھا ہے:

''ق، قا، گل، قبا، م، طراز''، یعنی مولانا عرشی نے یہاں ان پانچ نسخوں میں ''طراز'' پر ''تراز'' کو ترجیح دی اور اسے متن میں جگہ دی جو غالب کے املا کے مطابق مگر مروج کے برعکس ہے۔ چونکہ اس لفظ کے املا میں، اس ایک کے علاوہ تمام جگہ مروج صورت میں ''ط'' کے ساتھ لکھا ہے اس لیے، ان کے اس اصول کے مطابق یہاں بھی ''طراز'' آنا چاہیے تھا یا پھر تمام جگہ غالب کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل میں بھی صرف ایک جگہ اسی مصرعے میں ''تراز'' ہے باقی تمام جگہ ''طراز'' ہی ہے۔

دُکان (دوکان):

اس لفظ کے بارے میں رشید حسن خاں، غالب کی وضاحت کے مطابق لکھتے ہیں:

''یہ بات واضح ہو جانا چاہیے کہ یہ لفظ جن شعروں میں بروزنِ مفعول نظم ہوا ہو، اُن اشعار میں اسے اصل کے مطابق مع کافِ مشدّد (دُکّان) لکھا جانا چاہیے۔ ''دوکان'' نہیں لکھنا چاہیے''۔

(املاے غالب، ص:۹۰)

رشید حسن خاں نے، نسخۂ عرشی طبع اوّل میں سے چار مصرعوں میں اس لفظ کے استعمال کی نشاندہی کی ہے۔ جن میں سے دو جگہ درست طور پر ''دکان'' ہی ہے مگر دو مصرعوں میں ''دوکان چھپا ہے۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی کے متن میں بھی ان دو مصرعوں میں یہ اسی طرح چھپ گیا ہے:

۲۱:۹، الف خانمانِ عاشقاں، دوکانِ آتشباز ہے

۷۹:۵، ب اب چارسوے عشق سے دوکاں اُٹھایئے

ان میں سے پہلے مصرعے میں ''صحت نامہ'' کے تحت ''دُکّان'' بنا لینے کے لیے کہا ہے لیکن

دوسرا مصرع متن میں ایسے ہی رہ گیا ہے۔ ''صحت نامہ'' میں بھی اس کی تصحیح نہیں ہوسکی۔ اسے سہو نظر ہی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ ایک جگہ ''دُکّان'' بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ دوسری جگہ بھی مرتب اسی طرح چاہتے ہیں۔

کسی (کسو):

دیوان غالب کا تیسرا ایڈیشن ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے کاتب نے تقریباً ہر جگہ ''کسی'' کو ''کسو'' لکھا تھا۔ غالب نے اس کے آخر میں ''عبارتِ خاتمۂ دیوان'' کے تحت لکھا کہ کاتب کی غلطیوں کی اصلاح کر دی ہے مگر:

> ''ایک لفظ میری منطق کے خلاف، نہ ایک جگہ بلکہ سو جگہ چھاپا گیا ہے۔ کہاں تک بدلتا؟ ناچار یونہی چھوڑ دیا، یعنی، کسو، بکافِ مکسور وسینِ مضموم و واوِ معروف۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ لفظ صحیح نہیں۔ البتہ فصیح نہیں۔ قافیے کی رعایت سے اگر لکھا جائے، تو غیب نہیں، ورنہ فصیح بلکہ افصح ''کسی'' ہے، واو کی جگہ یائے تحتانی۔'' (بحوالہ، مقدمہ، ص: ۱۳۸)

یعنی پہلے غالب ''کسو'' ہی لکھا کرتے تھے۔ ''مگر بعد میں جدید محاورے کے ماتحت ''کسی'' بنایا ہے''۔ اس کے علاوہ، نسخۂ عرشی میں، نسخۂ رام پور جدید (۱۸۵۵ء) کے حوالے سے جو اختلاف نسخ آئے ہیں ان میں اس لفظ کے بارے میں غالب کی متعدد اصلاحوں کو درج کیا گیا ہے کہ جہاں ''کسو'' آیا تھا غالب نے کاٹ کر ''کسی'' بنا دیا۔

گویا، غالب کے کلامِ نظم و نثر میں اس لفظ کو (نظم میں قافیے کی مجبوری کے علاوہ) ہر جگہ ''کسی'' ہی لکھا جانا چاہیے۔ لیکن نسخۂ عرشی میں دو جگہ اس کے خلاف ہے:

۳۵ : ۲، ب دیکھا ہے کسو کا جو حنا بستہ سر انگشت

۵۲ : ۴، الف گل، چہرہ ہے کسو خفقانی مزاج کا

ان میں سے دوسرے مصرعے میں، نسخۂ عرشی طبع اوّل میں درست طور پر ''کسی'' ہے لیکن یہاں طبع ثانی میں یہ ''کسو'' چھپ گیا ہے۔ نسخۂ عرشی طبع ثانی میں، ان دونوں مصرعوں کے حوالے سے اختلافِ نسخ میں لکھا ہے کہ ''ح'' میں ''کسی'' ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہاں مولانا عرشی نے خود ''کسو'' لکھنے اور چھپنے کو ترجیح دی۔ حالانکہ یہ غالب کی وضاحت کے مطابق ہے نہ جدید محاورے کے مطابق۔ ان دو مصرعوں میں ''کسو'' کے بارے میں نسخۂ

عرشی کے حواشی، اختلاف ، استدراک اور صحت نامہ میں کہیں وضاحت نہیں کہ انھیں اس طرح کیوں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ تمام جگہ ''کسی'' ہی لکھا ملتا ہے۔

کیو نکے (کیونکر) اور کیونکہ:

''کیو نکے'' اور ''کیوں کہ'' دو مختلف لفظ ہیں، معنی کے لحاظ سے بھی اور محلِ استعمال کے لحاظ سے بھی۔ ''کیو نکے'' محرّف صورت ہے ''''کیونکر'' کی .... ''کیونکہ مرکّب ہے ''کیوں'' اور ''کہ'' سے۔ ''کیونکہ'' کلمۂ بیانیہ ہے اور ''کیو نکے'' استفہامیہ''۔ (املاے غالب ،ص:۱۱۶)

نسخۂ عرشی میں اکثر ان دونوں الفاظ (کیو نکے (کیونکر) اور کیونکہ) کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن نسخۂ عرشی طبع اوّل میں جن مقامات پر اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، رشید حسن خاں نے ایسے پانچ مصرعوں کی نشاندہی کی ہے۔ طبع ثانی میں انھیں تلاش کیا تو متن میں یہ پانچوں مصرعے ویسے ہی چھپے ہیں یعنی جہاں ان میں ''کیو نکے'' (یا کیونکر) کا محل ہے وہاں ''کیونکہ'' چھپ گیا ہے۔ طبع ثانی سے یہ پانچ مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۶:۸۲، ب چھپاؤں کیونکہ غالبؔ سوزشیں داغِ نمایاں کی

۱۰۶:۷، الف نہ ہووے کیونکہ اُسے فرض قتلِ اہلِ وفا

۱:۲۱۸، الف جو یہ کہے ''کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی''؟

۲:۲۷۴، الف نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی

۲:۴۲۵، الف اُٹھائے کیونکہ یہ رنجورِ خستہ تن تکیہ

ان میں سے دوسرے اور تیسرے مصرعے میں ''صحت نامہ'' کے تحت ''کیونکہ'' کو ''کیو نکے'' میں تبدیل کر لینے کی ہدایت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ باقی تین، سہواً درست کر لینے یا کروانے سے رہ گئے ہیں۔ انھیں لغزش ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن تصحیح کا یہ احساس صرف طبع ثانی میں ہے طبع اوّل میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

مزا، مزہ:

رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

''مرزا صاحب کے کلام میں اُن کی تحریر کے مطابق ''مزا'' ہی لکھا جانا چاہیے۔عرشی صاحب نے نسخۂ عرشی (طبع اوّل) میں ''مزا'' ہی لکھا ہے۔''(املاے غالب،ص:۱۳۲)

رشید حسن خاں نے مثال کے لیے نسخۂ عرشی طبع اوّل میں سے چار اشعار نقل کیے ہیں جن میں ''مزا'' ہی ہے۔طبع ثانی میں سے اس لفظ کے استعمال والے ۹ مصرعے تلاش کیے جا سکتے ہیں جن میں سے دو میں ''مزہ'' (الف کی بجائے ہ کے ساتھ) چھپا ہوا ہے:

۲:۲۱۲، ب کیا مزہ ہوتا، اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

۱:۴۳۰، الف مزہ تو جب ہے کہ اے آہِ نارسا ہم سے

ان میں سے پہلے مصرعہ میں، نسخۂ عرشی طبع اوّل میں درست طور پر ''مزا'' ہی لکھا ہے لیکن طبع ثانی میں یہ ''مزہ'' بن گیا ہے۔دوسرا مصرع طبع ثانی کا اضافہ ہے۔جس میں ''مزہ'' لکھا ہے۔ان دو کے علاوہ باقی سات مصرعوں (۱:۱۶۲، الف و ۶، ب، ۲:۱۹۳، ب، ۲۴۷ :۲، الف، ۳۰۸: ۴، ب و ۹، الف، ۳۱۸: ۳، الف) میں درست طور پر ''مزا'' ہی ہے۔ گویا محولا بالا دو مصرعوں میں سہواً ''مزہ'' چھپ گیا ہے جس کی تصحیح ''صحت نامہ'' میں بھی نہیں ہو سکی۔

ناچار(لاچار):

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے صفحہ ۵۵ پر غزل نمبر ۱۱۳ کا مقطع ہے:

اسدؔ،شکوہ کفر و دعا ناسپاسی ہجومِ تمنّا سے ناچار ہیں ہم

''اختلافِ نسخ'' کے تحت۔اس مقطع کے حوالے سے لکھا ہے:

''ق، قا، لاچار– آخر میں غالب نے ناچار لکھنا شروع کر دیا تھا اور ''لاچار'' کو غلطِ محض قرار دے دیا تھا (مکاتیبِ غالب ۹۴،طبع چہارم) اس لیے متن میں ''ناچار'' لکھا گیا ہے۔''
(نسخۂ عرشی،طبع اوّل،ص:۴۰۹،کالم:۱)

مولانا عرشی کی یہ رائے، مکاتیبِ غالب کے متن کے صفحہ ۹۴ پر، بیتابؔ رام پوری کے کلام پر غالب کی اصلاح پر مبنی ہے۔''مکاتیب'' (متن،ص: ۸۸) کے مطابق بیتاب

۱۸۶۶ء میں غالب کے شاگرد ہوئے اور اصلاح لینا شروع کی۔ گویا مولانا عرشی کے مطابق، غالب کا، ''لاچار'' کو غلطِ محض اور ''ناچار'' کو درست کہنا ۱۸۶۶ء کے بعد ہی کا ہوگا۔

مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی طبع اوّل میں، اس لفظ کو بھی کچھ دوسرے الفاظ کی طرح غالب کی آخری اصلاح کے مطابق ''ناچار'' لکھا ہے۔جس پر رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

''مرزا صاحب نے منقولۂ بالا مقطعے میں ''لاچار'' کو خود نہیں بدلا ، اُسے مرتب (عرشی) نے بدلا ہے اور کسی مرتب کو (وہ استادِ معظم عرشی صاحب کیوں نہ ہوں) یہ حق حاصل نہیں کہ وہ متن میں از خود کسی لفظ کو بدل دے۔'' (املاے غالب، ص: ۱۲۴)

رشید حسن خاں کے بیان کردہ، تدوینِ متن کے اس مسلّمہ اصول سے انحراف یا انکار ممکن نہیں لیکن کہنے کی بات یہ ہے کہ ''ق'' یا ''قا'' خود غالب نے اپنے قلم سے نہیں لکھے ہوئے جو ان کی پیروی میں، اب بھی ''لاچار'' لکھنے پر اتنا اصرار کیا جائے۔ البتہ یہ دونوں نسخے غالب کی نظر سے گزرے اور اُنہوں نے نظرِ ثانی کے وقت ان پر اصلاحیں بھی کی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ اصلاحیں زیادہ سے زیادہ ۱۸۲۶ء سے پہلے ہی کی ہیں اور غالب نے ''لاچار'' کو ''غلطِ محض'' اس کے بعد کسی وقت قرار دیا ہوگا۔ اس سلسلے میں نسخۂ شیرانی (قا) سے ایک شہادت ملاحظہ ہو:

ناچار بے کسی کی بھی حسرت اُٹھایئے۔
(عکسی اشاعت نسخۂ شیرانی، ورق ۵۸ ب)

اگر محولا بالا پہلے مقطعے میں، کاتب کے لکھے ہوئے نسخۂ شیرانی میں غالب نے، نظرِ ثانی کے وقت ''لاچار'' کو اسی طرح رہنے دیا ہے، تو اسی کاتب کے لکھے ہوئے اسی نسخے میں، اس دوسری جگہ ''ناچار'' کو بھی تو اسی طرح رہنے دیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ''قا'' کی کتابت (۱۸۲۶ء) تک غالب کے نزدیک ''لاچار'' یا ''ناچار'' میں کوئی فرق نہ ہوگا (کیونکہ یہ دونوں اُس وقت بھی اور آج بھی مستعمل ہیں)۔

ایک ضمنی شہادت کہ ''ہجومِ تمنا سے لاچار ہیں''، بیاضِ غالب بخطِ غالب (عکسی اشاعت، نقوش، غالب نمبر ۲، ص ۱۴۸) میں بھی موجود ہے اور وہاں اس میں ''لاچار'' ہی لکھا ہے۔ اس شہادت سے اس خیال کو مزید تقویت ملتی ہے کہ شروع میں، غالب ''لاچار'' بھی لکھتے

تھے، جسے بعد میں ''غلط محض'' قرار دے کر ''ناچار'' کو درست کہا اور لکھا۔ اس لحاظ سے مولانا عرشی نے اس لفظ کو غالب کی آخری اصلاح کے مطابق متن میں ''ناچار'' لکھا ہے تو درست ہے کیونکہ تدوین میں مصنف کی ترمیم و اصلاح اور املا کو اہمیت دی جاتی ہے۔ (جیسا کہ خود رشید حسن خاں نے، بیاضِ غالب بخطِ غالب (۱۸۱٦ء) کو ابتدائی تحریر سمجھ کر اپنی کتاب املاے غالب (ص: ۲٦) میں۔ املا کے تعین کے لیے حوالہ نہیں بنایا)

رشید حسن خاں نے، مولانا عرشی کی نقل کردہ، بیتابؔ کے شعر پر غالب کی اصلاح کے استناد پر اظہارِ رائے نہیں فرمایا، گویا غالب کے قلم سے لکھے ہوئے ''ناچار'' پر بغیر رائے ظاہر کیے ''ق'' اور ''قا'' میں کاتب کے لکھے ہوئے ''لاچار'' کو اپنا لینے پر اصرار کیا ہے جو درست نہیں۔

اس لفظ کے بارے میں، بحث کا ایک دوسرا پہلو کہ غالب نے کب سے ''لاچار'' کو غلط اور ''ناچار'' کو درست قرار دیا۔ مولانا عرشی نے بیتابؔ کے شعر پر اصلاح کا حوالہ دیا ہے۔ پہلے مذکور ہوا کہ بیتابؔ ۱۸٦٦ء میں غالب کے حلقۂ تلمّذ میں داخل ہوئے گویا ان کے شعر پر زیرِ بحث اصلاح ۱۸٦٦ء یا اس کے بعد کی ہے۔ رشید حسن خاں نے ''املاے غالب'' میں زیادہ تر غالب کی قلمی تحریروں کی بنیاد پر ہی الفاظ کے املا کا تعین کیا ہے اور اُن میں سے بھی غالب کی آخری ترمیم و اصلاح کو اہمیت دی ہے، لیکن زیرِ بحث لفظ کی دونوں صورتوں ''لاچار'' اور ''ناچار'' کے املا کے تعین میں، انھوں نے غالب کی کسی ایک بھی قلمی (یا عکسی) تحریر کا حوالہ نہیں دیا۔

نواب یوسف علی خاں اور نواب کلب علی خاں کے نام غالب کے قلمی خطوط کے عکس، پرتھوی چندر کی کتاب مرقّعِ غالب[۴] اور غالب کے خطوط (جلد سوم)[۵] مرتبہ خلیق انجم، میں شامل ہیں، جو ۱۸۵۷ء کے بعد غالب کی وفات تک کے محرّرہ ہیں۔ ان میں متعدّد بار لفظ ''ناچار'' آیا ہے۔ پہلی بار، نواب یوسف علی خاں کے نام ۱۸-اپریل ۱۸۵۹ء کے خط میں ہے:

''ناچار پہلے خط کا مضمون اس ورق میں مکرّر لکھ دیا''

(مرقعِ غالب، ص: ۲۳۴، غالب کے خطوط (جلد سوم) ص: ۱۲٦۷)

اس کے بعد بھی نوابانِ رام پور کے نام ان خطوط میں مرقعِ غالب کے صفحہ ۲۳٦، ۲۸۷، ۲۹۰، ۳۰۳، ۳۰۴ اور ۳۰۹ پر لفظ ''ناچار'' ہی لکھا ہوا موجود ہے، ان میں سے آخری

خط جس میں یہ لفظ دو بار آیا ہے، نواب کلب علی خاں کے نام، ۱۶ نومبر ۱۸۶۸ء کا مرقومہ ہے:

''آج ناچار از روے اضطرار و افتقار''

(مرقع غالب، ص: ۳۰۹، غالب کے خطوط (جلد سوم) ص ۱۳۰۷)

''ناچار حسین علی کی شادی اور اُس کے نام کی تنخواہ'' (ایضاً ، ایضاً)

ان مثالوں کے پیشِ نظر، غالب کے قلم سے لکھے ہوئے، اس لفظ کے آخری املا ''ناچار'' کو نظر انداز کر کے، ''ق'' اور ''قا'' میں کسی کاتب کے قلم سے ''لاچار'' کو غالب کے متن میں درج کرنے پر اصرار، قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

اب بھی اگر یہ اصرار ہو کہ غالب نے اگر پہلے ''لاچار'' لکھا ہے تو متن میں اس جگہ یہی لکھا جائے اور اس کے بعد اگر ''ناچار'' لکھنے لگے تو بعد والے اشعار میں ''ناچار'' لکھا جائے تو پھر وہ تمام الفاظ جو ابتدا میں غالب کسی اور طرح لکھتے تھے لیکن بعد میں کسی اور طرح لکھنے لگے اُن کا املا کیا ہوگا مثلاً بیاضِ غالب بخطِ غالب میں، غالب نے خود فارسی اور اُردو الفاظ میں ''ذ'' اور ''ط'' لکھا ہے، لیکن بعد میں ایسے الفاظ کو پابندی کے ساتھ ''ز'' اور ''ت'' کے ساتھ لکھنے کے لیے کہا بھی اور لکھا بھی۔ کیا اس طرح کرنے سے املا کی دورنگی کی صورت پیدا نہ ہوگی جس سے، رشید حسن خاں، غالب کے کلام نظم و نثر کو بچانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے املاے غالب اسی مقصد کے لیے لکھی ہے کہ غالب کے: ''کلامِ نظم و نثر کے مختلف مجموعوں میں لفظوں کے املا میں دورنگی نمود حاصل نہ کر سکے''۔ (املاے غالب، ص: ۱۰)

رشید حسن خاں نے نسخۂ عرشی طبع اوّل میں سے ''ناچار'' کے محل کے منقولا بالا دو شعر ہی نقل کیے۔ جن میں سے ایک میں ''لاچار'' لکھنے پر اصرار کیا۔ مزید تلاش کیا تو طبع اوّل میں ان دو کے علاوہ مزید چار اشعار (۱۲۸ : ۱۳ ، ۱۳۰ : ۹، ۱۹۵ : ۷ اور ۲۰۱ : ۳) ایسے مل گئے جن میں لفظ ''ناچار'' آیا ہے۔ یعنی نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ہر جگہ ''ناچار'' ہی لکھا ہے۔ ان تمام مثالوں کو نسخۂ عرشی طبع ثانی میں تلاش کیا تو صفحہ ۵۹ شعر ۲ میں ''ہجومِ تمنّا سے لاچار ہیں ہم'' لکھ دیا گیا ہے جو درست نہیں، کیونکہ مولانا عرشی نے جب دوسرے متعدد الفاظ کے سلسلے میں مجموعی طور پر غالب کی آخری اصلاح یا ترمیم کے مطابق الفاظ کا املا رکھا ہے تو پھر یہاں بھی ایسے ہی کرنا چاہیے تھا۔ ہاں البتہ نسخۂ عرشی طبع ثانی میں باقی پانچ مصرعوں

(۲:۱۴۴ب ، ۹:۱۴۶، الف، ۱:۲۳۸، ب ، ۵:۲۴۵، الف اور ۳:۲۵۴،الف) میں درست طور پر ''ناچار'' ہی چھپا ہے۔

''ہا'' علامت جمع:

''ہا'' علامتِ جمع کے طور پر جب ایسے الفاظ میں آئے جن کے آخر میں ہائے مختفی (ہ) ہے تو انھیں الگ الگ لکھا جاتا ہے مثلاً نشہ ہا، گلہ ہا وغیرہ۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل وطبع ثانی دونوں میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے اور انھیں منفصل لکھا ہے کیونکہ مولانا عرشی کے مطابق نسخۂ رام پور جدید میں اسی طرح ہے اور جہاں کاتب سے سہو ہوا غالب نے تصحیح کر دی ہے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ ''ہا'' جب ایسے الفاظ میں آئے جن کے آخری حروف منفصل ہوتے ہیں، تو لازمی طور پر انھیں الگ الگ ہی لکھا جائے گا مثلاً مدّعا ،گفتگو وغیرہ۔ نسخۂ عرشی میں اس کی بھی پابندی کی گئی ہے۔

اس علامت کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب یہ (''ہا'') ایسے الفاظ کے ساتھ آئے جن کو ملا کر لکھا جا سکتا ہے وہاں بھی لازمی طور پر انھیں الگ الگ لکھا جانا چاہیے۔ رشید حسن خاں، غالب کی قلمی تحریروں سے ایسی مثالیں درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

> ''ان مثالوں کے پیشِ نظر یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے قلم سے ایسے مرکبات میں بیش تر ''ہا'' کو منفصل لکھا ہے۔ نسخۂ عرشی میں ایسے مرکبّات میں عموماً ''ہا'' کو ملا کر لکھا گیا ہے''۔ (املاے غالب،ص:۱۸۲)

رشید حسن خاں نے نسخۂ عرشی طبع اوّل کے حوالے سے لکھا تھا لیکن طبع ثانی میں بھی ایسے مرکبّات کی یہی صورت ہے مثلاً: گلہا بے خار (۴ : ۳) دلہا (۶ :۸) روانیہاے (۱۲ : ۴) بید لیہاے (۴:۱۶) ستمہاے (۱۲:۱۶) چمن بالید نیہاے (۶:۳۲) لطا فتہا ے (۸:۳۲) جراحتہاے (۱۰:۳۲) نسخۂ عرشی طبع ثانی کے ''گنجینے'' کے صفحہ ۲۴ اور ۲۵ پر غزل نمبر ۳۷، ۳۸، ۳۹ میں قافیہ ہی ایسا ہے: شگفتنہا، شکستنہا، خستنہا، وغیرہ۔ غرض یہ کہ طبع ثانی میں ایسے الفاظ کو کسی ایک جگہ بھی منفصل نہیں لکھا گیا۔ چونکہ یہ غالب کی روش کے بھی خلاف ہے اور مروج صورت بھی یہ نہیں لہٰذا انھیں ہر جگہ الگ الگ لکھا جانا چاہیے تھا۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل میں قدیم روش کے مطابق الفاظ کو اکثر ملا کر لکھا گیا ہے۔ طبع

ثانی میں طبع اوّل کی نسبت ملا کر لکھے جانے والے الفاظ کم ہیں لیکن ہیں ضرور مثلاً : تہیدستی (۱۰:۸۲) بیزمِ (۵:۹۱) بسختیہاے (۹:۹۱) ہمنشینی رقیباں (۴:۱۰۱) برھمزنِ دو عالم (۱:۱۰۲) وغیرہ۔ ان کے علاوہ ''نہ'' اور ''بہ'' کو بھی اکثر ملا کر لکھا ہے مثلاً: نپوچھ (۳:۱۹۸) نرھا (۲:۱۹۹) نما نگ (۲،۱:۲۱۴) بنالہ (۹:۲۱۵) نچاہ (۵:۲۱۸) نہو (۷:۲۱۸) وغیرہ۔ جب نسخۂ عرشی میں کہیں کہیں ایسے الفاظ کو الگ الگ بھی لکھا ہے تو پھر یہاں اور ایسی مزید جگہوں پر ملا کر کیوں لکھا گیا ہے۔ان کے اندراج کی ایک ہی صورت رہنا چاہیے تھی اور وہ ہے الگ الگ، نہ پوچھ، نہ رہا، نہ کر، نہ ہو وغیرہ جو زیادہ بہتر اور مروج بھی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی میں ایک نئی اور عجیب بات یہ نظر آتی ہے کہ اس کے اختلافِ نسخ میں مولانا عرشی نے اپنی وضاحتوں اور عبارتوں میں بیشتر جگہ الفاظ کو اعراب بالحروف لکھا ہے مثلاً:

''ح میں اس کی جگہ اوس شعر کو حاشیے کا بتایا ہے جو............''۔
(نسخۂ عرشی،ص: ۲۲۳)

''مرتب ح نے اسے اون غزلوں کے ساتھ چھاپا ہے جن کا ....''
۔(نسخۂ عرشی،ص:۱۸۰)

'' مرتب ح نے اسے اون غزلوں کے زمرے میں جگہ دی ہے............''۔(نسخۂ عرشی،ص:۱۸۰)

''...... پھر بھی اپنے نسخے میں اسے اونہیں غزلوں کے ساتھ چھاپا ہے......''۔(نسخۂ عرشی،ص۱۸۱)

ایسی اور بھی مثالیں ہیں اور یہ صرف طبع ثانی کے ''اختلافِ نسخ'' میں آئی ہیں۔ اس کے علاوہ کہیں نہیں۔

نسخۂ عرشی میں املا کے کچھ معمولی اور کچھ غیر معمولی اشکال کے باوجود، مولانا عرشی نے الفاظ پر جو اعراب لگائے یا بطورِ خاص اضافت اور رموزِ اوقاف کا اہتمام کیا ہے اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

''عرشی صاحب کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے اشعار، فقروں اور اجزا میں اوقاف کا استعمال بڑی فراخ دلی سے کیا ہے۔جس کی وجہ سے صحیح

مفہوم کی طرف رہ نمائی ہو جاتی ہے''۔ (رموزِ غالب ،ص:۲۸۹)

رشید حسن خاں جو املا کے مسائل و مباحث سے اچھی طرح آشنا اور الفاظ کے زمر شناس ہیں، نسخۂ عرشی میں مولانا عرشی کی توقیف نگاری اور اضافتوں کے اہتمام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مرزا صاحب کی دستی تحریروں میں بھی بہ طورِ عموم اضافت کے زیر نہیں ملتے۔ مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی میں اس کا التزام کیا ہے، پابندی کے ساتھ اضافت کے زیر لگائے ہیں۔ یہ التزام بہت مفید اور کار آمد ہے۔ اس سے صحیح خواندگی میں قابلِ قدر مدد ملتی ہے، معانی کے تعیّن میں مدد ملتی ہے اور املا کی تکمیل ہوتی ہے''۔
(املاے غالب ،ص:۱۹۶)

۞

نسخۂ عرشی طبع ثانی میں چند معمولی نوعیت کے محلِ نظر مقامات اور بھی ہیں جنہیں ذیل میں اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے ''گنجینۂ معنی'' کی ترتیب و تدوین میں ایک اصول یا معیار یہ بھی پیشِ نظر رکھا گیا تھا کہ اس حصّے میں آنے والے قلم زد اشعار میں سے، جن میں غالب نے کچھ ترمیم و اضافہ کر کے متداول دیوان میں شامل کر لیے انھیں درج نہ کیا جائے یعنی جن قلم زد اشعار کی اصلاحی شکل متداول میں آ گئی انھیں صرف ''اختلافِ نسخ'' میں ظاہر کر دیا جائے ''گنجینے'' میں شامل نہ رکھا جائے۔ نسخۂ عرشی طبع اوّل میں، اس اصول کی خاص پابندی نہ ہو سکی تھی اور کچھ ایسے شعر بھی ''گنجینے'' میں چھپ گئے تھے جن میں ایک مصرعے یا ایک آدھ لفظ یا صرف ردیف کی تبدیلی سے غالب نے متداول میں شامل کر لیے تھے۔ یعنی معمولی فرق والے (جس سے مفہوم میں خاص تبدیلی بھی نہ ہوتی تھی) تقریباً ایک ہی مفہوم کے حامل شعر ''گنجینے'' اور ''نواے سروش'' دونوں میں آ گئے تھے۔ اس پر ڈاکٹر گیان چند نے لکھا تھا:

''عرشی صاحب نے ایسی صورتوں میں کسی یکساں روش کی پابندی نہیں کی۔ کہیں وہ سابق متن کے شعر کو یک قلم خارج کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تو کہیں دونوں متون کو علاحدہ اشعار کے طور پر برقرار رکھتے ہیں۔''(رموزِ غالب ،ص:۲۶۷)

نسخۂ عرشی طبع ثانی کی ترتیب کے وقت مولانا عرشی نے اس پہلو پر خاص توجہ دی اور طبع اوّل کے ''گنجینے'' سے ایسے بہت سے اشعار خارج کر دیے جن کی اصلاحی شکل نوائے سروش میں آ رہی تھی مثلاً: صفحہ ۵: شعر ۱۲، ۱:۱۱، ۱۴: ۱۴، ۱:۱۵، ۵:۱۷، ۹:۱۹، ۱۲:۲۰، ۸۲: ۸ وغیرہ۔ یہ سب طبع اوّل میں موجود ہیں (اور صفحہ و شعر نمبر طبع اوّل ہی سے دیا ہے) لیکن طبع ثانی کے ''گنجینے'' میں شامل نہیں۔ سبب یہی ہے کہ ان کی اصلاحی شکل ''نوائے سروش'' میں آ چکی ہے۔ لیکن طبع ثانی کے گنجینے میں ایسے کچھ مزید شعر موجود رہ گئے ہیں اور یہ ہیں بھی ایسے کہ ان سے زیادہ مفہوم کے اختلاف والے (نئے شعر کا درجہ رکھنے والے) اصلاحی شعر تو خارج ہوئے لیکن بہت معمولی فرق والوں کو برقرار رکھا ہے طبع ثانی سے ایسی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

گنجینۂ معنی ، ۱۰:۹ تجھ میں اور غیر میں نسبت ہے، ولیکن بتضاد وصیِ ختمِ رُسل تو ہے باثباتِ یقیں

نوائے سروش، ۷:۱۵۱ جاں پناہا! دل و جاں فیض رسانا! شاہا! وصیِ ختمِ رُسل تو ہے، بفتوائے یقیں

گنجینۂ معنی، ۳:۶۴ حسرت کشِ یک جلوۂ معنی ہیں نگاہیں کھینچوں ہوں سُویدائے دلِ چشم سے آہیں

نوائے سروش، ۶:۲۲۴ مت مَرْدُمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں ہیں جمع، سُویدائے دلِ چشم میں آہیں

گنجینۂ معنی، ۵:۷۵ لائی ہے معتمد الدولہ بہادر کی امید جادۂ رہ، کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

نوائے سروش، ۹:۲۴۵ لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع، غالبؔ جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

طبع ثانی کے گنجینے میں آنے والا ایک شعر اپنے قدیم متن پر اصلاح کے باوجود غالب نے متداول میں شامل نہ کیا۔ اب اس کی دونوں صورتیں یہاں (گنجینے میں) چھپ گئی ہیں:

گنجینۂ معنی، ۸:۲۴ اسدؔ ہر اشک ہے یک حلقہ بر زنجیر افزودن بہ بندِ گریہ ہے نقشِ برآب، امیّد رستن ہا

گنجینۂ معنی، ۷:۲۹ ہر اشکِ چشم سے یک حلقۂ زنجیر بڑھتا ہے بہ بندِ گریہ ہے نقشِ برآب، اندیشہ رستن کا

ایسے اشعار کے بارے میں کوئی ایک اصول طے کر لیا جاتا تو بہتر تھا کہ یا تو اس طرح کے تمام اشعار کو شامل کیا جاتا یا پھر سب کو خارج کیا جاتا۔ جس طرح گپتا رضا نے ایسے تمام اشعار کو متن میں شامل کر لیا ہے اسی سبب ان کے ہاں نسخۂ عرشی کی نسبت اشعار کی مجموعی تعداد زیادہ ہے۔ نسخۂ عرشی میں، مآخذ کی علامتوں کے علاوہ پانچ طرح کی علامتیں استعمال ہوئی ہیں جو متن میں شامل بعض اشعار کی ترتیب یا انتخاب کی فہم کے لیے آئی ہیں۔ ان تمام علامتوں کے اندراج سے مرتبِ نسخۂ عرشی کا مقصد پورا نہیں ہو پایا۔ ان میں سے بعض مبہم اور بعض

نامکمل رہ گئی ہیں، کہیں بے محل بھی ان کا اندراج عمل میں آیا ہے۔

''گنجینۂ معنی'' کے پہلے قصیدے کے شروع میں ایک لکیر لگی ہے جس کے بارے میں حاشیے میں لکھا ہے:

> ''یہاں اور آیندہ دو شعروں کے درمیان سادہ لکیر کا مطلب یہ ہے کہ
> یہاں سے میرزا صاحب نے کچھ شعر نکال کر متداول (نوائے سروش)
> میں شامل کیے ہیں۔'' (نسخۂ عرشی، صفحۂ متن: ۲)

اس علامت میں دو طرح کے اشکال پائے جاتے ہیں، ایک تو یہ کہ علامت مذکور یعنی سادہ لکیر ''گنجینۂ معنی'' کے صرف تین قصائد میں اپنے محل پر لگی ملتی ہے۔ اس کے بعد اس کا استعمال کہیں (کسی ایک جگہ بھی) نظر نہیں آتا۔ جب یہ ''سادہ لکیر'' اس مطلب کے لیے لگائی ہے کہ پتا چل سکے کہ ''یہاں سے غالب نے کچھ اشعار نکال کر متداول میں شامل کیے'' تو پھر اسے ''گنجینۂ معنی'' اور ''یادِ آورد'' کی غزلیات میں بھی استعمال کرنا چاہیے تھا۔ غالب نے صرف ان قصائد میں سے تو شعر نہیں لیے غزلیات میں سے بھی لیے ہیں۔

دوسرا اشکال اس میں یہ ہے کہ ''گنجینے'' کے صرف قصائد میں اس سادہ لکیر کے لگا دینے سے یہ تعین قطعاً نہیں ہو سکتا کہ یہاں سے کون سے شعر متداول میں آئے۔ مطلب یہ کہ نظم و غزل کے اشعار کی ابتدائی ترتیب کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ دو لکیروں کے استعمال سے صفحہ پر ایک سطر بڑھ جاتی ہے، ممکن ہے مولانا عرشی نے اپنے مسوّدے میں قصائد کے بعد یہ اہتمام کیا ہو لیکن طباعت میں یہ ظاہر نہیں ہو سکا۔

''گنجینۂ معنی'' ہی میں ایک دوسری علامت کے بارے میں حاشیہ ہے کہ:

''جس شعر کے درمیان ایسا پھول (❀) بنا ہے وہ بعد کا اضافہ ہے'' (نسخۂ عرشی، ص: ۱۲) یہی اظہار مقدمے (ص: ۴۷) میں بھی کیا گیا تھا۔ یہ نشان، اضافہ شدہ شعر کے محاذ میں (دونوں مصرعوں کے درمیان) بنا ہے اور ''گنجینۂ معنی'' و ''نوائے سروش'' دونوں میں اس کا استعمال نظر آتا ہے۔ مقدمے یا حاشیے کی محولا عبارت کے علاوہ نسخۂ عرشی کے کسی حصّے میں ایسا کوئی اشارہ نہیں، جس سے یہ تعیّن کیا جا سکے کہ کون سے پھول والا شعر کس نسخے میں پہلی بار اضافہ ہوا۔ نسخۂ عرشی میں اس کے استعمال کی یہ صورتیں رہی ہیں کہ کہیں تو پھول کے نشان والے شعر کے بارے میں اختلاف میں بھی ظاہر کر دیا ہے کہ یہ فلاں نسخے میں پہلی بار اضافہ ہوا اور

کہیں یہ اظہار نہیں کیا۔ ''ح'' اور ''حم'' کے ساتھ تقابل سے اندازہ ہوا کہ اس نشان والے زیادہ تر اشعار ''ق'' کے حاشیے والے ہیں لیکن اس صورت میں بھی ایک بے قاعدگی یہ رہی ہے کہ اگر کوئی مکمل غزل کسی نسخے کے حاشیے کی ہے یعنی اپنے سے ماقبل نسخے کی نسبت اضافہ شدہ ہے تو اُس کے کسی شعر پر یہ نشان نہیں اور کہیں حاشیے کی مکمل غزل کے اشعار پر یہ نشان ملتے ہیں۔

''نوائے سروش'' کی غزل نمبر ۳۲، ۹۱، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۷۰ اور ۱۷۶ کے مآخذ میں ''حاشیۂ ق'' درج ہو گیا تھا اور ان کے اشعار پر پھول کے نشان بھی موجود ہیں لیکن ''صحت نامہ'' میں ان کے مآخذ میں سے ''حاشیۂ ق'' کو کالعدم قرار دیا ہے، اور یہ تصحیح شاید (بلکہ یقینا) ''حم'' کے حوالے سے ممکن ہو سکی ہے جس کا حوالہ نہیں دیا گیا (نسخۂ عرشی طبع اوّل میں بھی ان غزلوں کے مآخذ میں ''حاشیہ ق'' درج ہے)۔

''گنجینے'' کی غزل نمبر ۶۵ (ص: ۳۷) ہے جس کے مآخذ میں ''ق'' اور ''قا'' کے ساتھ ''حاشیۂ ق'' بھی درج ہے۔ لیکن ''ح'' اور ''حم'' کے مطابق اس غزل کا صرف ایک شعر ''ق'' کے حاشیے پر تھا جو نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''نوائے سروش'' میں غزل نمبر ۵۵ (ص: ۱۹۸) کے تحت فرد شعر کے طور پر درج ہے اور یہاں اسے ''قب'' کے حوالے درج کیا ہے۔ لہٰذا ''گنجینۂ معنی'' کی مذکور غزل (نمبر ۶۵) کے مآخذ میں ''حاشیہ ق'' کا اندراج نادرست اور ''نوائے سروش'' میں غزلِ مذکور (نمبر ۵۵) کے مآخذ میں ''قب'' سے پہلا مآخذ ''حاشیہ ق'' درج ہونا چاہیے تھا۔

اسی طرح ''نوائے سروش'' کی غزل نمبر ۲۸ (ص: ۱۷۶) کے مآخذ میں، ''ق، حاشیہ ق، قا'' درج ہے۔ لیکن اس غزل کے سات اشعار میں سے کسی ایک پر بھی پھول کا نشان نہیں ہے۔ ''حم'' کے مطابق اس غزل کا کوئی شعر ''حاشیہ ق'' کا نہیں لہٰذا نسخۂ عرشی میں اسے ''حاشیہ ق'' کا ظاہر کرنا سہو ہے (اگر یہ سہو نہیں تو اس میں حاشیے کے اشعار پر پھول کا نشان نہ بنانا سہو ہے) جس کی تصحیح ''استدراک'' یا ''صحت نامہ'' میں بھی نہیں ہو سکی۔

پھول کا نشان، زیادہ ابہام اور اشکال کا باعث اس وقت بنا ہے جہاں کسی غزل کے ایک سے زیادہ مآخذ درج ہوئے ہیں۔ اس صورت میں یہ تعین نہیں ہوتا کہ اُس میں نشان زد اشعار کس کس مآخذ میں پہلی بار اضافہ ہوئے ہیں مثلاً ''نوائے سروش'' کی غزل نمبر ۱۹۸ (ص: ۳۰۱) کے تین مآخذ ہیں: ''قا''، ''گل'' اور ''قب''۔ ۹ اشعار کی اس غزل کے پہلے دو اور آخری پانچ اشعار کے محاذ میں پھول کا نشان ہے۔ ''اختلافِ نسخ'' میں کوئی اشارہ نہیں کہ نشان زد یہ

سات اشعار مذکورہ تین مآخذ میں سے کس کس میں پہلی بار اضافہ ہوئے۔ ''استدارک'' کے تحت غزلِ مذکور کے تیسرے اور چوتھے شعر (جن پر پھول کا نشان نہیں ہے) کے بارے میں ''حم'' کے حوالے سے حاشیہ ہے کہ:

''ص ۳۰۱: ۳ و ۴، حاشیہ ق میں یہ شعر گنجینۂ معنی غزل نمبر ۱۹۸ (یہاں ۲۹۸ لکھا ہے جو غلط ہے) کے ہم پہلو اضافہ ہوئے ہیں (حم):
(نسخۂ عرشی، استدراک، ص: ۵۱۸، کالم: ۲)

بات اور الجھ جاتی ہے۔ یعنی ''نوائے سروش'' کی زیرِ بحث غزل (نمبر ۱۹۸) میں بغیر پھول کے نشان والے دو شعروں پر بھی یہ نشان ہونا چاہیے اور مآخذ میں ''حاشیۂ ق'' کا اضافہ ہونا چاہیے (جو ''استدراک'' میں نہیں کروایا) لیکن باقی نشان زد اشعار کے بارے میں کہیں وضاحت نہیں ہوسکی۔ ''گنجینۂ'' اور ''نوائے سروش'' میں اس طرح کی اور غزلیں بھی ہیں جن کے مآخذ ایک سے زیادہ ہیں اور اُن میں سے بعض پر پھول کا نشان بھی لگا ہے لیکن اس کا کچھ تعین نہیں ہوسکتا کہ کون سے شعر کس نسخے میں پہلی بار اضافہ ہوئے۔

مولانا عرشی نے متن کے اضافوں کی تفہیم کے لیے اس علامت کو درج کیا لیکن یہ علامت طباعت میں اُن کی خواہش کے مطابق روبہ عمل نہیں ہوسکی۔ اس اظہار کا آسان طریقہ یہ ہوسکتا تھا کہ الجھاوے سے بچنے اور بچانے کے لیے ہر غزل میں اُس کا صرف ایک قدیم ترین مآخذ درج کیا جاتا اور اضافوں کو ظاہر کرنے کے لیے پھول کے نشان کی بجائے اشعار کے محاذ میں نسخوں کے مخففات درج کر دیے جاتے۔ ''اختلافِ نسخ'' کے سے خفی ٹائپ میں، ان کے اندراج کے لیے پھول کی نسبت کچھ زیادہ تردّد بھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔

ان دو کے علاوہ باقی تین علامتیں ایک ہی نوعیت کی ہیں جو گلِ رعنا (۱۸۲۸ء) اور انتخابِ غالب (۱۸۶۶ء) کے تمام اشعار کو ظاہر کرنے کے لیے ہیں کہ کون سی غزل میں سے کون کون سا شعر ان دونوں انتخابات میں آیا ہے۔ ان کے بارے میں مقدمے میں لکھا ہے:

''بہت سے اشعار کے دائیں یا بائیں گ یا خ یا گخ لکھا ہوا ملے گا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اشعار گلِ رعنا یا انتخابِ غالب (۱۸۶۶ء) یا ان دونوں میں پائے جاتے ہیں۔'' (مقدمہ، ص: ۱۵۷)

نسخۂ عرشی میں ان علامتوں کا اہتمام بھی بڑا معنی خیز ہے کہ ان سے اندازہ ہوسکتا

ہے کہ مختلف ادوار میں غالب کا معیارِ انتخاب کیا رہا ہوگا۔ ان کے بارے میں ایک بات یہ بھی سمجھنے والی ہے کہ ان دونوں نسخوں میں آنے والے ہر شعر پر گ ، خ یا گخ نہیں بلکہ اگر ایک انتخاب کے چند شعر مسلسل آئے ہیں تو وہاں پہلے شعر پر تو یہ علامت لکھ دی ہے، اُس کے نیچے والوں پر گ ، خ یا گخ کو دہرانے کی بجائے ایضاً کی علامت (؎) لگائی گئی ہے لیکن یہ اتنی خفی ہے کہ بہت توجہ سے دیکھنا پڑتا ہے۔ ان علامتوں کو دائیں یا بائیں لکھنے سے بہتر تھا کہ طے کر لیا جاتا کہ کسی ایک طرف آئیں گی۔ کبھی یہ شعر کے شروع میں یعنی دائیں جانب اور کبھی آخر میں یعنی بائیں جانب آئی ہیں جو بعض اوقات الجھاوے کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ ''گ'' کی علامت ''گنجینۂ معنی'' اور ''نوائے سروش'' دونوں حِصّوں میں آئی ہے۔ ''خ'' اور ''گخ'' صرف ''نوائے سروش'' میں۔ مقدمے میں ''گل رعنا'' اور ''انتخابِ غالب'' کے اشعار کے ردیف وار گوشوارے دیے ہوئے ہیں، متن میں بعض شعروں پر ثبت ان علامتوں کو شمار کر کے گوشوارے سے تقابل کیا تو اندازہ ہوا کہ کچھ اشعار میں یہ علامتیں ظاہر نہیں ہوسکیں مثلاً مقدمے میں (ص:۱۰۰) ، گلِ رعنا میں ردیف الف کی غزلوں کے اشعار کی تعداد ۱۱۳ درج ہے۔ متن میں گ ، گخ اور ایضاً (؎) کو شمار کیا تو یہ علامتیں ''گنجینے'' میں ۱۵ اشعار پر اور ''نوائے سروش'' کے ۹۳ اشعار پر درج ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۱۰۸ بنتی ہے۔ اب یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ ''گل'' کے وہ کون سے پانچ اشعار ہیں جن پر یہ علامت نہیں لگائی جا سکی۔ اسی طرح دونوں حِصّوں (گنجینۂ،نوائے سروش) کی ردیف ''ت'' کے دو دو اشعار پر یہ علامت آئی ہے لیکن گل رعنا کے گوشوارے میں اس ردیف کے ۵ شعر ظاہر کیے ہوئے ہیں۔

انتخاب غالب (۱۸۶۶ء) کے حوالے سے ''خ'' اور ''گخ'' یا ایضاً (؎) کی علامت کے استعمال میں بھی یہ اشکال ہے کہ انتخاب کے تمام اشعار پر اس کا اندراج عمل میں نہیں آ سکا مثلاً مقدمے (ص : ۱۲۷) میں دیے گئے انتخاب کے گوشوارے کے مطابق اس میں قطعات کے ۴۰ شعر ہیں ''نوائے سروش'' کے قطعات میں یہ علامت صرف ۳۳ شعروں پر ظاہر ہوسکی ہے۔ گوشوارے کے مطابق، انتخاب میں قصائد کے ۹۲ شعر ہیں متن میں ۹۰ پر یہ علامت آئی ہے۔ ردیف الف کی غزلیات کے ۱۳۹ شعر انتخاب میں آئے، متن میں ۱۳۴ شعروں پر یہ علامت آئی۔ ردیف ت کے ۸ منتخب شعر ہیں۔ لیکن متن میں صرف ۵ پر یہ علامت درج ہے۔ غرض یہ کہ ''گل'' اور ''انتخاب'' کے حوالے سے یہ علامتیں مکمل طور پر متن کے اشعار پر ظاہر

نہیں ہو سکیں جس سے ان علامتوں کے اندراج کا مقصد پورا نہیں ہو سکا۔

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی میں بے شمار خوبیاں ہیں اردو میں تدوین کلام کا جو معیار نسخۂ عرشی نے دیا ہے وہ اُس وقت اور کسی تدوین کی کتاب کو حاصل نہیں تھا اور شاید دیوانِ غالب کے ترتیب و تدوین شدہ ایڈیشنوں میں کوئی بھی نسخۂ عرشی کے مقابل نہیں ٹھہرتا لیکن نسخۂ عرشی کے حوالے سے جو مشاہدات اور معروضات یہاں پیش کیے گئے ہیں ان کے سبب، اس پر مکمل بھروسا کسی بھی طرح کے غلط نتائج کا باعث ہو سکتا ہے۔

حواشی اور حوالہ جات

۱۔ دیوانِ غالب (کامل) مرتبہ، کالی داس گپتا رضا، باراوّل، (بمبئی: ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ ،فروری ۱۹۸۸ء)،ص: ۲۴

۲۔ نسخۂ شیرانی کے ورق ۲، الف اور ب پر اس با تخلص مصرع کے بشمول، ایسے تین اصلاحی اضافے ہیں جو نسخۂ شیرانی کے کاتب کے قلم سے ہیں نہ غالب کے قلم سے۔ مولانا عرشی مقدمے میں، اس نسخے کے تعارف کے تحت ان اضافوں کی نشاندہی کے بعد لکھتے ہیں: ''مذکورہ بالا تینوں اضافے حال ہی کے کسی شخص کے ہیں''۔ (مقدمہ، ص: ۹۴)۔ سیّد قدرت نقوی ''حال ہی کے کسی شخص'' کے بارے میں قیاس کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''(پنجاب) یونیورسٹی لائبریری میں مخطوطے (نسخۂ شیرانی) کے ساتھ حافظ محمود شیرانی کی تحریریں ملا کر دیکھیں تو احساس ہوا کہ یہ ترمیمیں ان کے قلم کی ہیں''۔ [نسخۂ شیرانی اور دوسرے مقالات، (لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، مارچ ۱۹۸۸ء)، حاشیہ، ص: ۹] یعنی قدرت نقوی اور خود مولانا عرشی کے مطابق یہ اضافہ غالب کے قلم سے نہیں اس کے باوجود زیرِ بحث اختلاف نسخ میں سے غالب کا قرار دیا۔ لہٰذا یہ اختلاف نسخ غلط درج ہو گیا ہے۔

۳۔ صغیر النساء بیگم، غزلیاتِ غالب کا معروضی تجزیہ، مرتبہ: ڈاکٹر محمد نور الدین سعید، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ نگر، ستمبر ۱۹۸۴ء)

۴۔ پرتھوی چندر، مرقّعِ غالب، متعارفہ، ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)

۵۔ غالب کے خطوط (جلد سوم) مرتبہ: خلیق انجم، (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۷ء)

چھٹا باب

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی : قدر پیمائی

غالب کے سلسلے میں، مولانا عرشی سے پہلے اور بعد میں، غیر مطبوعہ، تحقیقی نوادر کو منظرِ عام پر لانے والوں میں کچھ دیگر غالب شناسوں کے نام بھی لیے جا سکتے ہیں لیکن یہ فیضِ عام بھی مولانا عرشی ہی کا ہے کہ اُن کی تحریک اور ترغیب کے ذریعے اور سہارے تحقیق غالب، مستحکم بنیادوں پر ایک مستقل شعبے کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ مولانا عرشی اوّل و آخر غالب شناس تھے۔ ان کا پہلا مطبوعہ مضمون بھی ، غالب ہی سے متعلق ہے جو ''خمارِ رسوم و قیود'' کے عنوان سے ماہنامہ نیر نگ (رام پور) کے جولائی ۱۹۲۶ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس کے بعد پھر غالب سے ، مولانا عرشی کا تعلق، مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا اور غالب و غالبیات ایک طرح سے اُن کا اوڑھنا بچھونا بن گئے۔ مولانا عرشی کی پہلی مطبوعہ کتاب بھی غالب ہی سے متعلق ہے جو مکاتیبِ غالب کے نام سے ۱۹۳۷ء میں رام پور سے شائع ہوئی، جس میں نوابانِ رام پور کے نام غیر مطبوعہ خطوط پہلی بار منظرِ عام پر آئے۔ ان خطوط کی سائنٹیفک طریقے سے ترتیب و تدوین، پُرمغز حواشی اور مفصّل مقدمے نے ، غالب شناسوں میں مولانا عرشی کو سرِ فہرست لا کھڑا کیا۔ ڈاکٹر خلیق انجم اس کتاب کو اُردو کا پہلا تدوینی ایڈیشن قرار دیتے ہیں اور حافظ محمود شیرانی اور قاضی عبدالودود کی تحقیق و تدوین سے موازنے کے بعد ثابت کرتے ہیں کہ ''مولانا عرشی: اُردو کے پہلے متنی نقاد'' ہیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم اپنے اس مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''اگر ہم اُردو میں متنی تنقید کی تاریخ کا جائزہ لیں تو جس طرح فارسی میں سرسیّد کی بہت بڑی کتاب ''آئینِ اکبری'' ہے اسی طرح اُردو میں پہلا تنقیدی اڈیشن جسے سائنٹی فک طریقے پر تیار کیا گیا ہے۔ عرشی صاحب کی مرتّبہ ''مکاتیبِ غالب'' ہے''۔ [۱]

اس کے بعد بھی غالب کی اُردو و فارسی ،نظم و نثر کی تحقیق تدوین اور ترتیب و اشاعت ، ہمیشہ مولانا عرشی کی ترجیحات میں سے رہی ہیں۔ جس اعلیٰ معیار اور سائنٹیفک انداز سے مولانا عرشی، غالب کی تحریروں کو مدوّن کرنا چاہتے تھے اس انداز کا غالب کے سلسلے میں کوئی مبسوط اور ٹھوس نمونہ اُن کے سامنے نہیں تھا۔ انھوں نے غالب کی کل نظم و نثرِ اردو و فارسی کی الگ الگ ترتیب و تدوین اور اُن کی اشاعت کو اپنے ترجیحی منصوبوں میں شامل اور سر فہرست رکھا اور اس سلسلے میں متعدّد جزوی کاموں کی تکمیل بھی کی، لیکن اپنے ان منصوبوں میں سے انھیں مکمل کامیابی ، صرف غالب کے اُردو کلام کی جمع و ترتیب اور تدوین میں ہوئی۔

دیوانِ غالب اُردو (نسخۂ عرشی) کی صورت میں انھوں نے اس وقت تک کے کل معلوم مآخذ کے ذریعے، اسے ترتیب دیا، جسے بجا طور پر غالب کے اردو کلام کی ''کلیات'' کہا جا سکتا ہے۔ نادم سیتاپوری لکھتے ہیں:

''تحقیقی نقطۂ نظر سے کلامِ غالب کا جتنا گہرا مطالعہ امتیاز علی خاں عرشی رام پوری نے کیا ہے، اس دور میں یہ امتیاز شاید کم ہی لوگوں کے حصّے میں آیا ہوگا اور ان کا یہ انتھک مطالعہ کوئی دس پانچ سال کی کاوشِ نظر نہیں ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے بیشتر، قیمتی لمحات اسی علمی جدوجہد میں صرف کیے ہیں جو آج دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) کے روپ میں ہمارے سامنے موجود ہے...... یہ دیوان، غالب کے اُردو کلام کی ایک ایسی جامع و مکمل انسائیکلوپیڈیا ہے جو غالب کے مطالعہ کاروں کو بہت سی نایاب و کمیاب کتابوں سے ایک حد تک بے نیاز کر دیتی ہے۔''[۲]

نسخۂ عرشی، تحقیق و تدوین کا بہترین امتزاج اور بے شمار خوبیوں کا مرقّع ہے۔ اس کے جس جس پہلو پر مولانا عرشی نے دادِ تحقیق دی، اُسے روشن کر دیا ہے، لیکن تحقیق و تلاش کی نہایت پر مبنی، اس کا، قابلِ قدر اور لائقِ تحسین حصّہ ''یادگارِ نالہ'' کے تحت آنے والا کلام ہے۔ ''نوائے سروش'' کا کلام (متداول دیوان) تو سامنے کی بات ہے۔ ''گنجینۂ معنی'' کے مآخذ میں بھی نسخۂ بھوپال اور بیاضِ غالب بخط غالب ان کے دیکھے ہوئے ہیں اور ان کی دو دو اشاعتیں بھی مل جاتی ہیں۔ نسخۂ شیرانی کی بھی عکسی اشاعت مل ہی جاتی ہے۔ ''گنجینۂ معنی'' ان تین چار نسخوں کو سامنے رکھ کر، محنت اور سلیقے سے مرتب کر دیا گیا۔ لیکن ''یادگارِ نالہ'' کے تحت آنے والے منتشر اور متفرق کلام کی جمع آوری اور ترتیب و تدوین، واقعی مولانا عرشی کا کارنامہ اور ایک طرح سے نسخۂ عرشی کا حاصلِ تحقیق جزو ہے۔ ایسے کلام کی جمع آوری، جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھی، مولانا عرشی نے باہمت کوہکن کی طرح یہ کر دکھایا ہے۔ سیّد صباح الدین عبدالرحمن نے مولانا عرشی کی اس آبلہ پائی کے بارے میں بالکل درست لکھا ہے کہ:

''ان تمام اشعار کو جمع کرنے میں مولانا عرشی نے جس آبلہ پائی سے کام لیا ہے اور جو دیدہ ریزی اور جگر کاوی دکھائی ہے، اس سے نہ صرف

غالب کی ذات سے ان کی شیفتگی اور وارفتگی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ شعر و ادب کی تاریخ میں تحقیق اور تلاش کا بھی ایک خاص معیار قائم ہوتا ہے''۔۳؎

اس حصّے کے تحت آنے والے کلام کے مآخذ دیکھیں تو صد آفرین کہنا پڑتا ہے کہ کیسی کیسی نادر اور نایاب کتب و رسائل میں سے مولانا عرشی نے یہ سارا کلام ڈھونڈ نکالا ہے۔ اس کلام کی جمع آوری میں یقیناً، اُن کا لائبریرین ہونا، ان کے بہت کام آیا ہوگا لیکن اس کے لیے جو تحقیق و تلاش، جو محنت و ریاضت اور جو کاوش و کاہش اُنہوں نے کی ہے وہ کسی دوسرے کے بس کا روگ نہیں تھا۔

نسخۂ عرشی میں کلامِ غالب کی جمع و ترتیب کے علاوہ اس کے مقدمے، اختلافِ نسخ اور حواشی کی جو اہمیت و افادیت ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اُس وقت عام طور پر اُردو میں تدوین کے جو چند نمونے سامنے آچکے تھے یا آرہے تھے، اُن میں متون کی تصحیح و ترتیب کے علاوہ، نسخۂ عرشی کے مقدمے اور حواشی جیسی، دیگر اضافی معلومات درج نہیں ہیں۔

نسخۂ عرشی کا مقدمہ الگ سے ایک مستند تحقیقی کتاب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں غالب کی زندگی کے ایسے پہلوؤں کو خصوصیت کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے جس کا اُن کی شاعری سے تعلق ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اُن کے تخلیقی اور ذہنی سفر کے بارے میں بھی گراں قدر معلومات جمع کر دی ہیں۔ غالب کے ذہنی ارتقاء کو سمجھنے کے لیے، نسخۂ عرشی کا مقدمہ بہت مفید مطلب ہے۔ اس کا درجۂ استناد اس بات میں ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ غالب کی اپنی تحریروں کے حوالوں سے نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ نادم سیتاپوری نے (طبع اوّل کے بارے میں) بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ:

> ''ایک سو بیس صفحات (طبع ثانی ایک سو ساٹھ صفحات) کے دیباچے میں مولانا عرشی نے غالب کی شعری زندگی کو جس تحقیقی رنگ میں پیش کیا ہے جزوی اختلاف کے باوجود اس کی عظیم افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر اس تاریخی دیوان کے ساتھ ایسا گرانقدر عالمانہ ''آغازیہ'' شامل نہ ہوتا تو شاید مولانا عرشی کی برسہا برس (سالہا سال) کی سعی و کوشش کچھ زیادہ اجاگر نہ ہوسکتی۔''۴؎

نسخۂ عرشی کے مقدمے کی اہمیت اس حوالے سے بھی ہے جو قابلِ قدر اور قابلِ تقلید ہے کہ اس کے ذریعے سے تحقیق کے اصول اور معیار مقرر کیے جا سکتے ہیں کہ تحقیقی کتب کے مقدمے کو کیسا ہونا چاہیے۔ رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

''مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے مرتب کیے ہوئے دیوانِ غالب کے مقدمے کو اور انہی کے مرتب کیے ہوئے خطوطِ غالب کے مجموعے مکاتیبِ غالب کے مقدمے کو بہ طورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے کہ مقدمے میں کیا ہونا چاہیے اور اس کے مباحث کا تعیّن اور ترتیب کس طرح ہونا چاہیے۔''[۵]

یہ نسخۂ عرشی ہی کا فیض ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد تدوین کی اکثر کتب میں اسی نوعیت کے بھرپور مقدمے لکھنے کا رواج ہوا۔ رشید حسن خاں نے اپنی مرتّبہ کتابوں میں اس بات کا خاص التزام کیا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''شرح غالب'' اور ''اختلافِ نسخ'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حواشی اور اختلافِ نسخ اہلِ تحقیق کی جنت ہیں۔ ان کا مطالعہ جتنی تفصیل سے کیا جائے اتنی ہی لذت اور روشنی ملتی ہے۔ عرشی صاحب نے ایک ہی متن پیش نہیں کیا، اختلافِ نسخ کے ذریعے چودہ (طبع ثانی اکیس) مخطوطات ومطبوعات کا متن بڑی حد تک فراہم کر دیا ہے۔''[۶]

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کی اہمیت کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ اس کا شمار ایسی کتب میں ہوتا ہے جس کو بطور نمونہ یا مثال سامنے رکھ کر اُردو میں تحقیق و تدوین کے اصول وضع ہوتے ہیں۔ اس کے مقدمے میں مختلف قلمی یا مطبوعہ نسخوں کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اصول تحقیق و تدوین پر لکھنے والوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ مقدمے میں نسخوں کے تعارف ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ کون سے نسخے کو کس بنیاد پر اور کن خصوصیات کی بنا پر مستند اور معتبر جانا اور مانا جا سکتا ہے۔ نسخوں کی داخلی شہادتوں کے ذریعے اُن کی تاریخ کتابت کا تعین کرنے میں بھی نسخۂ عرشی نے ایک خاص انداز اور معیار دیا ہے۔ اصولِ تحقیق تدوین پر اردو میں جتنی کتابیں ہیں وہ نسخۂ عرشی کی پہلی اشاعت کے بعد ہیں اور اُن میں جگہ جگہ کچھ دوسری

کتابوں کے ساتھ نسخۂ عرشی کی مثالیں ضرور ملتی ہیں۔

غرض یہ کہ نسخۂ عرشی سے پہلے کسی مرتبہ دیوانِ غالب کو یہ اعزاز اور امتیاز حاصل نہیں کہ اُسے کلیات غالب اُردو یا غالب کے اُردو کلام کا انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکے بلکہ اس سے پہلے کا کوئی مرتبہ ایڈیشن، غالب کے کل کلام کا احاطہ کرتا ہے نہ اس کے متن کو صحت کے ساتھ پیش کرنے کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس سے پہلے دیوانِ غالب اُردو کی عام اور روایتی اشاعتوں سے ہٹ کر کسی قدر سنجیدہ اور شعوری سطح پر، کچھ اصول طے کر کے، اس کی ترتیب و تدوین کی جو چند ابتدائی کوششیں ہیں، اُن میں سے کچھ مکمل، کچھ نامکمل، بعض جزوی یا ادھوری اور بعض کم اہم و برائے نام ہیں۔

نسخۂ عرشی سے پہلے دیوانِ غالب کی ترتیب و تدوین کی یہ روایت کچھ ایسی اور اتنی پختہ نہیں رہی جسے کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب یا تدوینِ متن کا کوئی بہترین یا بہتر نمونہ کہا جا سکے۔ ان میں کوئی ایک ایڈیشن بھی کلام کی تاریخی ترتیب کی کوئی مکمل اور مستند کوشش ہے نہ متن کو صحت کے ساتھ پیش کرنے کی۔ ان کے برعکس نسخۂ عرشی میں کلام غالب کی تاریخوں کا بھی زیادہ سے زیادہ تعین کیا گیا اور متن کو بھی صحت کے ساتھ پیش کیا گیا نیز غیر متداول اور قلم زد کلام کی جمع آوری اور ترتیب و تہذیب اس کے علاوہ ہے۔ ان سب پر مستزاد مفصل اور پر مغز مقدمہ، حواشی اور اختلافِ نسخ کی شمولیت جو ایک خاص معیارِ ترتیب، سلیقے اور فن کاری کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ اس حساب سے نسخۂ عرشی اپنے سے ماقبل ایڈیشنوں پر فوق ہے، جس میں کلام غالب کو ترتیب کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تخلیقات کے تاریخی اور زمانی تعین کے ساتھ پیش کیا گیا۔ کلام کی تدوین میں بھی، نسخۂ عرشی اپنے سے ماقبل اور مابعد ایڈیشنوں میں ممتاز ہے اور اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ڈاکٹر گیان چند نسخۂ عرشی کی امتیازی خصوصیات اور اس کی اہمیت و افادیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُردو کے جتنے بھی شعری مجموعے مرتب کر کے شائع کیے گئے ہیں معیارِ ترتیب کے لحاظ سے ان سب میں ''نسخۂ عرشی'' کو سب سے اوپر رکھا جائے گا۔ کم سے کم الفاظ میں نسخۂ عرشی کی امتیازی خصوصیات یوں بیان کی جا سکتی ہیں:
>
> (۱) غالب کا پورا کلام یک جا کرنا۔

(۲) اس کی تاریخی ترتیب۔
(۳) مختلف نسخوں اور ایڈیشنوں کی مدد سے صحیح ترین متن پیش کرنا۔
(۴) بیش بہا معلومات پر مشتمل مقدمہ، حواشی اور اختلافِ نسخ۔
آج جو مجھ جیسے مبتدیانِ غالبیات ''نسخۂ رام پور جدید''، ''نظامی ایڈیشن'' کان پور وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات چیت کر سکتے ہیں، یہ ''نسخۂ عرشی'' ہی کا فیضان ہے۔''

یہ اور اس سے پہلے درج کی جانے والی ،نسخۂ عرشی کے بارے میں تمام آرا، اس کے پہلے ایڈیشن کے بارے میں ہیں۔نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن اس سے بھی زیادہ خوبیوں کا مالک اور امتیازی خصوصیات کا حامل ہے۔نسخۂ عرشی طبع اوّل کا ''دیباچہ'' ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ طبع ثانی میں یہ ۱۶۰ صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔طبع اوّل میں متن کے بنیادی مآخذ میں ۱۴ قلمی ومطبوعہ نسخے استعمال ہوئے ہیں،طبع ثانی میں یہ تعداد ۲۱ تک پہنچ گئی ہے۔مجموعی طور پر نسخۂ عرشی طبع اوّل کے ''اشاریۂ کتب ورسائل'' کے مطابق ، اس میں ۱۰۸، مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب اور رسائل و جرائد کا ذکر آیا ہے۔ اس کے برعکس طبع ثانی کے اشاریے میں یہ تعداد ۲۶۷ نظر آتی ہے۔طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی کے متن سے مختلف نوعیتوں کے الحاقی یا منسوب ۱۲۸ شعر اور کچھ مصرعے حذف کر دیے گئے اور ۲۱۷ شعر اور ۵ مصرعے اضافہ ہوئے۔طبع اوّل کے ''گنجینۂ معنی'' کا متن نسخۂ بھوپال پر مبنی تھا،طبع ثانی میں درست طور پر اسے آخری متن کی صورت میں نسخۂ شیرانی کے مطابق کیا گیا۔ پہلے کی نسبت کلام کی تاریخی ترتیب بھی زیادہ جامع نظر آتی ہے اور زیادہ سے زیادہ تخلیقات کے زمانی تعین کی کوشش کی گئی ہے۔مولانا عرشی نے طبع ثانی کے املا اور زبان و بیان پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ اختصار و جامعیت اور حزم و احتیاط نیز اپنی تحقیق کا درست اور آسان ابلاغ بھی پہلے کی نسبت حد درجہ بہتر ہے۔غرض یہ کہ نسخۂ عرشی طبع ثانی،طبع اوّل کی نسبت جامع الصفات مجموعہ بن گیا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی اہمیت و افادیت اور اس کے فیضِ عام کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی اشاعت (۱۹۵۸ء) کے بعد، غالب کے اُردو کلام کے سلسلے کی کوئی تحقیقی کتاب یا مضمون ایسا نہ ملے گا جس میں نسخۂ عرشی کا حوالہ نہ آیا ہو یا اس کو بطور سند پیش نہ کیا گیا ہو، بلکہ اس کے

ذریعے سے متعدد کتابیں بھی وجود میں آئیں۔نسخۂ عرشی کے متن کو بنیاد بنا کر یا اس کے حواشی سے روشنی حاصل کر کے، بعض مستقل اور مکمل کتب، بعض کتب کے کچھ اجزا اور بعض اہم مقالات لکھے گئے۔نسخۂ عرشی سے اس نوعیت کا استفادہ کرنے والوں سے میں کسی نے کھلے دل سے اعتراف کیا تو کسی نے دبے لفظوں میں یہ اقرار اور اظہار کیا۔بعض بغیر اعتراف اور اقرار کے، خوشہ چینی کی مثالیں بھی مل جائیں گی۔ ایسی مثالوں کے داخلی شواہد ،نسخۂ عرشی سے استفادے کی خود بخود، شہادت دیتے اور تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں نسخۂ عرشی طبع اوّل (اور کچھ طبع ثانی) کے اس نوعیت کے اثرات اور ثمرات کی کچھ مثالیں زمانی ترتیب سے پیشِ خدمت کی جاتی ہیں۔

مظفر علی سیّد اور حنیف رامے کا مرتّبہ دیوانِ غالب (مصور) ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں حنیف رامے کی ، غالب کے اشعار پر بنائی گئی اکیس تصویریں شامل ہیں جو آرٹ کا عمدہ نمونہ ہیں۔ اس دیوان کے متن کے تین حِصّے ہیں، پہلے حِصّے میں متداول اور مروج دیوان ہے، پھر ''رنگِ بیدل'' کے عنوان سے وہ کلام ہے جو ۱۸۳۳ء کے انتخاب سے غالب نے خارج کر دیا اور اب نسخۂ عرشی کے حِصّہ اوّل ''گنجینۂ معنی'' میں موجود ہے۔ اس کے بعد ''حرفِ آخر'' کے عنوان سے غالب کے متفرق اور منتشر کلام (جو نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''یادگارِ نالہ'' میں آیا ہے) کا انتخاب ہے۔ شروع میں ''حرفِ اوّل'' کے عنوان کے تحت ،مظفر علی سیّد لکھتے ہیں:

> ''زیرِ نظر کتاب میں متن کی صحت کے لیے محترم امتیاز علی صاحب عرشی رام پوری کے مرتّبہ دیوانِ غالب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔''۸؎

نادم سیتا پوری نے غالب کے کلام میں الحاقی عناصر کے عنوان سے کتاب ترتیب دی جو ادارۂ فروغِ اُردو ،لکھنؤ سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ ۹؎ اس میں ''الحاق و انتساب''، ''غلطیہائے مضامین''، ''پر نہ خدا کرے کہ یوں-؟'' (آسی کی غزلیں)، ''بھوپال والی غزل'' اور ''تحریفِ وتصرّف'' جیسے ابواب میں غالب سے منسوب یا سرقہ وتوارد کی مثالوں کی نشاندہی کی ہے۔ چونکہ آسی والی غزلیں، نسخۂ عرشی طبع اوّل میں شامل تھیں اور اس کے علاوہ بھی کچھ کلام تھا جن کو درج کرتے ہوئے، مولانا عرشی نے دیباچے میں، ان کے بارے میں شبہے کا اظہار کر دیا تھا۔ نادم سیتاپوری نے غالباً، نسخۂ عرشی میں ایسے کلام کے

شمول سے تحریک حاصل کی اور کچھ مزید ایسی مثالیں جمع کر کے، کتاب مرتب کی۔ اس کتاب کا بڑا حِصّہ ،نسخۂ عرشی سے استفادے پر مبنی ہے۔ گویا نادم سیتا پوری کو نسخۂ عرشی ہی کے طفیل یہ موضوع سوجھا اور اسی سے تحریک حاصل کر کے انھوں نے کتاب مرتب کی۔ مولانا عرشی اور نسخۂ عرشی سے استفادے کا اعتراف کرتے ہوئے وہ ''حرفِ چند'' کے تحت لکھتے ہیں:

> ''غالب کے کلام میں الحاقی عناصر کی بحث بالکل نیا موضوع ہے جس پر پہلی بار تحقیقی نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے .... اپنے نہایت ہی قابلِ احترام دوست حضرت مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری کا میں سب سے زیادہ سپاس گزار ہوں جنھوں نے اپنے عالمانہ اور مخلصانہ مشوروں سے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی اور بعض ایسی ضروری کتابیں بھی مجھے استفادے کے لیے مرحمت فرمائیں جن کے بغیر اس کام کا پایۂ تکمیل تک پہونچنا دشوار تھا۔ خصوصاً حضرت مولانا نے مجھے اپنا وہ خاص نسخہ دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) بھی بھیج دیا جو نئے ایڈیشن کے لیے زیر تصحیح ہے اور اس پر مولانا اپنے قلم سے جا بجا ترمیم و تنسیخ فرما رہے ہیں''۔ ۱۰؎

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے ''غالب: دو زبان شاعر'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا، جس میں غالب کے اُردو اور فارسی کے متحد المضمون اشعار کے موازنے سے غالب کے اُردو اشعار کے مضامین اور ندرت بیان کو فارسی پر فوقیت دی۔ ان کا یہ مضمون پہلی بار نذرِ عرشی (مرتبین: مالک رام و مختار الدین احمد) میں شامل اور شائع ہوا۔ نذرِ عرشی، مولانا عرشی کی اکسٹھویں سال گرہ کے موقع پر، مجلسِ نذرِ عرشی، نئی دہلی کی طرف سے پہلی بار ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں شامل، ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے اس مضمون کے بارے میں، ڈاکٹر اسلم پرویز نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''شرح غالب'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> '' 'شرح غالب' سے تنقیدی سطح پر تحریک حاصل کرنے والوں میں شاید سب سے پہلا نام ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا ہے۔ ''نذرِ عرشی' .... میں ، غالب ...... دو زبان شاعر ' کے عنوان سے ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا جو مضمون شامل ہے اس میں غالب کی فارسی دانی سے متعلق دل چسپ انکشافات

ہیں............ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے ''شرح غالب'' کے مطالعے کی روشنی
میں فارسی دانی سے متعلق غالب کی اسی سائیکی (پَرسٹیج سمبل) کو بروے
کار لانے کی کوشش کی ہے''۔۱۱؎

چونکہ نسخۂ عرشی (طبع اوّل) کے حِصّہ ''شرح غالب'' کے تحت غالب کے، اُردو و فارسی کے متحد المضمون اشعار درج کیے گئے ہیں اس لیے ڈاکٹر اسلم پرویز کے اس بیان کے مطابق بجا طور پر، ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے ''شرح غالب'' ہی سے تحریک حاصل کر کے یہ مضمون تحریر کیا۔

نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''شرح غالب'' کا ایک دوسرا فیض، ڈاکٹر اسلم پرویز کے نزدیک، پرتھوی چندر کی تالیف مرقعِ غالب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کی تکمیل کے آٹھ سال بعد
۱۹۶۶ء میں پرتھوی چند (چندر) نے مُرقعِ غالب، شائع کی تھی۔ مرقعِ
غالب کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تحریک (ان) کو شاید نسخۂ
عرشی کے اسی مضمون سے ہوئی جس کا عنوان ''شرح غالب'' ہے۔''۱۲؎

مولانا غلام رسول مہر نے عکسی دیوانِ غالب مکمل کے نام سے دیوان مرتب کر کے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا۔ عمدہ کاغذ اور خوبصورت کتابت کے اس مجلد ایڈیشن کے عنوان کے الفاظ میں ''عکسی'' اور ''مکمل'' اپنی صداقت ظاہر نہیں کرتے۔ اس میں متداول دیوان کے بعد تین ضمائم ہیں۔ پہلے ضمیمے میں زیادہ تر وہ غزلیں، قصیدے، قطعات اور دیگر متفرق اشعار ہیں جو متداول دیوان میں شامل نہ ہوئے۔ آسی کی کچھ غزلیں بھی اسی پہلے ضمیمے میں شامل ہیں۔ دوسرے ضمیمے میں انتخاب نسخۂ حمیدیہ ہے اور تیسرے میں ''قادر نامہ اور (منظوم) اشتہار: پنج آہنگ'' ہے۔ مولانا مہر نے کہیں کہیں حواشی اور اختلاف بھی درج کیے ہیں اور کچھ کلام پر تاریخیں بھی درج ہیں۔

اس دیوان کے مقدمے کی عبارت کے مطابق، مرتب ''مدّت سے غالب کے دیوان کا ایک ایسا ایڈیشن مرتب کر دینے (کے) آرزومند (تھے) جو مختلف خصوصیات کا جامع ہو'' (ص: ۱۵)۔ مرتب نے اُس مدّت کا تعین کیا نہ اس کی اشاعت میں دیر ہونے کا سبب بیان کیا، کیونکہ ۱۹۶۷ء سے آٹھ نو برس پہلے، نسخۂ عرشی، شائع ہو چکا تھا۔ البتہ انھوں نی نسخۂ

عرشی سے استفادے کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''میں نے دیوان مرتّب کر کے مطبع کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد فاضل جلیل ومحبِ محترم مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی کا مرتّبہ دیوان شائع ہو گیا، جس کا دائرہ میرے مجوزہ دیوان کے دائرے سے زیادہ وسیع ہے اور اسے دیوانِ غالب کے بجائے کلیّاتِ غالب قرار دینا چاہیے، اس لیے کہ اس میں ''نسخۂ حمیدیہ'' سے آخر تک وہ سب کچھ جمع کر دیا گیا، جس نے اردو میں غالب کے نام سے انتساب پایا۔ پھر تاریخوں کا بھی اہتمام ہے اور اوقاف وصحت کا بھی۔ میں نے اپنے مرتّبہ دیوان کی کتابت روک کر اس نسخۂ بہیہّ سے بھی بقدرِ صلاحیت استفادہ کیا۔''[۱۳۰]

اکبر رضا جمشید نے نے ناشنیدۂ غالب کے نام سے 'غالب کے غیر متداول اشعار کو مرتب کر کے' پٹنہ سے جنوری ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر سیّد مُعین الرّحمن اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''نے ناشنیدۂ غالب ان اشعار کا مجموعہ ہے جو غالب کے متداول دیوان میں جگہ نہیں پا سکے۔ اکبر رضا جمشید (ایڈوکیٹ، پٹنہ ہائی کورٹ) کے مرتّبہ اس غیر متداول کلام کے مآخذ تین ہیں:
> (۱) نسخۂ حمیدیہ (۲)[۱۳۱] بیاضِ آسی اور (۳) دیوانِ غالب نسخۂ عرشی:''

مسلم ضیائی نے مارچ ۱۹۶۹ء میں غالب کا منسوخ دیوان کے عنوان سے قلم زد کلام کو جمع کر کے شائع کروایا۔ انھوں نے اس قلم زد کلام کا قدیم ترین متن پیش کیا ہے اور بعد کی اصلاحوں کو اختلاف کے طور پر حاشیے میں درج کیا ہے۔ مثلاً نسخۂ بھوپال (بحوالہ نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ عرشی) کے متن کو نسخۂ شیرانی کے متن پر ترجیح دیتے ہوئے منسوخ دیوان میں نسخۂ بھوپال کو متن میں جگہ دی اور اس کی اصلاحوں نیز نسخۂ شیرانی کے ترقی یافتہ متن کو اختلاف میں درج کیا ہے۔ نسخۂ

بھوپال یا نسخۂ شیرانی کے علاوہ بھی جو قلم زد کلام ہے، اس کے متن کی بھی قدیم اور ابتدائی صورت کو منسوخ دیوان کے متن کے طور پر رکھا ہے۔ اس نوعیت کا کام نسخۂ عرشی سے استفادے کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ مسلم ضیائی چار صفحات کے مختصر ترین ''مقدمے'' میں نسخۂ عرشی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دیوانِ غالب کے مرتّبہ ایڈیشنوں میں:

> ''جامع ترین وہ نسخہ ہے جو عرشی صاحب نے ۱۹۵۸ء میں بڑی کاوش اور جستجو سے پراگندہ اشعار کو یک جا کر کے شائع کیا تھا۔ گویا یہ آخری مجموعہ ہے جس میں غالب کا متداول اور منتشر کلام یک جا ہو گیا ہے۔
> عرشی صاحب کا نسخہ یقیناً بڑی افادیت کا حامل ہے لیکن انھوں نے اصل اور قدیم کے بجائے گنجِ معانی (''گنجینۂ معنی'') کے متن میں اشعار کی عموماً وہ ترمیم شدہ شکل درج کی ہے جو نسخۂ شیرانی میں ہے۔ علاوہ ازیں اسے متن سے بہت دور اختلافِ نسخ کے تحت درج کیا ہے۔'' ۱۵؎

مسلم ضیائی کے اس اقتباس کا آخری بیان، مبہم اور غیر واضح بلکہ متضاد ہے۔ انھوں نے بیک وقت دو مختلف باتیں کی ہیں جو بجائے خود ایک دوسرے کی تردید کرتی نظر آتی ہیں۔ مثلاً:

(۱) مولانا عرشی نے اصل اور قدیم کے بجائے ''گنجینۂ معنی'' کے متن میں اشعار کی عموماً وہ ترمیم شدہ شکل درج کی ہے جو نسخۂ شیرانی کے متن میں ہے۔ مطلب یہ کہ نسخۂ عرشی (طبع اوّل) کے ''گنجینے'' کا بنیادی متن عموماً نسخۂ شیرانی ہے۔

(۲) اس کے علاوہ اسے (نسخۂ شیرانی کو) متن سے بہت دور اختلافِ نسخ کے تحت درج کیا ہے۔

یہ ناممکن اور خلافِ واقعہ بات ہے کہ بیک وقت، نسخۂ عرشی کے متن میں بھی اور اختلافِ نسخ میں بھی، نسخۂ شیرانی کے متن کو رکھا ہو (یا رکھا جا سکے)۔ نسخۂ عرشی (طبع اوّل، جو اُن کے سامنے ہے) کے ''گنجینۂ معنی'' میں نسخۂ بھوپال کا قدیم متن ہی ہے جسے مسلم ضیائی نے بھی اپنے مرتبہ ایڈیشن میں متن کے طور پر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ

نسخۂ شیرانی کے متن کو مولانا عرشی نے ''اختلافِ نسخ'' کے تحت رکھا ہے اور یہی مسلم ضیائی نے بھی کیا ہے۔

نسخۂ بھوپال کا تو انھوں نے خود ذکر کیا ہے کہ اس کے متن کو منسوخ دیوان میں نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ عرشی کے توسط سے درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، قلم زد کلام کی شمولیت کو ''منسوخ دیوان'' کے داخلی شواہد ثابت کرتے ہیں کہ اسّی فیصد، نسخۂ عرشی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ عابد رضا بیدار اس ایڈیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی:

''اساس .... نسخۂ عرشی ہی سمجھنا چاہیے، اگرچہ ادھر اُدھر سے بھی متفرق چیزیں جمع کی ہیں''۔[۱۶]

۱۹۷۰ء میں، شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی دہلی نے اشاریۂ کلامِ غالب (غالب کے کلام میں فارسی ترکیبیں) شائع کی جس کے مرتبّین میں، فرحت فاطمہ، محمد یعقوب اور رشید حسن خاں کے نام شامل ہیں۔ اس کتاب کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّے میں غالب کے اُردو کلام میں آنے والی فارسی تراکیب ہیں اور دوسرے حصّے میں فارسی کلام میں آنے والی۔ اس کے حِصّہ اُردو کے لیے نسخۂ عرشی کے متن کو بنیاد بنایا گیا۔ اس کے آغاز میں لکھا ہے:

''........... اس اشاریے (کے) پہلے حصّے میں وہ ترکیبیں ہیں جو اُن (غالب) کے اُردو کلام میں پائی جاتی ہیں .... اُردو میں دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کو بنیاد بنایا گیا ہے''۔[۱۷]

نسخۂ عرشی (طبع اوّل) سے تحریک حاصل کر کے، ڈاکٹر گیان چند نے تفسیر غالب کے نام سے، ''غالب کے غیر متداول کلام کی شرح''، لکھی جو ۱۹۷۱ء میں کتابی صورت میں، سری نگر سے شائع ہوئی۔ یہ پوری کتاب نسخۂ عرشی ہی کا فیض ہے۔ اس کی فہرست ابواب ملاحظہ ہو:

(۱) گنجینۂ معنی (نسخۂ عرشی) کے قصائد، (۲) گنجینۂ معنی (نسخۂ عرشی) کی غزلیات (۳) گنجینۂ معنی (نسخۂ عرشی) کی رباعیات (۴) یادگارِ نالہ (نسخۂ عرشی) کے منتخب اشعار (۵) غالب کے خود نوشت دیوان کے نئے اشعار (۶) ضمیمۂ نسخۂ عرشی کے چند اشعار نسخۂ عرشی سے اس نسبت اور فیض کے

اعتراف کے لیے گیان چند نے تفسیرِ غالب کا انتساب بھی مولانا عرشی کے نام کیا ہے۔ انتساب کی عبارت یہ ہے:

''کلامِ غالب کے سب سے بڑے ماہر اور اُردو کے مُستند محقق، مولانا امتیاز علی خان عرشؔی کے نام، جو حالی کی طرح منکسر المزاج، شریف اور مرنجاں مرنج انسان ہیں، جن کی نسخۂ عرشی پر یہ شرح مبنی ہے۔''

ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے غالب کے مکمل متداول دیوان کی غزلیں اور نسخۂ حمیدیہ کے انتخاب پر مشتمل کچھ غزلوں کا انگریزی ترجمہ کیا جو اُردو غزلیات مع (انتخاب نسخۂ حمیدیہ، بھوپال ایڈیشن) کے نام سے، نئی دہلی سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں ایک صفحے کے تعارف کے تحت لکھتے ہیں:

''غالب کی اُردو غزلوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مشکل کام تھا بحمد اللہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ غزلوں کی ترتیب نسخۂ عرشی نقشِ ثانی کے مطابق ہے۔''[۱۸]

اس ترجمہ شدہ ایڈیشن کی غزلوں کی ترتیب ہی، نسخۂ عرشی کے مطابق نہیں بلکہ متداول دیوان کی تمام غزلیں، نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''نوائے سروش'' سے لی گئی ہیں۔ ان کا املا، متن، تعداد اور ترتیب، نسخۂ عرشی کے مطابق ہے۔ کتاب پر سال اشاعت درج نہیں لیکن ایک صفحے کے ''تعارف'' کے آخر میں ۱۶- مارچ ۱۹۷۷ء کی تاریخ درج ہے[۱۹]۔ اس کتاب میں ایک طرف اُردو غزلیات اور دوسری طرف ان کا انگریزی ترجمہ ہے۔ نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''نوائے سروش'' کی غزلیں صفحہ ۳ سے ۹۲ تک ہیں اور دوسری طرف سے ان کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۲۵ سے ۲۶۷ تک ہے۔ گویا نسخۂ عرشی کے حِصّہ ''نوائے سروش'' کے متن کا ایک انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی نے، فروری ۱۹۸۶ء میں دیوانِ غالب کا ایک ایڈیشن شائع کیا۔ ادارے کے سیکرٹری، محمد شفیع قریشی نے اس کا تعارف لکھا۔ متداول دیوان کے ساتھ آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ جو غالب کے غیر متداول کلام کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس ایڈیشن میں غیر متداول حِصّہ کلام کا انتخاب نسخۂ عرشی پر مبنی ہے۔ نیز متن کی تصحیح کے لیے بھی نسخۂ عرشی سے استفادہ کیا ہے۔ اس ایڈیشن کے شروع میں تعارف کے تحت لکھا ہے:

''غالب انسٹی ٹیوٹ کی اِس اشاعت میں (کتابت کی کچھ غلطیوں کی تصحیح) نسخۂ عرشی کی مدد سے کی گئی ہے''۔

کالی داس گپتا رضا نے ۱۹۸۸ء میں دیوانِ غالب (کامل) مرتّب کر کے بمبئی سے شائع کیا، جس میں غالب کا کل اُردو کلام تاریخی ترتیب سے درج کیا گیا ہے۔ نسخۂ عرشی کی بعض کمزوریوں کو پورا کرنا ہی نسخۂ رضا کی ترتیب کا محرک بنا اور ترتیب و تدوین کے اس معیار اور استناد کو گپتا رضا نے سامنے رکھا جس پر نسخۂ عرشی کی ترتیب عمل میں آئی تھی۔ گپتا رضا نے اپنے مرتّبہ ایڈیشن میں متعدد جگہ ،نسخۂ عرشی سے استفادے کے اعترافات کیے ہیں۔ نسخۂ رضا کا ذرا تفصیلی ذکر آگے چل کر آ رہا ہے۔

شمس الرحمن فاروقی نے تفہیم غالب کے نام سے ''قدیم و جدید شعریات کی روشنی میں غالب کے ۱۳۸ منتخب اشعار کی شرح'' لکھی جو ، ۱۹۸۹ء میں، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی نے شائع کی۔ فاروقی صاحب نے تفہیم غالب کا یہ سلسلہ ۱۹۶۸ء سے رسالہ، شب خون میں لکھنا شروع کیا تھا جو کتابی صورت میں ۱۹۸۹ء میں سامنے آیا۔ ۳۷۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں غالب کے ۱۳۸ منتخب اشعار کی تفصیلی شرح شامل ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے اس شرح کے لیے دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے متن کو منتخب کیا۔ وہ دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''اشعار کا متن عام طور پر نسخۂ عرشی (اشاعت اوّل ۱۹۵۸ء، اشاعتِ دوم: ۱۹۸۲ء) کے مطابق ہے۔ شرح کے لیے اشعار بھی کم و بیش اسی ترتیب سے اٹھائے گئے تھے، جس ترتیب سے مولانا عرشی مرحوم نے درج کیے تھے۔ کتابی شکل میں جمع کرتے وقت میں نے اشعار کی ترتیب متداول دیوان کے مطابق کر دی ہے۔''۲۱؎

ساہتیہ اکادمی، دہلی کی طرف سے شمس الرحمن فاروقی نے انتخاب اردو کلیاتِ غالب مرتب کر کے شائع کیا۔ اس پر سالِ اشاعت ۱۹۹۳ء درج ہے۔
اس میں فہرست مندرجات شامل نہیں لیکن متن کو چار حِصّوں میں تقسیم کر کے ہر حِصّے کا عنوان نسخۂ عرشی کے مطابق اس طرح درج ہے:

''حِصّہ اوّل: نوائے سروش، متداول کلام ص: ۲۷ - ۹۹، حِصّہ دوُم: گنجینۂ معنی، غیر

متداول کلام،ص:۱۰۱-۱۱۶

حِصّہ سوّم: یاد آورد، نو دریافت کلام،ص: ۱۱۷-۱۲۰ حِصّہ چہارم: یادگار نالہ، غیر مجموعہ کلام،ص: ۱۲۱-۱۲۷''

شمس الرحمن فاروقی نے،انتخاب اُردو کلیات غالب میں نسخۂ عرشی کے کلام کے چاروں حِصّوں کے عنوان ہی مستعار نہیں لیے، اس کا متن بھی نسخۂ عرشی کے مطابق ہے شمس الرحمن فاروقی نسخۂ عرشی کے متن کو معتبر سمجھتے ہیں اور اس سے پہلے تفہیم غالب میں بھی انھوں نے متن کی بنیاد نسخۂ عرشی پر رکھی ہے۔ انتخاب اُردو کلیات غالب کے عنوانات، ترتیب، متن اور املا وغیرہ نسخۂ عرشی ہی کے مطابق ہیں۔ گویا ایک طرح سے یہ ایڈیشن نسخۂ عرشی کے چاروں حِصّوں کا انتخاب ہے۔ شمس الرحمن فاروقی دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''اشعار کا متن مولانا امتیاز علی عرشی کے مرتب کردہ کلیات (نسخۂ عرشی) ...... پر مبنی ہے ...... نوائے سروش میں غزلوں کی ترتیب متداول دیوان کے مطابق ہے (بعض اشعار کی ترتیب میں متداول دیوان کی جگہ نسخۂ عرشی کو اختیار کیا گیا ہے) بقیہ تمام کلام کی ترتیب نسخۂ عرشی کے مطابق ہے .... (اصناف کی ترتیب میں بھی) میں نی نسخۂ عرشی اور غالب کی اصل ترتیب کا لحاظ (رکھا ہے)..........''[۲۲]

نسخۂ عرشی کے اثرات اور ثمرات کی یہ وہ مثالیں ہیں جن میں کسی نہ کسی حوالے سے تعین ہو سکا کہ ان میں نسخۂ عرشی سے استفادہ کیا گیا ہے یا اس کے متن کو دوسرے ایڈیشنوں کی نسبت معتبر سمجھا گیا ہے۔ ان کے علاوہ متعدد دیوانِ غالب یا انتخابِ غالب کے ایڈیشن چھپے ہوئے مل جاتے ہیں جن کے دیباچے یا پیش لفظ وغیرہ میں، نسخۂ عرشی سے استفادے کا اعتراف نہیں کیا گیا لیکن اُن کے متون کا نسخۂ عرشی سے موازنہ کر کے، اس کے ثمرات کی اور مثالیں بھی ڈھونڈی جا سکتی ہیں۔

نسخۂ عرشی سے استفادے کی ان مثالوں میں سے بہت کم ایسی ہیں، جن میں نسخۂ عرشی کے کچھ محلِ نظر مقامات کی نشاندہی کی ہو اور دوسرے شواہد کے ساتھ یا اپنی فہم وفراست کے ذریعے سے اس کے متن سے اختلاف کیا ہو۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ صرف دو ہی نام لیے جا سکتے ہیں جنھوں نے اپنی کتب میں نسخۂ عرشی سے کسی قدر اختلاف بھی کیا ہے: ڈاکٹر گیان نے اپنی کتاب تفسیرِ غالب میں اور گپتا رضا نے اپنے مرتبہ دیوانِ غالب (کامل) میں۔ ان کے علاوہ زیادہ تر لوگوں نی نسخۂ عرشی کے متن کو من وعن قبول کر لیا ہے۔

اردو غزلیاتِ غالب (ڈاکٹر یوسف حسین خاں)، نسخۂ رضا (گپتا رضا) ،انتخاب اردو کلیاتِ غالب اور تفہیم غالب (شمس الرحمن فاروقی) کے علاوہ مندرجہ بالا تمام کتب میں نسخۂ عرشی کے پہلے ایڈیشن سے استفادہ کیا گیا اور اُسی کے متن کو بنیاد بنایا ہے۔ ان میں متن، املا، تاریخی ترتیب اور اختلاف نسخ وغیرہ میں نسخۂ عرشی طبع اوّل پر مکمل بھروسا کرنا اس وقت بھی خلافِ احتیاط تھا کیونکہ اس میں محلِ نظر مقامات بہت زیادہ ہیں اور اب جبکہ نسخۂ عرشی کا ترمیم واضافہ شدہ دوسرا ایڈیشن سامنے آ چکا ہے، تو طبع اوّل پر بھروسا کر کے لکھی جانی والی یا مرتب کی جانے والی ان کتب کی حیثیت اور بھی نا قابلِ اعتبار ہو جاتی ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل پر بھروسا کر کے ترتیب دی جانے والی مذکورہ بالا کتب میں سے غالب کے کلام میں الحاقی عناصر (نادم سیتا پوری) کے علاوہ کسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا جس میں نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن کو بنیاد بنایا گیا ہو اور نادم سیتاپوری کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی نسخۂ عرشی کی دوسری اشاعت سے پہلے چھپ چکا تھا۔ لہٰذا نسخۂ عرشی طبع ثانی میں ہونے والے متعدد اہم ترمیم واضافات کے پیشِ نظر اس کے پہلے ایڈیشن کی بس تاریخی اہمیت باقی رہ جاتی ہے اور اس کی بنیاد پر غالبیات میں اضافہ ہونے والی کتب، نظرِ ثانی کی محتاج ہیں۔

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے بعد تحقیقی اہمیت کا حامل، گپتا رضا کا مرتّبہ، دیوانِ غالب کامل (نسخۂ رضا) ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں، دوسرا ۱۹۹۰ء اور تیسرا ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ [۲۳] نسخۂ رضا کا تیسرا ایڈیشن، اُن کی زندگی کا آخری ترمیم و

اضافہ شدہ ایڈیشن ہے جس کے بارے میں اُنہوں نے لکھ دیا ہے کہ:

''دیوانِ غالب کامل، تاریخی ترتیب سے، نسخۂ رضا کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے۔ اگرچہ دوسرے ایڈیشن میں بھی ردّو بدل کیا گیا تھا مگر وہ کچھ ایسا نمایاں نہ تھا۔ یہ ایڈیشن (تیسرا، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے) پہلے دونوں ایڈیشنوں سے کافی مختلف ہے۔ اس لیے اب یہ محض دیوانِ غالب کامل (نسخۂ رضا) کا تیسرا ایڈیشن ہی نہیں بلکہ ایک طرح سے جدید ایڈیشن ہے۔'' (نسخۂ رضا، ص:۹)

نسخۂ رضا کے بنیادی مآخذ میں نسخۂ عرشی کی نسبت کچھ اضافہ نہیں ہوا بلکہ انھوں نے دیانت داری سے اعتراف کیا ہے کہ نسخۂ عرشی میں آنے والے مآخذ میں سے آٹھ اُن کے پیشِ نظر نہیں رہے اور ان کے سلسلے میں انھوں نی نسخۂ عرشی پر بھروسا کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''ان میں سے مندرجہ ذیل ۸ مآخذ میں نے نہیں دیکھے۔ اس لیے ان کے لیے کُلّی طور پر دیوانِ غالب مرتبہ عرشی (اشاعت دوم) سے استفادہ کیا گیا ہے............''۔ (نسخۂ رضا، ص:۳۰)

نسخۂ رضا کے پہلے ایڈیشن میں مرتّب نے اختلافِ نسخ کے سلسلے میں مکمل طور پر نسخۂ عرشی پر بھروسا کیا تھا (نسخۂ رضا طبع اوّل، ص:۲۴) اور کسی نسخے کا ایک بھی اختلاف نہیں دیا تھا۔ اس تیسرے اور آخری ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن میں انھوں نے صرف بیاضِ غالب بحظِ غالب (۱۸۱۶ء) کے اختلافات کو اس لیے شامل کر لیا ہے کہ یہ نسخۂ عرشی کے متن میں نہیں آ سکے بلکہ آخر میں ''استدارک'' کے تحت آئے ہیں۔ اس ایک نسخے کے علاوہ باقی تمام نسخوں میں سے کسی کا اختلاف درج نہ کر کے یہ لکھا ہے کہ:

''ق (۱۸۲۱ء: نسخۂ بھوپال) اور اس کے بعد کے کلام سے متعلق اختلافِ نسخ (کو) کہیں واضح نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ کام نسخۂ عرشی میں احسن طریقے سے انجام دیا گیا ہے۔''

(نسخۂ رضا، ص:۳۱)

اس مقالے کے پچھلے دو ابواب میں، نسخۂ عرشی کے جو محذوف اور غلط اختلاف نسخ

درج کیے ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر، نسخۂ عرشی پر اس طرح بھروسا کر لینا احتیاط کے منافی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نسخۂ رضا میں، نسخۂ عرشی کی نسبت، حواشی برائے نام ہیں، اُن میں سے بھی بعض کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ: ''ان حاشیوں میں اگر کوئی عبارت واوین میں بغیر حوالے کے ہے تو اُسے دیوانِ غالب نسخۂ عرشی سے ماخوذ سمجھا جائے'' (نسخۂ رضا، ص: ۳۱) لہٰذا حواشی کے سلسلے میں بھی نسخۂ عرشی ہی سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

غرض یہ کہ نسخۂ رضا کی، نسخۂ عرشی سے مختلف اور اس پر اضافہ، صرف ایک خوبی ہے کہ اس میں کلام کو تاریخی ترتیب سے درج کر دیا گیا ہے۔ یعنی زمانی ترتیب کے مطابق ہر صفحے پر تاریخ و سال یا صرف سال درج کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ نسخۂ عرشی کی نسبت اس میں کوئی بڑی تبدیلی یا اضافہ نہیں ہے۔ مرتب نے بطورِ خاص صرف تاریخی ترتیب پر توجہ دی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

> ''ان (گپتا رضا) کی توجہ محض ایک پہلو، تاریخی ترتیب پر مرکوز رہی ہے''۔ (رموزِ غالب، ص: ۴۰۹)

نسخۂ رضا میں کلام غالب کے تاریخی تعیّن میں بھی چند ایک مقامات کے علاوہ، نسخۂ عرشی ہی کی روایتوں کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ گپتا رضا نے مقدمے میں پانچ چھوٹی بڑی غزلوں کے زمانۂ فکر کا تعین کیا ہے جو نسخۂ عرشی میں نہ ہو سکا تھا۔ ان کے بارے میں بھی وہ لکھتے ہیں:

> ''جناب امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے دیوانِ غالب کچھ اس طرح مدوّن کیا ہے کہ اب اس کے مطالعے سے غالب کے کلام کا عہدِ تخلیق بھی، مآخذوں کی مُفصّل نشاندہی کے سبب سے، ایک حد تک متعین کیا جا سکتا ہے تاہم بعض اشعار ایسے ہیں جن کا عہد معلوم نہیں ہو سکا میں نے ذیل میں ایسے ہی اشعار کا زمانۂ فکر متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ روایتیں بیشتر وہی ہیں جو نسخۂ عرشی میں بیان ہوئی ہیں''۔
>
> (نسخۂ رضا، ص: ۶۵)

ڈاکٹر گیان چند نے نسخۂ عرشی سے استفادے کی ان تفصیلات اور گپتا رضا کے اعترافات کو نظر انداز کرتے ہوئے، نسخۂ رضا کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''ان (گپتا رضا) کی تدوین، نسخۂ عرشی کا بدل نہیں بلکہ اس کا تکملہ ہے''۔(رموزِ غالب، ص: ۴۰۸)

ڈاکٹر گیان چند کا یہ بیان خلافِ واقعہ ہے اور صرف نسخۂ رضا کو سامنے رکھ کر دیا گیا معلوم ہوتا ہے۔ نسخۂ رضا کے پہلے یا تیسرے اور آخری ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن کا جب، نسخۂ عرشی سے موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ نسخۂ رضا، نسخۂ عرشی کا تکملہ تو کیا اس کا بدل بھی نہیں ہے۔ گپتا رضا نے جہاں جہاں نسخۂ عرشی کی نسبت، معلومات میں کچھ اضافہ کیا یا اس کے بعض حوالوں کی تصحیح کی وہ قابلِ قدر ہے لیکن ایسے مقامات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ پھر یہ کہ نسخۂ عرشی کے جن پہلوؤں کو من وعن قبول کر لیا ہے ان میں سے، نسخۂ عرشی کے محلِ نظر مقامات، نسخۂ رضا میں بھی جوں کے توں رہ گئے ہیں۔

دیوانِ غالب نسخۂ عرشی طبع ثانی اپنے متن کے سالِ طباعت (اواخر ۱۹۶۹ء) تک تو غالب پر ہونے والی اہم تحقیقات کا مکمل طور پر احاطہ کرتا ہے لیکن ۱۹۶۹ء کے بعد کے حوالے اس میں موجود نہیں۔ اس کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت تو ۱۹۸۲ء میں عمل میں آئی لیکن متن کی طباعت ۱۹۶۹ء تک مکمل ہو چکی تھی (اس بات کے شواہد، تیسرے باب میں بیان کیے جا چکے ہیں) بیاضِ غالب بخطِ غالب (۱۸۱۶ء) مئی ۱۹۶۹ء میں، مولانا عرشی کے پاس پہنچی، اور اس وقت تک ''گنجینے'' کی طباعت مکمل ہو چکی تھی جس وجہ سے اس کے اختلافِ نسخ اور کچھ دیگر مباحث وغیرہ کے اندراج کے لیے ''استدراک'' مرتب کرنا پڑا۔ متن میں اس کے اختلاف لیے جا سکے نہ اس کا غیر مطبوعہ کلام ''گنجینے'' کا حِصّہ بنا۔ اسی طرح پروفیسر حمید احمد خاں نے نسخۂ حمیدیہ مرتب کر کے، مئی ۱۹۶۹ء میں لاہور سے شائع کیا۔ نسخۂ عرشی کے ''استدراک'' میں اس کے کچھ حوالے آئے لیکن مکمل طور پر اس سے استفادہ ممکن نہ ہو سکا تھا۔ بیاض غالب اور نسخۂ حمیدیہ (دوّم) سے مکمل طور پر استفادہ نہ کر سکنے کا احساس مولانا عرشی کو بھی تھا۔ اس لیے انھیں مقدمے میں لکھنا پڑا کہ:

''نسخۂ حمیدیہ (۱۹۲۱ء) سے مخطوطۂ بھوپال کی غزلیات کی صحیح

ترتیب معلوم نہیں ہوتی۔ پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے پہلی بار ۱۹۶۹ء میں اس نسخے کا کلام اصل ترتیب کے ساتھ شائع کیا ہے۔ نسخۂ عرشی زادہ (بیاضِ غالب) سے ترتیبِ کلام کے بارے میں اور بھی قدیم معلومات سامنے آئی ہیں۔ اس کے باعث نسخۂ بھوپال تک کا کلام از سرِ نو ترتیب کا متقاضی ہے۔ یہ کام انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں کیا جائے گا۔'' (مقدمہ، ص: ۷۷)

نسخۂ عرشی کا آئندہ ایڈیشن (تیسرا) مولانا تیار نہ کر سکے البتہ یہ ان کے بعد شائع تو ہوا لیکن اس میں کسی طرح کا ترمیم و اضافہ نہ ہو سکا۔ یہ مکمل طور پر دوسرے ایڈیشن کی عکسی اشاعت ہے۔

غرض یہ کہ نسخۂ عرشی میں غالب کے اُردو کلام کے حوالے سے اواخر ۱۹۶۹ء کے بعد کی تحقیقات کا کوئی حوالہ نہیں آ سکا۔ اس کے بعد متعدد ایسی تحقیقات سامنے آ چکی ہیں جن کے پیشِ نظر، نسخۂ عرشی طبع ثانی کے متن میں بہت سے ترمیم و اضافہ کی بہت گنجائش نکل آتی ہے۔ ذیل میں، نسخۂ عرشی کے صرف متن سے متعلقہ چند کتب کو درج کیا جاتا ہے:

☆ بیاضِ غالب بخطِ غالب (۱۸۱۶ء) مرتبہ؛ نثار احمد فاروقی، مشمولہ: نقوش، غالب نمبر (حِصّہ دوّم)، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۹ء

☆ گلِ رعنا، مرتبہ؛ سیّد وزیر الحسن عابدی، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، لاہور، دسمبر ۱۹۶۹ء

☆ گلِ رعنا، مرتبہ؛ مالک رام، علمی مجلس، دلّی، مئی ۱۹۷۰ء

☆ گلِ رعنا، مرتبہ؛ سیّد قدرت نقوی، انجمن ترقیٔ اُردو، کراچی، ۱۹۷۵ء

☆ دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ (ڈیلکس ایڈیشن)، مرتبہ؛ ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، اگست ۲۰۰۰ء

یہ مرتبہ کتب دیوانِ غالب یا انتخابِ غالب کے مخطوطات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے پہلی

چوتھی اور پانچویں تو مخطوطات کی عکسی اشاعتیں ہیں۔ چونکہ مولانا عرشی نے مخطوطات پر مبنی مرتبہ ایڈیشنوں کو بھی اپنے نسخے کے بنیادی مآخذ میں شامل رکھا ہے اس لیے ان کتب کو بھی یہاں درج کیا گیا ہے۔ ان کتب میں سے پہلی اور تیسری کے اصل قلمی نسخوں سے مولانا عرشی نے استفادہ کرلیا تھا لیکن یہاں انھیں اس لیے درج کر دیا گیا ہے کہ یہ دوسرے غالب شناسوں کے مرتبہ ایڈیشن ہیں اور نسخۂ عرشی کی نسبت ان کے متن میں کچھ اختلافات بھی ہیں۔ اس لیے اب ان کو بھی بنیادی مآخذ میں لیا جانا چاہیے۔ پچھلے ابواب میں بیان کردہ نسخۂ عرشی کے محلِ نظر مقامات اور مندرجہ بالا مابعد کے نو دریافت حوالوں کے پیشِ نظر نسخۂ عرشی ترتیب نو کا متقاضی ہے۔

حواشی اور حوالہ جات

۱۔ مشمولہ : مولانا امتیاز علی عرشی : ادبی و تحقیقی کارنامے، مرتبہ: پروفیسر نذیر احمد، نئی (دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، دسمبر ۱۹۹۱ء)، ص: ۱۴۵

۲۔ نادم سیتا پوری، غالب کے کلام میں الحاقی عناصر، طبع دوم، (کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س ن)، ص: ۲۶۵

۳۔ صباح الدین عبدالرحمن، سیّد، غالب مدح و قدح کی روشنی میں (حصہ دوم)، (اعظم گڑھ: معارف پریس، ۱۹۷۹ء)، ص: ۱۳۶ - ۱۳۷

۴۔ نادم سیتا پوری، غالب کے کلام میں الحاقی عناصر، ص: ۲۶۶

۵۔ رشید حسن خاں، تدوین - تحقیق - روایت، (دہلی: ایس - اے پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص: ۱۷

۶۔ گیان چند، ڈاکٹر، رموزِ غالب، (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۹۹ء)، ص: ۲۲۳

۷۔ گیان چند، ڈاکٹر، رموزِ غالب، ص: ۲۲۳

۸۔ دیوانِ غالب (مصوّر)، مرتبین؛ مظفر علی سیّد، حنیف رامے، (لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۵ء)، ص: ۴

۹۔ میرے پیشِ نظر اس کتاب کا ترمیم و اضافہ شدہ دوسرا ایڈیشن ہے جس پر سالِ اشاعت درج نہیں۔

اس کے پہلے ایڈیشن کے سال اشاعت کا تعین اس کتاب کی ایک اندرونی شہادت سے ہوتا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں ''۱۹۶۵ء میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہندوستان میں اس وقت شائع ہوا تھا جب ہندو پاک کے تعلقات ......'' [نادم سیتا پوری، غالب کے کلام میں الحاقی عناصر، طبع دوّم، کراچی، ص:]۱۳۷

۱۰۔ نادم سیتا پوری، غالب کے کلام میں الحاقی عناصر، ص: ۱۰

۱۱۔ مشمولہ: مولانا امتیاز علی عرشی: ادبی و تحقیقی کارنامے، ص: ۱۵۲ - ۱۵۳

۱۲۔ مشمولہ: مولانا امتیاز علی عرشی: ادبی و تحقیقی کارنامے، ص: ۱۵۲

۱۳۔ دیوانِ غالب، مرتبہ؛ غلام رسول مہرؔ، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۶۷ء)، ص: ۱۶-۱۷

۱۴۔ معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، غالب پیمائی، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)، ص: ۲۷۶

۱۵۔ غالب کا منسوخ دیوان، مرتبہ؛ مُسلم ضیائی، (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، مارچ ۱۹۶۹ء)، ص: س

۱۶۔ بیدارؔ، عابد رضا، غالبیاتِ نو (حِصّہ دوّم)، (رام پور: انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز، ۱۹۷۰ء)، ص: ۱۵

۱۷۔ اشاریۂ کلام غالب، مرتّبین؛ فرحت فاطمہ، محمد یعقوب اور رشید حسن خاں، (دہلی: شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، ۱۹۷۰)، ء ص: و

۱۸۔ اُردو غزلیاتِ غالب (مع انتخاب نسخۂ حمیدیہ، بھوپال ایڈیشن) مرتب، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، س ن)، (تاریخ ''تعارف'': ۱۶-مارچ ۱۹۷۷ء) ص: ۱

۱۹۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے، نسخۂ عرشی کے نقشِ ثانی (دوسرے ایڈیشن) کا حوالہ اپنے ''تعارف'' میں دیا ہے۔ ان کا یہ ترجمہ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ نسخۂ عرشی کا نقشِ ثانی ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ نسخۂ عرشی کی طباعت چونکہ ۱۹۷۰ء تک مکمل ہو چکی تھی۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ اس کے طباعت شدہ مسودّے سے، استفادہ کیا گیا ہوگا۔

۲۰۔ دیوانِ غالب، (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، فروری ۱۹۸۶ء)، ص: ۵

۲۱۔ فاروقی، شمس الرحمن، تفہیمِ غالب، (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۹ء)، ص: ۱۸

۲۲۔ انتخاب اُردو کلیاتِ غالب، مرتبہ؛ شمس الرحمن فاروقی، (نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۱۹۹۳ء)، ص: ۸-۱۰

۲۳۔ نسخۂ رضا کے یہ تینوں ایڈیشن بمبئ سے شائع ہوئے۔ ان میں سے دوسرے ایڈیشن پر مبنی، نسخۂ رضا کی، پاکستان میں انجمن ترقیٔ اُردو، کراچی کی طرف سے متعدد اشاعتیں عمل میں آئی ہیں۔ گپتا رضا کے آخری ترمیم و اضافہ شدہ تیسرے ایڈیشن (۱۹۹۵ء) کی اشاعت کے بعد بھی، انجمن، اسے نظر انداز کر کے اُس سے پہلے کے ایڈیشن کی عکسی اشاعتیں نکال رہے ہیں جو بعض حوالوں سے تحقیقی گمراہی کا سبب بھی بنتی ہیں یا بنی ہوں گی۔ انجمن کو چاہیے کہ نسخۂ رضا کا اب جو ایڈیشن شائع کریں وہ اس کے تیسرے ایڈیشن (بمبئ ۱۹۹۵ء) کی بنیاد پر کریں۔

ساتواں باب

مجموعی جائزہ

شعری متون کی تاریخی ترتیب اور منشائے مصنف کے مطابق ان کی تدوین کی اہمیت و افادیت کے بارے میں دو آراء نہیں ہوسکتیں اور نہ اب ، اس عمل صالح اور کارِ نیک کا جواز پیش کرنے کی ضرورت باقی رہی ہے۔ پچھلی صدی میں اس نوعیت کے کارہائے نمایاں نے عالمی اور عملی سطح پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ کارِ تحقیق ،'' کارِ بے کاراں''، نہیں ہے۔

حافظ محمود شیرانی اگر اُردو تحقیق کے مُعلّمِ اوّل ہیں تو مُعلّمِ ثانی صرف اور صرف مولانا امتیاز علی خاں عرشی ہیں۔ کچھ دیگر موضوعات کے علاوہ ، سب سے زیادہ دلچسپی اُنہیں غالب سے تھی۔ غالب و غالبیات کے ہر بحر کے شناور اور اس موضوع سے متعلق تازہ بہ تازہ معلومات کے حصول میں، سب سے زیادہ کامیاب و کامران ٹھہرنے والے بھی صرف اور صرف مولانا عرشی ہی تھے۔ اس لحاظ سے اُنہیں اُردو تحقیق کا معلّمِ ثانی اور غالب شناسی کا معلّمِ اوّل کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ تحقیقِ غالب میں جس قدر اضافے، مولانا عرشی نے کیے اور تحقیق و تدوین کے جو معیارات انھوں نے مقرر کیے، غالب شناسوں میں، وہ اور کسی کے حصّے میں نہیں آئے۔ غالب و غالبیات کی سیر کرنے اور اس موضوع کو مقدور بھر سیراب کرنے میں ، اُن کی مساعی، نصف صدی سے بھی اوپر ہے۔ اس زمانی تخصّص میں ممکن ہے اور بھی غالب شناس، اُن کے ہم مرتبہ رہے ہوں لیکن اس نصف صدی میں، غالب سے متعلق جس قدر تحقیقی نوادر اور پھر جس انداز و معیار اور تحقیق و استناد کے ساتھ، مولانا عرشی منظرِ عام پر لائے ہیں، اس میں کوئی دوسرا اُن کا ثانی نہیں ہے۔

غالب شناس حلقے میں مولانا عرشی کو ان کی کتاب'' مکاتیبِ غالب'' نے متعارف کروایا اور دیوانِ غالب نسخۂ عرشی نے منوایا۔ ان کی عمر بھر کے حاصل تحقیقی و تدوینی کارناموں میں نسخۂ عرشی کی تدوین واحد اور ایسا کارنامہ ہے جس کی دوسری مثال دیگر اردو شعراء کے مرتبہ کلام میں تو کیا خود مولانا عرشی کے ہاں نہیں ملتی۔ مولانا عرشی سے پہلے غالب کے اردو کلام کو صحت متن کے ساتھ چھاپنے یا تاریخی ترتیب سے مرتب کرنے کی چند ابتدائی کوششیں ہوئیں لیکن یہ تمام ادھوری اور نامکمل ہیں۔

نسخۂ عرشی سے پہلے، تحقیقی نوعیت کی حامل دو طرح کی ایسی کوششیں نظر آتی ہیں جن

میں کلامِ غالب کوصحت اور تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کرنے پر کسی قدر سنجیدگی سے عمل کیا گیا۔ اس کی پہلی صورت تو یہ سامنے آئی کہ کلامِ غالب کوصحت متن کے ساتھ پیش کرنا اور آخر میں نودریافت یا غیر مروّجہ کلام کو مآخذ اور حوالوں سمیت نقل کرنا۔ اس سلسلے میں حسرت موہانی اور نظامی بدایوانی کے مشرح ایڈیشن اہم مثالیں ہیں۔ دوسری نوعیت کی اہم کوشش یہ رہی کہ کلام غالب کو اس خیال سے مرتّب اور شائع کیا جائے، جس سے غالب کے ذہنی وفکری عمل وارتقا کو سامنے لایا جا سکے۔ ایسی کوششوں کا سب سے پہلا اور بڑا محرّک اور ذریعہ نسخۂ بھوپال کی دریافت تھی۔ جس نے کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب و تدوین کو آسان بنایا اور اس کے لیے نیا موادفراہم کیا۔ نسخۂ عرشی سے پہلے نسخۂ بھوپال اور چند دوسرے، اہم قلمی ومطبوعہ نسخوں کے منظرِ عام پر آجانے پر، کلامِ غالب کوتاریخی ترتیب سے مرتّب کرنے یا اس کی اہمیت کا احساس رکھنے والوں میں، مفتی انوار الحق، ڈاکٹر سیّدعبداللطیف اور شیخ محمد اکرام کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

شیخ محمد اکرام کے بعد خود مولانا عرشی نے ۱۹۴۲ء میں رام پور کے ایک قلمی نسخے انتخابِ غالب کو جدید اور سائنٹیفک اصول تدوین کے مطابق مرتب کر کے شائع کیا۔ پھر نسخۂ عرشی کی اشاعت سے ایک برس پہلے مالک رام نے دیوانِ غالب کا ایک تحقیقی ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ اس طرح نسخہ ءعرشی سے پہلے دیوانِ غالب اردو کی عام اور روائتی اشاعتوں سے ہٹ کر سنجیدہ اور شعوری سطح پر جدید انداز سے ترتیب وتدوین کی یہ چند ابتدائی کوششیں تھیں۔ ان میں سے کچھ مکمل، کچھ نامکمل، کچھ جزوی یا ناقص اور بعض کم اہم ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی جدید اصولِ ترتیب و تدوین کے مطابق مکمل اور کامل کوشش نہیں کہا جا سکتا۔

غالب کے اردو کلام کی تدوین کی اس روایت میں نسخۂ عرشی سے پہلے کلام کی تدوین یا تاریخی ترتیب، ہر دوطرح کی کوششیں الگ الگ سطح پر نامکمل صورت میں ملتی ہیں لیکن مولانا عرشی نے ان دو الگ الگ اہمیت کے حامل کام کو دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی کی صورت میں یکجا پیش کر کے وہ کارنامہ انجام دیا جو ان سے پہلے الگ الگ سطح پر بھی کسی نے مکمل نہ کیا تھا مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی مرتّب کر کے اس میں تین نمایاں خصوصیات بھر دیں۔ ایک تو مکمل کلامِ غالب اُردو کو اس انداز سے پیش کیا کہ دیوان کی مروّج اور متداول حیثیت بھی برقرار

رکھی اور متدوال اور غیر متداول کی تخصیص بھی کر دی۔ دوسرا اسے تاریخی ترتیب و تنظیم بخشی اور تیسرا ہر ہر مصرعے کو اصولِ تدوین کے مطابق مدوّن کیا۔

اس کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۸ء میں انجمن ِ ترقی اردو ہند،علی گڑھ سے شائع ہوا تھا۔اس میں مولانا عرشی نے اس وقت تک کا معلوم اور میسر ،غالب کا تمام اردو کلام تاریخی ترتیب سے مرتب کر دیا تھا۔شروع میں ۱۲۰ صفحات پر مشتمل پر مغز مقدمہ (دیباچہ) اور آخر میں ''شرح غالب'' کے عنوان سے حواشی اور پھر'' اختلاف نسخ'' بھی درج ہیں۔نسخۂ عرشی طبع اوّل کے متن میں موجود اشعار کی تعداد ۴۱۳۲،اشعار اور ۹ فرد مصرعے ہے،لیکن''اختلافِ نسخ ''یا''اغلاط نامہ''میں کروائے جانے والے حذف واضافہ کے مطابق اس ایڈیشن میں اشعار کی واقعی تعداد جو مرتب کی تحقیق کے مطابق ہے وہ ۴۱۳۷، اشعار اور ۹ فرد مصرعے ہے۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کی اشاعت کے بعد غالب کا نودریافت کلام بھی سامنے آیا اور کچھ کلام الحاقی بھی قرار پایا۔اس دوران میں دیوانِ غالب یا انتخابِ غالب کے کچھ مزید قلمی اور مطبوعہ نسخے بھی سامنے آئے ،لہٰذانسخۂ عرشی کونو دریافت کلام اور تازہ معلومات کے پیشِ نظر نئے سرے سے مرتب کیا گیا۔ترمیم و اضافہ شدہ یہ ایڈیشن مولانا عرشی نے تقریباً ۱۹۷۰ء تک مرتب کر لیا تھا اور اپنی نگرانی میں اسے طبع بھی کروا چکے تھے۔مولانا عرشی کا مرتب کیا ہوا، طباعت شدہ یہ مسودہ ، ان کے انتقال کے بعد ۱۹۸۲ء میں انجمنِ ترقی اردو ہند دہلی سے شائع ہوا۔ اس کے مقدمے کے مباحث بھی پھیلے اور بنیادی و ثانوی ماٰخذ بھی بڑھے اور نسخۂ عرشی زادہ اورحمید احمد خاں کے مرتبہ نسخۂ حمیدیہ کے اختلافِ نسخ کے لیے آخر میں ''استدراک'' کا اضافہ بھی کیا گیا۔اس دوران میں جو کلام الحاقی قرار دیا جا چکا تھا اسے بھی اس میں سے خارج کر دیا گیا تھا۔مولانا عرشی کے مرتبہ ترمیم و اضافہ شدہ اس دوسرے ایڈیشن کے متن میں ،غالب کے کل ۴۲۲۴ اشعاراور ۱۱ فرد مصرعے ہیں لیکن اس ایڈیشن کے حصہ'' استدراک'' یا''صحت نامہ'' میں کروائے جانے والے حذف و اضافہ کے مطابق اس کے اشعار کی واقعی تعداد جو مرتب کی تحقیق اور منشا کے مطابق ہے،۴۲۱۷ شعر اور سات فرد مصرعے بنتی ہے۔

نسخۂ عرشی کا تیسرا ایڈیشن پہلی بار پاکستان سے ۱۹۹۲ء میں مجلس ترقی ادب لاہور کی

طرف سے شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن کی عکسی اشاعت ہے اس میں کسی طرح کا ترمیم واضافہ نہیں ہے۔

دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن کی ترتیب واشاعت ایک نزاعی مسئلہ بنی رہی۔ ایک خاص حلقے کا یہ کہنا ہے کہ اس دوسرے ایڈیشن میں ترامیم اور اضافے مولانا عرشی نے خود نہیں کیے بلکہ ان کی علالت کے سبب ان کے صاحبزادے اکبر علی خاں عرشی زادہ نے کیے۔ اس مقالے کے تیسرے اور چوتھے باب میں داخلی اور خارجی شواہد سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ نسخۂ عرشی کے دوسرے ایڈیشن کی نہ صرف ترتیب وتدوین اور ترامیم اور اضافے خود مولانا عرشی نے فرمائے بلکہ اپنی نگرانی میں اس کو طبع (ٹائپ) بھی کروایا۔
نسخۂ عرشی طبع اوّل کی نسبت طبع ثانی کے مندرجات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عرشی نے مقدمے میں طرح طرح کے ترامیم اور اضافات کیے ہیں۔ بعض نئے مآخذ کے مل جانے پر، خصوصاً بیاضِ غالب بخطِ غالب کے ذریعے سے مقدمے کے چند بہت ہی غیر معمولی مطالعات اور ان کے نتائج پہلے سے مختلف اور مستند ہو جاتے ہیں۔ تمام نئے مآخذ کا تفصیلی تعارف اور کیفیت بھی مقدمے میں شامل کر دی گئی ہے۔ ان کے ذریعے سے مقدمے کے حِصّۂ سوانح غالب کے مطالعات میں پہلے کی نسبت جو تبدیلی آئی اسے بھی درست اور درج کیا گیا ہے۔ غرض مقدمے میں نئی معلومات کے اندراج سے لے کر اُن کی وجہ سے بعض مطالعات کی تردید یا تصدیق وتوثیق تک تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔ مولانا عرشی نے زبان و بیان پر بھی خاص توجہ دی ہے اور اسے پہلے سے زیادہ بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے کی بیشتر مثالیں ہیں جو دیکھنے میں معمولی اور ایک آدھ لفظ یا جملے کی تبدیلی پر مشتمل ہیں لیکن ان کی وجہ سے مفہوم میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ پہلے جہاں تشنگی کا احساس ہوتا تھا اب وہاں مندرجات اور مفاہیم کی تکمیل نظر آتی ہے اسی طرح پہلے اگر کوئی لفظ یا جملہ غیر ضروری تھا اب اُس کے حذف وترمیم سے اختصار اور جامعیت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ مقدمے میں اس نوع کی تبدیلیاں، مولانا عرشی کے معیارِ تحقیق کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہیں۔

تحقیق وتلاش کے ذریعے سے مولانا عرشی نے طبع اوّل کے ضعیف اور غیر معتبر حوالوں کو خارج کیا اور مشتبہ کلام کو بھی تحقیق وتفتیش کے بعد الحاقی قرار دے کر حذف کیا۔ اس کے برعکس نئے اور معتبر مآخذ وحوالے تلاش کر کے غالب کے نئے اشعار اضافہ بھی کیے۔ تاریخی ترتیب کے

لحاظ سے بھی نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن پہلے کی نسبت زیادہ قدرو قیمت اور اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے۔ اختلاف نسخ اور حواشی بھی طبع اوّل کی نسبت زیادہ مفید مطلب بنائے گئے ہیں گویا نسخۂ عرشی طبع ثانی، تدوین متن اور کلام کی تاریخی ترتیب کے لحاظ سے طبع اوّل کی نسبت زیادہ مستند اور مثالی بن گیا ہے۔ مولانا عرشی کا معیارِ تحقیق و تدوین بھی پہلے کی نسبت بلند تر نظر آتا ہے اور زبان و بیان کی تبدیلیوں کے ذریعے سے بھی طبع ثانی میں پہلے کی نسبت اُن کا اسلوبِ تحقیق پختہ، واضح اور غیر مبہم ہو گیا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے ان خصائص اور امتیازات کی وجہ سے یہ اس لائق ہے کہ آئندہ تحقیقاتِ غالب کے سلسلے میں ہمیشہ اس دوسرے ایڈیشن کو پہلے پر ترجیح دی جائے معیار کے لحاظ سے بھی اور اصول تحقیق و تدوین کے لحاظ سے بھی کہ یہ مولانا عرشی کی زندگی میں اور ان کی نگرانی میں مکمل ہونے والا آخری ایڈیشن ہے۔

نسخۂ عرشی کے پہلے ایڈیشن میں متعدد مقامات محل نظر تھے،ان میں سے بیشتر کی تصحیح و درستی، دوسرے ایڈیشن میں کر لی گئی اور موجودہ صورت میں نسخۂ عرشی کا دوسرا ایڈیشن، پہلے ایڈیشن کی نسبت بہت بہتر اور بہت سی مثبت تبدیلیوں کا حامل ہے لیکن اس کے باوجود اس دوسرے ایڈیشن کا جدید اصولِ تحقیق و تدوین کے مطابق عمیق نظری سے تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے تو اب بھی اس میں متعدد اشکال موجود نسخۂ عرشی کا مقدمہ بے بہا معلومات کا خزنیہ ہے لیکن اس میں بہت سے محل نظر مقامات مل جاتے ہیں مثلاً بعض جگہ تو راقم یا نسخوں کے اشعار کی تعداد وغیرہ غلط درج ہو گئی ہے۔اس کے علاوہ کلامِ غالب کے قلمی یا مطبوعہ نسخوں کے تعارف، کوائف مندرجات اور خصوصیات کے بیان اور اندارج میں کوئی سائنٹیفک طریقہ نہیں اپنایا گیا۔ اس حصے میں نسخوں کے کاتبوں یا خود غالب کے املا اور رسم الخط کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں اس وجہ سے اختلافِ نسخ میں بہت سے مسائل اور اشکال در آئے ہیں۔اس بات میں بھی باقاعدگی نہیں رہی کہ ہر نسخے کے تعارف کے تحت یہ واضح کر دیا جائے کہ اپنے سے ماقبل کی نسبت اس میں کتنے اور کون کون سے اشعار اضافہ ہوئے یا مابعد کی نسبت اس میں سے کون سے شعر قلم زد ہوئے۔ بیشتر نسخوں میں موجود اشعار کا ردیف وار گوشوارہ بھی مقدمے میں درج ہے لیکن بعض جگہ ایسا نہیں ہو سکا۔ نسخۂ عرشی کے مقدمے میں استعمال ہونے والی بعض کتابوں کے بارے میں جاننا اور مقدمے میں مندرج ان

کے اقتباسات کی جانچ پرکھ، صحت یا تصدیق کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے کیونکہ بعض جگہ ایک ہی نام کی کتاب کے ایک ہی ایڈیشن کے محولہ اقتباس کا صفحہ نمبر نسخۂ عرشی طبع اوّل اور طبع ثانی میں مختلف نظر آتا ہے اور یہ کوئی ایک جگہ نہیں سینکڑوں جگہ ایسا ہوا ہے۔

نسخۂ عرشی کی ایک بڑی وجہ شہرت اس میں کلام کی تاریخی ترتیب ہے لیکن اس میں بہ وجوہ تاریخی ترتیب کے تقاضوں کو کما حقہ، پورا نہیں کیا گیا۔ البتہ مولانا عرشی اپنے وضع کردہ تاریخی ترتیب کے طریقہ کار میں ممکن حد تک ہر جگہ کامیاب رہے ہیں مگر پھر بھی چند غزلوں اور اشعار کا غلط تاریخی تعین ہوا ہے۔ نسخہ ءعرشی کے اختلافِ نسخ اور حواشی ''اہلِ تحقیق کی جنت ہیں'' لیکن یہ حصہ زیادہ قابلِ اعتبار نہیں بلکہ سب سے زیادہ یہیں اشکال آئے ہیں۔ نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ کے اندراج میں کسی ایک اصول کو نہیں اپنایا گیا کہیں تو معمولی سے معمولی اور غیر اہم اختلافات کو بھی درج کر دیا ہے اور کہیں بعض غیر معمولی اختلاف بھی درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ کہیں یہ صورت بھی رہی ہے کہ ایک اختلاف، ایک یا دو نسخوں کے حوالے سے تو درج ہے لیکن ان کے علاوہ جن نسخوں میں وہی اختلاف موجود ہیں اُن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ معمولی نوعیت کے اختلافات جو نسخۂ عرشی میں درج ہیں، اُن کو پیشِ نظر رکھ کر، مختلف نسخوں کا جائزہ لیں تو اُسی نوعیت کے بیشتر اختلافات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ نسخۂ عرشی کے ''اختلافِ نسخ'' کا جائزہ لیں تو تین طرح کے اشکال اس میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض اہم اختلافات درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کچھ غلط اختلاف درج ہو گئے ہیں اور تیسرا نسخۂ حمیدیہ کے حوالے سے درج ہونے یا نہ ہونے والے اختلاف خاصے محلِ نظر ہیں۔

نسخۂ عرشی طبع اوّل کے حصّہ ''گنجینۂ معنی'' میں مطبوعہ نسخۂ حمیدیہ (اوّل) کے حوالے سے جگہ جگہ اختلافِ نسخ درج کیے ہیں۔ نسخۂ حمیدیہ چونکہ نسخۂ بھوپال (مکتوبہ ۱۸۲۱ء) پر مبنی ہے اس لیے نسخۂ عرشی طبع ثانی میں وہی اختلاف اکثر و بیشتر نسخۂ حمیدیہ کی بجائے براہ راست نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج کر دیے گئے ہیں۔ اس خواہ مخواہ یہ گمان گزرتا ہے کہ استفادہ تو نسخۂ حمیدیہ سے کیا گیا ہے لیکن اس کی بجائے نسخۂ بھوپال کا حوالہ دے کر اس کے مندرجات سے مکمل آگاہی کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔

نسخۂ عرشی طبع ثانی کے ''گنجینہء معنی'' کے اختلافِ نسخ کا طبع اوّل کے اس حصّہ کے اختلافِ نسخ سے موازنہ کریں تو یہ گمان یقین میں بدلنے لگتا ہے، کیونکہ وہ الفاظ جو طبع اوّل میں نسخۂ بھوپال کے حوالے سے متن میں رکھے تھے اب طبع ثانی میں وہ نسخۂ حمیدیہ کے حوالے سے سہو کاتب قرار دیے کر اختلاف میں دیے جا رہے ہیں۔ نسخۂ حمیدیہ مطبوعہ ہے اور مولانا عرشی کے پیشِ نظر بھی رہا۔ اب پہلی بات تو یہ ہے کہ نسخۂ عرشی طبع اوّل میں ان اختلافات کو سہو کاتب کیوں نہ لکھا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بالفرض یہ تعین اب ہوا ہے کہ یہ سہو کاتب ہیں تو یہ سہو نسخۂ بھوپال کے کاتب کا درج کرنا چاہیے نہ کہ نسخۂ حمیدیہ کے مرتب کا۔ غرض یہ کہ اگر متن کا اختلاف ہے تو نسخۂ بھوپال کے حوالے سے درج کیا ہے اور اگر سہو کاتب ہے تو اسے مرتب نسخۂ حمیدیہ کے سر ڈال دیا ہے۔

نسخۂ عرشی کا املاء کلامِ غالب کے دیگر ایڈیشنوں کی نسبت بہت بہتر ہے اور اس میں رموزِ اوقاف، اعراب اور اضافتوں کے اہتمام نے مفاہیم کو آسان بنا دیا ہے۔ لیکن نسخۂ عرشی میں اختیار کیے جانے والے املاء کے بارے میں، مولانا عرشی نے کسی ایک جگہ املاء کی جملہ تفصیلات بیان نہیں فرمائیں۔ اس وجہ سے اس کے املاء اور رسم الخط میں کچھ الجھنیں راہ پا گئی ہیں۔ نسخۂ عرشی میں نہ تو مکمل طور پر غالب کے املا کی پیروی کی گئی ہے اور نہ یہ مروج املا ء ہی کے مطابق ہے۔ اس میں املاء کی دورنگی بھی موجود ہے جس سے انداز ہوتا ہے کہ مولانا عرشی ، املاء کے سلسلے میں اپنے وضع کردہ اصولوں کی پابندی بھی نہیں کر پائے۔ اب نسخۂ عرشی کے متن کو دیکھیں تو اس میں املاء کی تین صورتیں ملتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کچھ الفاظ کے املا ء کے بارے میں غالب کی پیروی کی گئی ہے۔ دوسری صورت یہ رہی ہے کہ بیشتر الفاظ میں مروج املاء کو اپنایا گیا ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ بعض الفاظ ایک جگہ غالب کی پیروی میں لکھے گئے ہیں تو وہی الفاظ دوسری جگہ مروج املاء کی صورت میں مل جاتے ہیں۔ املاء کی یہ دورنگی، خود مولانا عرشی کے اختیار کردہ اصول کے بھی خلاف ہے۔ یعنی ایک ہی لفظ مختلف مصرعوں میں، دو صورتوں میں لکھا ملتا ہے۔ اصولاً اسے یا تو غالب کے املا ء کے مطابق ہونا چاہیے یا پھر مروج صورت میں لکھا جانا چاہیے تھا، لیکن نسخۂ عرشی میں کہیں کہیں ایسا نہیں بھی ہو سکا۔ اس کے علاوہ الفاظ کو ملا کر لکھنے کی روش کو بھی حد افراط تک اپنایا گیا ہے۔ بلکہ یہاں بھی یہ اصول نہیں کہ اگر

ایک جگہ الگ الگ لکھے جانے والے الفاظ کو ملا کر لکھا ہے تو پھر کم از کم ان الفاظ کو تو ضرور آئندہ بھی ملا کر لکھا جائے لیکن یہ نہیں ہو سکا، بلکہ وہی الفاظ بعد میں الگ الگ صورت میں بھی لکھے مل جاتے ہیں۔

نسخۂ عرشی میں معمولی (یا غیر معمولی) نوعیت کے کچھ اور اشکال بھی موجود ہیں۔ مثلاً غالب کے قلم زدہ اشعار جن میں غالب نے ترمیم کر کے یا ردیف وقوافی کی تبدیلی سے یا پھر نئے مصرعے کے اضافے سے متداول میں شامل کر لیا، ان اشعار کو مولانا عرشی نے ''گنجینہ معنی'' میں شامل نہیں کیا اور متداول میں موجود ان اشعار کے اختلافِ نسخ کے طور پر قدیم یا قلم زد مصرعوں کو نقل کر دیا ہے۔ لیکن طبع ثانی کے گنجینے میں ایسے چند اشعار پھر بھی موجود رہ گئے ہیں جن کو تبدیل کر کے غالب کے متداول میں منتخب کر لیا تھا، بلکہ بعض شعروں کے حوالے سے تو یہ بھی ہوا ہے کہ زیادہ مختلف مفہوم والے یا نئے شعر کا درجہ رکھنے والے اشعار کو تو گنجینے سے خارج کر کے متداول کے تحت ان کا اختلاف دے دیا ہے اور کچھ بہت ہی معمولی فرق والے اور تقریباً ایک ہی مفہوم کے حامل اشعار کو گنجینے میں بھی برقرار رکھا ہے اور متداول میں تو خود غالب نے انھیں رکھا ہی ہے۔

نسخۂ عرشی میں، مآخذ کی علامتوں کے علاوہ پانچ طرح کی علامتیں استعمال ہوئی ہیں جو متن میں شامل بعض اشعار کی ترتیب یا انتخاب کی فہم کے لیے آئی ہیں۔ ان تمام علامتوں کے اندراج سے مرتبِ نسخۂ عرشی کا مقصد پورا نہیں ہو پایا۔ ان میں سے بعض مبہم اور بعض نامکمل رہ گئی ہیں، کہیں ان کا اندراج بے محل بھی عمل میں آیا ہے۔ مثلاً ''گنجینۂ معنی'' کے پہلے تین قصائد میں بعض شعروں کے درمیان سادہ لکیر لگائی گئی ہے جس کی وضاحت حاشیے میں یہ کی گئی ہے کہ یہاں سے غالب نے اشعار منتخب کر کے متداول دیوان میں رکھے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اس طرح یہ قطعاً واضح نہیں ہوتا کہ یہاں سے کون کون سے شعر انتخاب میں آئے اور ان کی سابق ترتیب کیا تھی۔ دوسرا یہ کہ علامت گنجینے کے صرف پہلے تین قصائد میں آئی ہے حالانکہ غالب نے قصائد کے علاوہ قطعات اور غزلیات میں سے بھی شعر منتخب کر کے متداول دیوان میں شامل کیے ہیں۔ غرض یہ کہ اس علامت کا مناسب استعمال عمل میں نہیں آسکا۔

اسی طرح پھول (۞) کے نشان سے مراد ہے کہ متن کے جس شعر کے محاذ میں یہ نشان ہے وہ شعر بعد کا اضافہ ہے۔ نسخۂ عرشی کے اختلافِ نسخ اور حواشی سے اندازہ ہوا کہ یہ علامت

بعض ایسے اشعار پر بھی موجود ہے جو بعد کا اضافہ نہیں ہیں اور بعض ایسی جگہ اس کو ظاہر نہیں کیا جا سکا جہاں ماقبل متن کی نسبت اضافہ شدہ شعر موجود ہیں۔ بہت سے اشعار کے دائیں بائیں گ (گلِ رعنا)، خ (انتخابِ غالب ۱۸۶۶ء) اور گخ (یہ دونوں نسخے) لکھا ہوا ملتا ہے ان سے یہ مراد ہے کہ یہ نشان زد شعر مذکورہ نسخوں میں موجود ہیں۔ لیکن ان علامتوں کے اندارج کا اہتمام بھی مکمل صورت میں نہیں کیا جا سکا۔

نسخۂ عرشی کے محلِ نظر مقامات کی اب تک کی مذکورہ صورتیں تو وہ ہیں جو اس میں موجود ہیں اور ان کی درستی و تصحیح کے بغیر اس سے استفادہ کرنا یا اس کو حوالے کے طور پر استعمال کرنا بعض اوقات غلط نتائج کا باعث ہوسکتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ اب تک غالبیات کے سلسلے کی جتنی کتب میں نسخۂ عرشی سے استفادہ کیا گیا ہے وہ تمام بھی نظرِ ثانی کی محتاج ہیں۔

نسخۂ عرشی جیسے بے مثال تدوینی ایڈیشن کے موجود ہونے کے باوجود، غالب کے اردو کلام کی تدوین نامکمل ہے۔ اس کا ایک سبب تو اس کے مقدمے اور متن میں رہ جانے والے مختلف نوعیت کے تسامحات ہیں۔ دوسرا یہ کہ بیاضِ غالب بخطِ غالب اور حمید احمد خاں کے مرتبہ نسخۂ حمیدیہ کے مباحث متن کی بجائے آخر میں ''استدراک'' کے تحت درج ہیں جن سے استفادہ آسان نہیں تیسری بات یہ کہ اس کی طباعت کے بعد اس موضوع سے متعلق کچھ نئے مآخذ بھی سامنے آ چکے ہیں مثلاً بیاضِ غالب بخطِ غالب، مرتبہ: نثار احمد فاروقی (در: نقوش غالب نمبر ۲)، گلِ رعنا، مرتبہ: سید وزیر الحسن عابدی، گلِ رعنا، مرتبہ: مالک رام، گلِ رعنا، مرتبہ: سید قدرت نقوی اور دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ، مرتبہ: ڈاکٹر سید معین الرحمن، ایسے نئے مآخذ ہیں جو نسخۂ عرشی طبع ثانی کی طباعت کے بعد منظر عام پر آئے۔ اس لیے ان کے اختلافِ نسخ اور ان سے متعلق دیگر مباحث نسخۂ عرشی میں نہیں آ سکے۔ اس پس منظر میں دیکھیں تو نسخۂ عرشی ترتیبِ نو کا متقاضی ہے۔

دیوانِ غالب اردو نسخۂ عرشی اُردو تدوین کا تاج محل ہے۔ جس طرح غالب شناس حلقے میں، مولانا امتیاز علی خاں عرشی سب سے ممتاز اور بلند مقام و مرتبے کے حامل ہیں، اسی طرح کلامِ غالب اُردو کی ترتیب و تدوین کی روایت میں، اُن کا مرتبہ دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی، سب سے ممتاز اور بلند و برتر مقام و مرتبے کا حامل ہے۔ نسخۂ عرشی کی اہمیت و حیثیت اور نمایاں خصوصیت صرف یہی نہیں بلکہ یہ نسخہ، خود مولانا عرشی کی ترتیب و تدوین شدہ

اردو کتب میں بھی سب پر فائق اور اُن کی عمر بھر کی محنت و ریاضت کا حاصل ہے۔

دیوانِ غالب اُردو کے مرتبہ ایڈیشنوں کی نسبت، نسخۂ عرشی کی اہمیت و افادیت کے بارے میں بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اُردو تحقیق کی معراج، غالب کے بارے میں ہونے والی تحقیق ہے تو تحقیقاتِ غالب کی معراج، مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا مرتبہ دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی ہے۔ لیکن نسخۂ عرشی کی یہ اہمیت اور فوقیت، دیوانِ غالب کے صرف دوسرے مرتبہ ایڈیشنوں کے مقابلے میں ہے۔ اگر آج کل کے مروّجہ اور مسلّمہ جدید اصولِ تحقیق و تدوین کے حوالے سے دیکھا جائے تو نسخۂ عرشی ان معیارات پر مکمل طور پر پورا نہیں اُترتا بلکہ بعض حوالوں سے تو خود مولانا عرشی کے اپنے اختیار کردہ اصول و قواعد اور معیارات پر بھی پورا اترتا نظر نہیں آتا۔

اواخر ۱۹۶۹ء کے بعد، غالب پر سامنے آنے والی تحقیقات کے پیشِ نظر، اس بات کی ضرورت اور اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ دیوانِ غالب اُردو کی، نسخۂ عرشی کے معیار و انداز پر دوبارہ سے ترتیب و تدوین کی جائے اور اس کی بنیاد پر وجود میں آنے والی کتب پر بھی نظرِ ثانی کی جائے ورنہ نسخۂ عرشی کی موجودہ صورت پر مکمل بھروسا کر کے، جس بھی نوعیت کی تحقیق و تنقید ہو چکی ہے یا آئندہ ہوگی، وہ مکمل طور پر قابلِ اعتبار نہ ہوگی۔ نتیجہ یہ کہ دیوانِ غالب اُردو، تاحال جدید اصولِ ترتیب و تدوین کے مطابق ترتیب دیے جانے کا مقتضی اور منتظر ہے۔

کتابیات

ا۔ بنیادی مآخذ:

دیوانِ غالب اُردو کے معاصر ایڈیشن

دیوانِ غالب (طبع اوّل)، دہلی: مطبع سیّد الاخبار/ سیّد المطابع، اکتوبر ۱۸۴۱ء (عکسی اشاعت، بہ اہتمام، گپتا رضا، بمبئی، ۱۹۸٦ء)

دیوانِ غالب (طبع دوّم)، دہلی: مطبع دارالسلام، مئی ۱۸۴۷ء (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور)

دیوانِ غالب (طبع چہارم)، کانپور: مطبع نظامی، جون/ جولائی ۱۸٦۲ء، (عکسی اشاعت، بہ اہتمام، گپتا رضا، بمبئی ۱۹۸۷ء)

دیوانِ غالب (طبع پنجم)، آگرہ: مطبع مفیدِ خلائق،، ۱۸٦۳ء (عکس: مخزونہ راقم)

کلامِ غالب کے اُردو مخطوطات کی اہم اشاعتیں

انوار الحق، مفتی محمد، مرتبہ؛ دیوانِ غالب جدید المعروف بہ نسخۂ حمیدیہ، آگرہ: مفید عام اسٹیم پریس، ۱۹۲۱ء

خاں، حمید احمد، پروفیسر، مرتبہ: دیوانِ غالب نسخۂ حمیدیہ، لاہور: مجلس ترقی ادب، مئی ۱۹٦۹ء

دیوانِ غالب نسخۂ شیرانی (عکسی اشاعت)، لاہور: مجلس ترقی ادب، اگست ۱۹٦۹ء

عابدی، وزیر حسن، سیّد، مرتبہ؛ گلِ رعنا (اُردو و فارسی) لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دسمبر ۱۹٦۹ء

عرشی زادہ، اکبر علی خاں، مرتبہ؛ نسخۂ عرشی زادہ، رام پور: ستمبر ۱۹٦۹ء

عرشی، امتیاز علی خاں، مرتبہ؛ انتخابِ غالب (اُردو و فارسی)، بمبئی: مطبعۂ قیّمہ، ۱۹۴۲ء

فارقی، نثار احمد، مرتبہ؛ بیاضِ غالب بخطِ غالب (مشمولہ: نقوش، غالب نمبر ۲) لاہور: اکتوبر ۱۹٦۹ء

قدرت نقوی، سید، مرتبہ؛ گلِ رعنا (مع آشتی نامۂ غالب) کراچی: انجمن ترقیٔ اُردو پاکستان، ۱۹۷۵ء

مالک رام، مرتبہ؛ گلِ رعنا (اُردو و فارسی) دِلّی: علمی مجلس، مئی ۱۹۷۰ء
معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، مرتبہ؛ دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ، لاہور: مکتبہ اعجاز، ۱۹۹۸ء
معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، مرتبہ؛ دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ (ڈی لکس ایڈیشن)، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، اگست، ۲۰۰۰ء

کلام غالب کے دیگر اہم ایڈیشن

ابراہیم حنیف، پیرزادہ محمد، مرتبہ؛ درسِ غالب، لاہور: مظفر بک ڈپو، ۱۹۳۸ء
بیدار، عابد رضا، مرتبہ؛ انتخاب کلام غالب (غالب اسٹڈیز نمبر ۳)، رام پور: رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز، ۱۹۶۹ء
خاں، یوسف حسین، ڈاکٹر، مرتب و مترجم؛ اُردو غزلیات غالب (مع انتخاب نسخۂ حمیدیہ، بھوپال ایڈیشن)، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، س، ن
عرشی، امتیاز علی خاں، مرتبہ؛ دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی، (طبع اوّل)، علی گڑھ: انجمن ترقیٔ اُردو ہند، ۱۹۵۸ء
عرشی، امتیاز علی خاں، مرتبہ؛ دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی (طبع دوّم) نئی دہلی: ، انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۸۲ء
عرشی، امتیاز علی خاں، مرتبہ؛ دیوانِ غالب اُردو نسخۂ عرشی (طبع سوّم)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۲ء
غالب، اسد اللہ خاں، دیوانِ غالب، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، فروری ۱۹۸۶ء
فاروقی، شمس الرحمن، مرتبہ؛ انتخاب اُردو کلیاتِ غالب، نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۱۹۹۳ء
گپتا رضا، کالی داس، مرتبہ؛ دیوانِ غالب (کامل) بار اوّل، بمبئی: ساکار پبلشرز، پرائیویٹ لمیٹڈ، فروری ۱۹۸۸ء
گپتا رضا، کالی داس، مرتبہ؛ دیوانِ غالب (کامل)، طبع سوّم، بمبئی: ساکار پبلشرز، پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۵ء
مالک رام، مرتبہ؛ دیوانِ غالب، دلّی: آزاد کتاب گھر، ۱۹۵۷ء
محمد اکرام، شیخ، مرتبہ؛ ارمغانِ غالب (طبع چہارم)، بمبئی: تاج آفس محمد علی روڈ، ۱۹۴۴ء
مسلم ضیائی، مرتبہ؛ غالب کا منسوخ دیوان، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، مارچ ۱۹۶۹ء

مظفر علی سید، حنیف رامے، مرتبہ؛ دیوانِ غالب (مصور)، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۵ء
مہر، غلام رسول، مرتبہ؛ دیوانِ غالب، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۶۷ء
نظامی بدایونی، مرتبہ؛ دیوانِ غالب (مع شرح)، بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۲۷ء

ب۔ ثانوی مآخذ:

تحقیقی اور تنقیدی کتب بہ سلسلۂ غالبیات

بیدارؔ، عابد رضا، غالبیاتِ نو (حصّہ دوّم) رام پور، رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز، ۱۹۷۰ء
پرتھوی چندر، مرقعِ غالب، متعارفہ؛ ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء
حالیؔ، الطاف حسین، یادگارِ غالب (عکسی بازیافت طبع اوّل) کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۹۷ء
خاں، حمید احمد، پروفیسر، مرقّعِ غالب، لاہور: مجلس ترقی ادب، فروری ۲۰۰۳ء
خاں، رشید حسن، املاے غالب، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۰۰ء
خاں، رشید حسن، تدوین-تحقیق-روایت، دہلی: ایس-اے-پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء
خاں، رشید حسن، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لاہور: الفیصل ناشران، اکتوبر ۱۹۸۹ء
خلیق انجم، مرتبہ، غالب کے خطوط (جلد سوّم) نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۷ء
دور آفریدی، شخصیتیں، رام پور: اُردو ریسرچ اکاڈمی، مئی ۱۹۷۲ء
ذکیہ جیلانی، ڈاکٹر، مرتبہ، عرشی صاحب کے خطوط، نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۹ء
صباح الدین عبدالرحمن، سیّد، غالب مدح و قدح کی روشنی میں (حصّہ دوّم) اعظم گڑھ: معارف پریس، ۱۹۷۹ء
صغیر النساء بیگم، غزلیاتِ غالب کا عروضی مطالعہ، مرتبہ؛ ڈاکٹر محمد نور الدین سعید، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ نگر، ستمبر ۱۹۸۴ء
عاصمہ اعجاز، غالب نامہ: تجزیاتی مطالعہ، لاہور: شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، فروری ۱۹۹۴ء
عبداللطیف، ڈاکٹر سیّد، غالب، مترجم: سیّد معین الدین قریشی، جام باغ حیدر آباد دکن، ۱۹۳۲ء
عرشی، امتیاز علی خاں، فرہنگِ غالب، طبع اوّل، رام پور: ناظم برقی پریس، ۱۹۴۷ء

عرشی، امتیاز علی خاں، مرتبہ؛ مکاتیبِ غالب، طبع اوّل، بمبئی: مطبعۂ قیّمہ، ۱۹۳۷ء
عرشی، امتیاز علی خاں، مرتبہ؛ مکاتیبِ غالب، طبع ہفتم، رامپور: ۱۹۴۹ء
عرشی، امتیاز علی خاں، سبدِ باغِ دودر، کراچی: انجمن ترقیِ اُردو، ۱۹۶۹ء
فاروقی، شمس الرحمن، تفہیمِ غالب، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۹ء
فاروقی، نثار احمد، تلاشِ غالب، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، مئی ۱۹۹۹ء
فرح ذبیح، نادر ذخیرۂ غالبیات، ملتان: شعبۂ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء
فرحت فاطمہ، محمد یعقوب، رشید حسن خاں، مرتّبین؛ اشاریہ کلامِ غالب، دہلی: شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، ۱۹۷۰ء
قدرت نقوی، سیّد، غالب آگہی، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، اکتوبر ۱۹۹۲ء
قدرت نقوی، سیّد، نسخۂ شیرانی اور دوسرے مقالات، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء
گیان چند، ڈاکٹر، تفسیرِ غالب، سرینگر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۷۱ء
گیان چند، ڈاکٹر، رموزِ غالب (طبع دوّم) کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۹۹ء
گیان چند، ڈاکٹر، رموزِ غالب، (طبع اوّل) نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۶ء
لاہوری، ضیاء الدین، جوہر تقویم، لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۴ء
مالک رام اور مختار الدین احمد، مرتّبین؛ نذرِ عرشی، نئی دہلی، مجلسِ نذرِ عرشی، ۱۹۶۵ء
محمد اکرام، شیخ، غالب نامہ، لاہور: مرکنٹائل پریس، ۱۹۳۶ء
معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، اشاریۂ غالب، لاہور: مجلس یادگارِ غالب، ۱۹۶۹ء
معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، غالب پیمائی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء
معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، غالب کا علمی سرمایہ (طبع اوّل) لاہور: یونیورسل بکس، ۱۹۸۹ء
معین الرحمن، ڈاکٹر سیّد، غالب کا علمی سرمایہ (طبع دوّم) لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء
نادم سیتا پوری، غالب کے کلام میں الحاقی عناصر (طبع دوّم) کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س۔ن
نذیر احمد، پروفیسر، مرتّبہ؛ مولانا امتیاز علی عرشی: ادبی و تحقیقی کارنامے، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، دسمبر ۱۹۹۱ء

نیّر مسعود، مرتبہ؛خطوط مشاہیر بہ نام سیّد مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنو: اتر پردیش اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۵ء

غیر مطبوعہ تھیسس

صائمہ بانو،امتیاز علی عرشی اور عرشی زادہ کی غالبیات پر تحریریں :ایک اشاریہ: لاہور: شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، ۲۰۰۲ء

عبدالرحمن بٹ،مولانا امتیاز علی خاں عرشی بطور غالب شناس، لاہور: شعبۂ اُردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۳ء

رسائل و جرائد

سہ ماہی، اُردو، کراچی: جلد: ۳۸،شمارہ:۱-۲،جنوری، اپریل ۱۹۵۹ء

سہ ماہی، غالب نامہ، (عرشی نمبر) نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، جلد ۱۳،شمارہ:۱، جنوری ۱۹۹۲ء

سہ ماہی، غالب نامہ، نئی دہلی، جلد: ۲۴،شمارہ: ۲، جولائی ۲۰۰۳ء

سہ ماہی، ہم عصر (جامعاتی تحقیق نمبر)، ملتان، جلد: ۳،شمارہ: ۱، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء

ماہنامہ، ماہ نو (غالب نمبر) کراچی، جلد: ۲۲،شمارہ: ۱-۲، جنوری، فروری ۱۹۶۹ء

ماہنامہ، قومی زبان، کراچی، جلد: ۳۴،شمارہ: ۲،فروری ۱۹۶۹ء

ماہنامہ، نگارِ پاکستان، کراچی، نومبر ۱۹۶۶ء

ماہنامہ، ماہ نو، کراچی، اکتوبر ۱۹۶۵ء

مجلّہ، تحقیق، حیدرآباد، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ نمبر؛ ۱۲-۱۳، ۱۹۹۹ء

ششماہی، غالب، کراچی، ادارۂ یادگارِ غالب، جلد: ۲، شمارہ: ۱، (مسلسل شمارہ نمبر ۵) مارچ ۱۹۷۶ء

معیار و تحقیق (۲)، پٹنہ، ادارۂ تحقیقاتِ اُردو، ۱۹۹۱ء

نقوش (خطوط نمبر: ۳) لاہور، شمارہ:۱۰۹، اپریل، مئی ۱۹۶۸ء

نقوش، لاہور، شمارہ:۱۰۱، نومبر ۱۹۶۴ء

نقوش، لاہور، جون ۱۹۶۰ء

ہفت روزہ، الہلال، کلکتہ، جلد: ۴، شمارہ: ۲۴، ۱۷ جون ۱۹۱۴ء (عکسی اشاعت، الہلال اکیڈمی

□

ضمیمہ نمبر ا
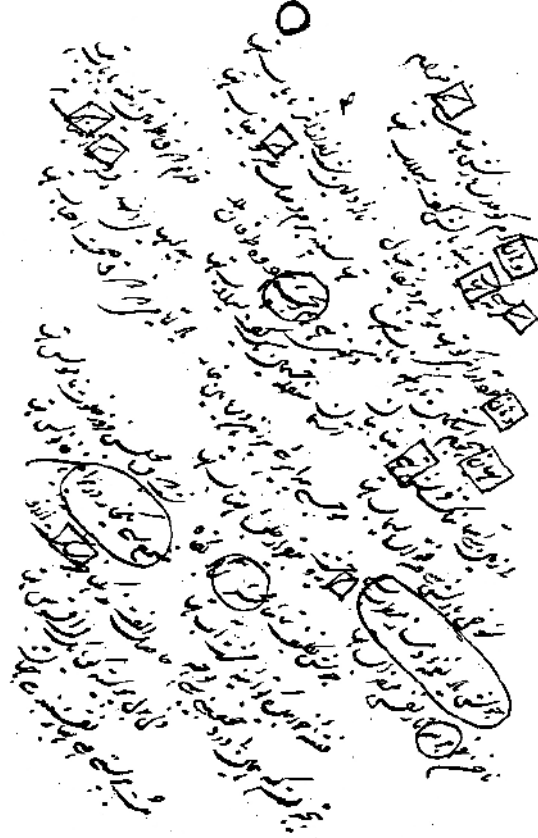
دیوانِ غالب کے قلمی و مطبوعہ نسخوں کے چند صفحات کے عکس

نوٹ:- ضمیمہ نمبر ا کے تحت دیے گئے دیوانِ غالب کے قلمی یا مطبوعہ نسخوں کے عکس پر لگائی گئی علامتوں کا مفہوم ذیل میں ملاحظہ ہو:

○ نسخۂ عرشی طبع ثانی میں ظاہر کیے گئے اختلافِ نسخ

□ نسخۂ عرشی طبع ثانی سے محذوف اختلافِ نسخ

▷ نسخۂ عرشی طبع ثانی کے غلط اختلافِ نسخ

۹۰ب

عکس: نسخۂ شیرانی (۱۸۲۶ء، عکسی اشاعت)، مجلس ترقی ادب، لاہور، اگست ۱۹۶۹ء

۵

۱۲

جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب جو
یاں رواں مژگان چشم تر سے خون ناب تھا

یاں سر پر شور بے خوابی سے تھا دیوار جو
واں وہ فرق ناز محو بالش کمخواب تھا

یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بیخودی
جلوۂ گل واں بساط صحبت احباب تھا

فرش سے تا عرش واں طوفاں تھا موج رنگ کا
یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا

ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا

نالۂ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا
تھا سپند بزم وصل غیر گو بیتاب تھا

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر ساز صدائے آب تھا

نازش ایام خاکستر نشینی کیا کہوں
پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے ورنہ یاں
ذرہ ذرہ روکش خورشید عالم تاب تھا

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظار صید میں اک دیدۂ بیخواب تھا

میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اس کے سیل گریہ میں گردوں کف سیلاب تھا

عکس: دیوانِ غالب، طبع اوّل (۱۸۴۱ء)

شب کہ برق سوز دل سی زہرۂ ابر آب تہا — شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تہا

وہان کرم کو عذر بارش تہا عنانگیر خرام — گریہ سی یہان پنبۂ بالش کف سیلاب تہا

وہان خود آرائی کو تہا موتی پرونیکا خیال — یہان ہجوم اشک مین تار نگہ نایاب تہا

جلوۂ گل نی کیا تہا وان چراغان آبجو — یہان روان مژگان چشم تر سی خون ناب تہا

یہان سر پرشور بیخوابی سی تہا دیوار جو — وان وہ فرق ناز محو بالش کمخواب تہا

یہان نفس کرتا تہا روشن شمع بزم بیخودی — جلوۂ گل وان بساط صحبت احباب تہا

فرش سی تا عرش وان طوفان تہا موج رنگ کا — یہان زمین سی آسمان تک سوختن کا باب تہا

ناگہان اس رنگ سی خونابہ ٹپکانی لگا — دل کہ ذوق کاوش ناخن سی لذت یاب تہا

ولہ

نالۂ دل مین شب انداز اثر نایاب تہا — تہا سپند بزم وصل غیر گو بیتاب تہا

مقدم سیلاب سی دل کیا نشاط آہنگ ہی — خانۂ عاشق مگر ساز صدای آب تہا

نازش ایام خاکستر نشینی کیا کہون — پہلوی اندیشہ وقف بستر سنجاب تہا

کچہ نکی اپنی جنون نارسا نی ورنہ یہان — ذرہ ذرہ روکش خورشید عالمتاب تہا

آج کیون پروا نہین اپنی اسیرون کی تجہی — کل تلک تیرا بہی دل مہر و وفا کا باب تہا

یاد کرو وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیری دام کا — انتظار صید مین اک دیدۂ بیخواب تہا

مینی روکا رات غالب کو وگرنہ دیکہتی — اوسکی سیل گریہ مین گردون کف سیلاب تہا

عکس: دیوانِ غالب، طبع دوّم (۱۸۴۷ء)

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا

وان کرم کو عذرِ بارش تھا عنان گیرِ خرام
گریے سے یان پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یان ہجومِ اشک مین تارِ نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آب جو
یان روان مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

یان سرِ پرشور بیخوابی سے تھا دیوار جو
وان وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا

یان نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی
جلوۂ گل وان بساطِ صحبتِ احباب تھا

فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موجِ رنگ کا
یان زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

ناگہان اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

۳۴

نالۂ دل مین شب اندازِ اثر نایاب تھا
تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہون
پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

قطعہ

کچھ نکی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یان
ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالمتاب تھا

آج کیون پروا نہین اپنے اسیرون کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید مین اک دیدۂ بیخواب تھا

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اوس کے سیلِ گریہ مین گردون کفِ سیلاب تھا

عکس: دیوانِ غالب، طبع پنجم (۱۸۶۳ء)

نسخۂ بھوپال (۱۸۲۱ء) کے ایک صفحے کا عکس، بشمولہ نسخۂ حمیدیہ (۱۹۲۱ء)

شکریہ: دیوانِ غالب نسخۂ عرشی (۱۹۵۸ء)

نسخۂ رامپور (جدید) کا ایک صفحہ جس پر میرزا صاحب کے قلم کی تصحیح ہے۔

مصنف کی دیگر کتب:

۱۔	تلاشِ منٹو	۲۰۱۷ء
۲۔	بیاضِ میراجی	۲۰۱۷ء
۳۔	دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	۲۰۱۷ء
۴۔	نوادراتِ منٹو	۲۰۰۹ء
۵۔	مکاتیبِ ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن	۲۰۰۷ء
۶۔	مشاہیر کے خطوط بنام محمد طفیل	۲۰۰۶ء
۷۔	نذرِ معین	۲۰۰۳ء
۸۔	ڈاکٹر سلیم اختر: اشاریہ، کوائف	۲۰۰۱ء